اشرف الارشاد فی حقوق العباد

حقوق العباد

آہمیت فضائل مسائل

از ارشادات

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

جمع و ترتیب

جناب محمد اقبال قریشی مدظلہم

(ہارون آباد)

ادارہ اسلامیات

کراچی — لاہور

جدید ایڈیشن نئے اضافوں کے ساتھ

اشرف الارشاد فی حقوق العباد

حقوق العباد

اہمیت ۰ فضائل ۰ مسائل

از ارشادات

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

جمع و ترتیب

جناب محمد اقبال قریشی مدظلہم

(ہارون آباد)

اضافہ

مولانا شفیع اللہ صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

ادارۂ اسلامیات کراچی لاہور

پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی — فون: ۲۷۲۲۴۰۱

۱۹۰ انارکلی، لاہور، پاکستان — فون: ۷۲۴۳۹۹۱ ۷۳۵۳۲۵۵

دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور — فون: ۷۳۲۴۴۱۲، فیکس: ۷۳۲۴۷۸۵ ۴۲ ۹۲

جملہ حقوق بحق ادارۂ اسلامیات محفوظ

چوتھی بار : طبع جدید نئے اضافوں اور تسہیل کے ساتھ صفر ۱۴۲۷ھ

اہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

ناشر : ادارۂ اسلامیات کراچی۔ لاہور

ملنے کے پتے

☆ ادارۂ اسلامیات : موہن روڈ، چوک اُردو بازار، کراچی (فون: ۲۷۲۲۴۰۱)

☆ ادارۂ اسلامیات : ۱۹۰، انارکلی، لاہور (فون: ۷۳۵۳۲۵۵)

☆ ادارۂ اسلامیات : دینا ناتھ مینشن، شارع قائد اعظم، لاہور (۷۳۲۴۴۱۲)

☆ ادارۃ المعارف : ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

☆ مکتبہ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

☆ دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ، کراچی

☆ ادارۂ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

☆ ادارۂ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر

☆ بیت القرآن : اردو بازار کراچی

☆ بیت الکتب : نزد اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

☆ بیت العلوم : ۲۶ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ترتیب

صفحہ نمبر

۱۔ باب اول :	ادائیگی حقوق العباد کی تاکید آیات قرآنی کی روشنی میں	۲۸
۲۔ باب دوم :	ادائیگی حقوق کی تاکید احادیث مبارکہ کی روشنی میں	۳۵
۳۔ باب سوم :	اقسام حقوق اور ان کا طریقہ ادائیگی	۴۴
۴۔ باب چہارم :	حقوق العباد سے متعلق قابل توجہ ضروری احکام و مسائل	۶۵
۵۔	رسالہ حقوق الاسلام	۹۱
۶۔	ضمیمہ رسالہ حقوق الاسلام	۱۰۶
۷۔	رسالہ ازالۃ الرین عن حقوق الوالدین	۱۲۱
۸۔	رسالہ والدین کے حقوق میں اعتدال	۱۴۱
۹۔	رسالہ ارشاد الہائم فی حقوق البہائم (جانوروں کے حقوق)	۱۵۵
۱۰۔	حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی	۱۹۱
۱۱۔	حقوق العباد حصہ دوم از مولانا شفیع اللہ صاحب استاذ جامعہ دار العلوم کراچی	۲۲۱

تقریظ

مخدومی ومخدوم العلماء والفضلاء
حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے محترم ومکرم جناب حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم کہنے کو رسمی عالم نہیں، مگر بزرگوں کے تربیت یافتہ دین کی صحیح فہم کے حامل اور محنت وتواضع کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ اور عارف باللہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہ کے خلیفہ مجاز ہیں اور بلا مبالغہ بیسیوں کتابوں کے مؤلف۔ کمال احتیاط کی بناء پر خود کوئی مضمون یا کتاب تحریر کرنے کے بجائے اہم دینی موضوعات پر اکابر علماء کی ان تحریرات کو جمع کر دیتے ہیں جن پر انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی، بالخصوص حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ کی گرانقدر اور عظیم الشان کتابوں سے انہوں نے بہت عمدہ مفید اور نافع مضامین مرتب کئے ہیں جن سے مخلوق خدا کو بہت دینی نفع ہوا، اس معاملہ میں ہمارے ممدوح جناب اقبال قریشی صاحب مدظلہم کو اللہ تعالیٰ نے خاص توفیق اور ان کے اوقات میں خصوصی برکت عطا فرمائی ہے۔

زیر نظر ان کی یہ جدید تالیف ''حقوق العباد'' بھی اصل میں حکیم الامت

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چند اہم اور قیمتی رسائل ومضامین کا مجموعہ ہے جن میں حقوق الاسلام، حقوق الوالدین اور حقوق البہائم جیسے معروف رسائل شامل ہیں، ان رسائل کے علاوہ کتاب کے شروع میں مؤلف دام ظلہم نے حقوق العباد کی اہمیت پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دیگر کتابوں سے ابتداء میں ایک مضمون بھی مرتب کیا ہے جس میں قرآن وسنت کی روشنی میں حقوق العباد کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور ان کی ادائیگی کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔

اس طرح یہ مجموعہ اب مستقل کتاب کی شکل اختیار کر گیا ہے، یہ کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اس کا نفع عام سے عام تر فرمائیں اور مؤلف کو اپنی بارگاہ سے جزائے خیر عطا کریں اور ان کو صحت وقوت کے ساتھ عمر دراز عطا فرما کر ان کے دینی نفع کو عام اور تام فرمائیں۔

احقر محمود اشرف غفراللہ لہٗ

جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۹/۲/۱۴۲۰ھ

فہرست

فہرست مضامین	صفحہ نمبر
تقریظ	۵
تعارف	۲۵
باب اول: ادائیگی حقوق العباد کی تاکید آیات قرآنی کی روشنی میں	۲۸
باب دوم: ادائیگی حقوق العباد کی تاکید احادیث مبارکہ کی روشنی میں	۳۵
قرض کی خرابیاں	۴۰
حقوق العباد ضائع کر کے حج کو جانا گناہ ہے	۴۱
حقوق اہل وعیال	۴۱
باب سوم: اقسام حقوق اوران کا طریقۂ ادائیگی	۴۳
حقوق العباد حقوق اللہ پر مقدم ہونے کی نظیر	۴۳
حقوق اللہ درحقیقت حقوق النفس ہیں	۴۵
حقوق اللہ کہنے کی عجیب مثال	۴۵
حقوق اللہ کی دو اقسام	۴۷
حقوق اللہ کی ادائیگی ذکر اللہ حقیقی ہے	۴۷
حقوق اللہ کی اقسام	۴۸
حقوق العباد حقوق اللہ کی قسم ہے	۴۸
حق العبد میں حق اللہ ہوتا ہے	۴۸
حقوق العباد بھی دراصل حقوق اللہ ہیں	۴۹

صفحہ نمبر	فہرست مضامین

حقوق العباد کا اہتمام حقوق اللہ سے زیادہ ہے	۴۹
حقوق العباد کی اہمیت	۵۰
مرغیاں ڈربے میں بند رہنے سے واردات علوم ومعارف کی بندش	۵۰
تعلق مع اللہ ادائیگی حقوق العباد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا	۵۱
ادائیگی حقوق العباد کا سبب خشیت اللہ ہے	۵۱
خواص کے قلوب میں بھی ادائیگی حقوق العباد کی زیادہ فکر نہیں	۵۲
حقوق العباد سے عوام الناس کی لاپرواہی	۵۳
حقوق العباد کی ادائیگی درویشی میں داخل ہے	۵۴
ریلوے کی حق تلفی	۵۶
حقوق کی تین اقسام	۵۷
عزت آبرو بھی حقوق العباد میں شامل ہے	۵۸
لاپتہ حقوق مالیہ اور جسمانیہ کی ادائیگی کا طریقہ	۶۰
نامعلوم افراد کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ	۶۱
حقوق العباد کی تلافی کا طریقہ	۶۱
نیت کی برکات	۶۳
حقوق العباد کا استغفار	۶۳
قرض معاف کرنے کا شرعی طریقہ	۶۳
عورتوں کا حق میراث معاف کرنا شرعاً معتبر نہیں	۶۴
نابالغ کا حق ادا کرنے کا طریق	۶۴
باب چہارم: حقوق العباد سے متعلق چند قابل توجہ ضروری	
احکام ومسائل	۶۵
سرکاری جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کا حکم	۶۵

فہرست مضامین	صفحہ نمبر
وقف مال کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں	۶۵
وقف قبرستان میں قبر سے ایک بالشت جگہ لینا بھی جائز نہیں	۶۶
مہمان کا دستر خوان سے سائل کو دینا جائز نہیں	۶۶
مسافر کا حکم	۶۶
ایک دستر خوان کا کھانا دوسرے پر دینا جائز نہیں	۶۷
میزبان کی اجازت کے بغیر کسی کو لے جانا حرام ہے	۶۷
بھیجے ہوئے کھانے کے برتن کا حکم	۶۷
چندۂ مدرسہ سے مہمان کو کھانا کھلانا جائز نہیں	۶۷
مدرسہ کے نابالغ بچوں سے کام لینا جائز نہیں	۶۸
طلباء سے ذاتی کام لینے کا حکم	۶۸
نابالغ بچوں سے چندہ لینے کا حکم	۶۸
رسومات کے لئے قرض دینا ممنوع ہے	۶۹
تصرف کے لئے مالی جرمانہ رکھنا جائز نہیں	۶۹
استاد کو اجازت کے بغیر مارنے کا حق نہیں	۶۹
استاد کے اختیار میں صرف پڑھانا ہے	۷۰
ذکر جہر میں رعایت حقوق العباد کی ضرورت	۷۰
پڑوسی کے حقوق کی رعایت کا حکم	۷۰
مدرس کا تدریس کے دوران کسی سے باتیں کرنا خیانت ہے	۷۰
وی پی میں ضائع شدہ چیز کا حکم	۷۱
قیدیوں سے بیگار لینے کا حکم	۷۱
کرایہ میں حقوق العباد کی رعایت کا حکم	۷۱
رکشہ وغیرہ میں کرایہ ٹھہرا کر بیٹھنا چاہئے	۷۲

صفحہ نمبر	فہرست مضامین

سفر خرچ بچ جائے تو اس کا حکم	۷۲
بغیر کرایہ ادا کئے سفر کرنا حرام ہے	۷۲
استعمال ٹکٹوں کا دوبارہ استعمال جائز نہیں	۷۳
کھوٹہ سکہ چلانے کا حکم	۷۳
کیمیا گری کا حکم	۷۳
غیر مستحق کو دینا حرام ہے	۷۳
ہٹے کٹے جوانوں کو بھیک دینے کا حکم	۷۴
ہمزاد وغیرہ سے کام لینا جائز نہیں	۷۴
کرایہ دار قصائی سے سستا گوشت نہ لینے کا حکم	۷۴
مجنون سے ہدیہ لینا درست نہیں	۷۵
رسم نیوتہ میں ادائیگی حقوق العباد میں کوتاہیاں	۷۵
زمینداروں کا اپنے کاشتکاروں سے سستے دام خریدنا	۷۷
کھڑی ہوئی گھاس کی بیع بعض اعذار کی حالت میں	۷۷
بیماری کے ایام کی تنخواہ اور وظیفہ کا حکم	۸۰
بیماری کے ایام کی تنخواہ کے مستحق ہونے کی تحقیق	۸۰
چھٹیوں کی تنخواہ کا حکم	۸۱
چھٹیوں کی تنخواہ کاٹنے کا حکم	۸۲
مدرسین چھٹیوں کی تنخواہ کے مستحق ہیں یا نہیں	۸۲
غیر حاضری کے دنوں کی تنخواہ واپس کرنے کی تدبیر	۸۳
مدرس کو اگر بجائے کھانے کے نقد روپیہ دیا جائے تو ایام رخصت میں یہ روپیہ دیا جائے گا یا نہیں	۸۳
مہینہ مکمل نہ ہونے کی صورت میں پورے مہینے کی فیس لینے کا حکم	۸۴

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

کھاتہ کی نقل کی اجرت جائز ہے	۸۵
مزدور کا حق	۸۵
اپنی رعایا سے کرایہ لینا	۸۵
زمینداروں کا لگان کے علاوہ بعض متعین چیزیں وصول کرنا	۸۶
زمینداری کے بعض متعین حقوق کا جواز اور وقف کا نفع واقف اپنے لئے رکھنا چاہے تو اس کا حکم	۸۶
زمینداری کے حقوق کے جائز ہونے کی تفصیل	۸۷
اگر کوئی لفافہ بیرنگ ہونے سے بچ جائے	۸۸
جن لوگوں کو سرکاری کام کے لئے پاس ملا ہو اس سے ذاتی ضرورت کا سفر	۸۸
چند ٹکٹوں میں ایک کا سامان ریل میں لے جانا ناجائز ہے	۸۹
زائد ٹکٹ کی قیمت وصول کرنا درست ہے	۹۰
زائد ٹکٹ کی قیمت وصول کرنے کی ایک صورت	۹۰
حقوق الاسلام	۹۱
اللہ تعالیٰ کے حقوق	۹۴
پیغمبروں کے حقوق	۹۴
صحابہؓ واہل بیتؓ کے حقوق	۹۵
علماء اور مشائخ کے حقوق	۹۵
والدین کے حقوق	۹۶
ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے حقوق	۹۶
دادا، دادی، نانا، نانی کے حقوق	۹۶

صفحہ نمبر	فہرست مضامین

اولاد کے حقوق	۹۶
دودھ پلانے والی انا کے حقوق	۹۷
سوتیلی ماں کے حقوق	۹۷
بہن بھائی کے حقوق	۹۷
رشتہ داروں کے حقوق	۹۸
استاد اور پیر کے حقوق	۹۸
شاگرد اور مرید کے حقوق	۹۸
زوجین کے حقوق	۹۸
حاکم ومحکوم کے حقوق	۹۹
سسرالی عزیزوں کے حقوق	۱۰۰
عام مسلمانوں کے حقوق	۱۰۰
ہمسایہ کے حقوق	۱۰۱
یتیموں، ضعیفوں کے حقوق	۱۰۲
مہمان کے حقوق	۱۰۲
دوستوں کے حقوق	۱۰۲
غیر مسلموں کے حقوق	۱۰۳
جانوروں کے حقوق	۱۰۴
خود اپنے پر عائد کردہ حقوق	۱۰۴
خاتمہ	۱۰۶
ضمیمہ رسالہ حقوق الاسلام	۱۰۶
حقوق الرسول ﷺ کی دو اقسام	۱۰۶

صفحہ نمبر	فہرست مضامین

ماں باپ کا حق	۱۰۷
باپ کا حق پیر سے مقدم ہے	۱۰۸
کسی امر جائز میں تعارض امر والدین میں کس کی اطاعت کرے	۱۰۸
بیوی کے حقوق	۱۰۸
بیوی اور اولاد کے نفقہ میں فرق	۱۱۰
مرض الموت میں بی بی کا شوہر کو حق مہر معاف کرنا معتبر نہیں	۱۱۰
زوجہ کے حقوق	۱۱۰
شوہر کے حقوق	۱۱۱
اولاد کے حقوق	۱۱۱
لڑکیوں کا حق نہ دینے والوں کی جائیداد خریدنا جائز نہیں	۱۱۲
اولاد غیر تندرست کے نان ونفقہ کا حکم	۱۱۲
اولاد کا حق	۱۱۲
استاد کے حقوق	۱۱۳
پیر کے حقوق	۱۱۴
رشتہ داروں کا حق	۱۱۷
غلام کا اجر	۱۱۷
حقوق اہل وعیال	۱۱۷
غلام نوکر کا قاعدہ	۱۱۸
پڑوسی کے حقوق	۱۱۸
عامۃ المسلمین کے حقوق	۱۱۸

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

ازالۃ الرین عن حقوق الوالدین	۱۲۱
آغاز مقاصد کتاب	۱۲۳
فوائد	۱۲۴
کن چیزوں میں والدین کا حکم ماننا ضروری نہیں	۱۲۵
والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا صحیح مطلب	۱۲۸
انسانی پیدائش کا اصلی مقصد	۱۲۹
والدین کے حکم کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے یا نہیں؟	۱۲۹
والدین کے حقوق ادا کرنے پر جنت کی بشارت	۱۳۰
خدا کی نافرمانی کے لئے کسی کا حکم نہیں ماننا چاہئے	۱۳۱
ماں باپ کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے	۱۳۱
والدین کے حکم سے مشتبہ مال کھانا واجب نہیں	۱۳۲
جہاد میں کافر باپ کو قتل کرنا درست ہے	۱۳۲
فاسق والدین کو اچھے طریق سے نصیحت کرے	۱۳۴
اولاد کو اچھی تعلیم دینا باپ پر فرض ہے	۱۳۵
تذئیل مفید	۱۳۶
استاد و مرشد اور زوجین کے حقوق	۱۳۶
بیوی کے ذمہ خاوند کے حقوق	۱۳۸
بیوی اور شوہر کا مال شرعاً علیحدہ علیحدہ ہے	۱۳۸
شوہر کے حکم سے فرض واجب اور سنت کو نہیں چھوڑا جا سکتا	۱۳۹
خاوند کی موجودگی میں نفلی عبادت کا حکم	۱۳۹
فائدہ جلیلہ	۱۴۰

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

تعدیل حقوق الوالدین ۱۴۳

ارشاد الھائم فی حقوق البھائم ۱۵۵

جانوروں کے حقوق کے متعلق چالیس حدیثیں ۱۵۶

آخری گزارش ۱۸۴

حقوق حیوانات ومتعلقات آں ۱۸۵

قمار کے لئے جانور پالنا ۱۸۵

جانور کی پیشاب گاہ میں ہاتھ ڈال کر دودھ دوھنا ۱۸۵

جانور کوخصی کرنا ۱۸۶

کھٹمل کو مارنے کے لئے چارپائی میں گرم پانی ڈالنا ۱۸۶

زندہ کیڑوں کو آگ میں جلانا یا کسی جانور کو کھلانا ۱۸۷

موذی کتے کو ہلاک کرنا اور اس کے ضمان کا حکم ۱۸۸

دوا کی غرض سے جانور کو مارنا ۱۸۸

جانوروں کا کانجی ہاؤس میں داخل کرنا ۱۸۸

موذی جانوروں کو مجبوری کے وقت آگ میں جلانا ۱۸۹

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور ادائیگی حقوق العباد ۱۹۱

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا آخری عمل ''امانتوں کی سپردگی'' ۱۹۳

گنوں کے کرایہ کی ادائیگی ۱۹۶

والد مرحوم کے ترکہ سے ان کے چاروں ازواج کی ادائیگی حقوق مہر ۱۹۷

مصارف یتیم خانہ کے لئے تین مکانوں کی رجسٹری ۱۹۸

اعلان عام ۲۰۰

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

ہندو بزاز کے زائد رقم کی واپسی	۲۰۰
ریلوے کے لالٹین کی واپسی	۲۰۰
مدرسہ کی سیڑھی کا کرایہ جمع کرانے کی ہدایت	۲۰۱
تقریظ نہ لکھنے کی صورت میں کتاب واپس کرنے میں عمل احتیاط	۲۰۱
چکی سے اپنی گندم ہی کا آٹا پسوانے کا حکم	۲۰۱
کتاب کی واپسی کے ساتھ مصارف ڈاک بھی ارسال فرمانا	۲۰۲
ڈاک ٹکٹوں کے معاملہ میں غایت احتیاط	۲۰۲
محترم حکیم عبدالحمید بیگ صاحب تحریر فرماتے ہیں	۲۰۳
اپنے وصیت نامہ کے نمبر ۹ میں تحریر فرماتے ہیں	۲۰۴
کاپی نویس کو ترمیم کی اجرت الگ عطا فرمانا	۲۰۵
اپنے عاشق خلیفہ ومرید کو نقل کی اجرت عطا فرمانا	۲۰۵
گڑیا توڑنے پر قیمت ارسال فرمانا	۲۰۵
نواب بہاول پور کے خلعت کی واپسی	۲۰۶
حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کو نواب ڈھاکہ نے بلایا اور سفر خرچ کے لئے سو روپے بھیجے	۲۰۷
میاں بیوی کے درمیان انصاف	۲۰۷
میٹھی روٹیوں کے دونوں ازواج میں تقسیم کا واقعہ	۲۰۸
شال کی تقسیم کا واقعہ	۲۰۸
آم اور گھی برابر تول کر دونوں گھروں میں بھیجنا	۲۰۸
حضرت پیرانی صاحبہ رحمہ اللہ کے چھت سے گرنے کے سبب سنتوں کی نیت توڑ دینا	۲۰۹
دونوں ازواج محترمات کے حقوق مہر ادا فرمانا	۲۱۰

صفحہ نمبر	فہرست مضامین

دوتربوز ہم وزن ہونے کے باوجود کاٹ کرتقسیم فرمانا	۲۱۰
حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اپنے دونوں گھروں کی راحت وعافیت کا بہت زیادہ خیال رکھتے	۲۱۲
دونوں گھروں میں مساوی القیمت تھان عطافرمانا	۲۱۲
دونوں گھروں میں یکساں خطوط لکھنے کا معمول	۲۱۳
اپنے متعلقین کوادائیگی حقوق العباد کی تعلیم	۲۱۳
مسجد کالوٹا مصروف رکھنے پر تنبیہ	۲۱۴
طلباء کو پہلے ادائیگی کاحکم	۲۱۵
ایک چور کا معافی نامہ لکھوا کر پیش کرنا	۲۱۵
ایک زمیندار کومزدور کو کھانے پینے کے لئے کچھ دینے کی نصیحت	۲۱۶
تیسرے درجہ کے ٹکٹ والے کوزائد کرایہ کی ادائیگی کاحکم	۲۱۶
متعلقین حضرت حکیم الامتؒ میں اہتمام ادائیگی حقوق العباد	۲۱۸
ایک طالب علم کوادائیگی کرایہ کاحکم	۲۱۹
بہانہ زیارت سے دوسرے کے کرایہ پرآنے والے کوواپس فرمانا	۲۱۹
اضافہ براشرف الارشاد فی حقوق العباد	۲۲۱
عرض مرتب	۲۲۳
مسلمانوں کے حقوق کا خاص خیال رکھ کرادا کرنا	۲۲۵
حقیقت حقوق العباد	۲۳۲
حقیقت حق	۲۳۴
حقوق العبادصرف مالی حقوق کانام نہیں	۲۳۶
حقوق العباد کی اہمیت	۲۳۷

صفحہ نمبر	فہرست مضامین

اہتمام حقوق	۲۳۹
ادائیگی حقوق العباد میں ترتیب	۲۳۹
حقوق واجبہ کی ادائیگی	۲۴۰
بندوں کے حقوق	۲۴۱
حق اللہ وحق العباد	۲۴۲
حقوق کی رعایت	۲۴۴
حقوق کی نگہداشت	۲۴۶
حقیقت حقوق خانہ داری	۲۴۷
ادائے حقوق کی ضرورت اور اس کا موجب آسائش ہونا	
ایک شبہ کا جواب	۲۴۹
حقوق العباد سے غفلت	۲۵۰
حق وکوتاہی	۲۵۰
حقوق العباد کی ایک علمی غلطی	۲۵۳
حقوق العباد کی تین قسمیں	۲۵۴
حقوق العباد کی فکر نہیں	۲۵۴
نامعلوم اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ	۲۵۵
دیندار ہی حقوق ادا کرتا ہے	۲۵۵
مومن کا حق یہ بھی ہے کہ اچھے القاب سے خطاب کرے	۲۵۵
مسلمان اور حقوق انسانی	۲۵۶
مسلم وکافر کے حقوق بلاامتیاز پورے کرنا ضروری ہیں	۲۵۸
حقوق متعلقین میں کمی کرنے والا دین سے ناواقف ہے	۲۵۸
توبہ بغیر ادائے حقوق کے قبول نہیں ہوتی	۲۵۸

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

گناہوں کی معافی کے لئے صرف استغفار کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ادائے حقوق بھی ضروری ہے	۲۵۹
اللہ تعالیٰ سے محبت کا ایک بڑا حق	۲۵۹
حق تعالیٰ کے حقوق	۲۶۰
حقوق الرسول ﷺ	۲۶۴
آنحضرت ﷺ کے حقوق میں کوتاہیاں	۲۶۶
جناب رسول مقبول ﷺ کے ساتھ متجددین کا معاملہ	۲۶۷
اہل اللہ کی صحبت وملازمت کا التزام ضروری ہے	۲۶۸
اہل محبت کی کوتاہیاں	۲۶۸
اپنے کو مقدس اور دوسروں کو جہنمی سمجھنے والوں کی کوتاہیاں	۲۶۹
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ چند تعلقات	۲۷۱
حقوق والدین	۲۷۲
باپ کے حقوق	۲۷۳
حقوق والد وپیر	۲۷۵
اولاد کے حقوق میں کوتاہی	۲۷۶
لڑکیوں کے حقوق میں تنگی	۲۷۹
مہرمثل لڑکی کا حق ہے	۲۸۰
بیوی کے حقوق کی اہمیت	۲۸۱
ادائے حقوق عیال	۲۸۱
حقوق زوجین	۲۸۲
حقوق خاوند وپیر	۲۸۳
مساوات حقوق مردوزن	۲۸۵

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

دینی حقوق میں عورتوں کی کوتاہی	۲۸۷
حقوق زوجہ	۲۸۹
حقوق محکوم پر حکایت	۲۹۳
بیوہ کو تمام منقولات کا مالک سمجھنا بھی ظلم ہے	۲۹۴
اگر عورت مرتے وقت شوہر کو مہر معاف کردے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا	۲۹۴
اگر دلہن میکے میں یا سسرال میں مرجاوے تو اس کا ذاتی مال سب ورثہ کو ملے گا	۲۹۵
اہل وعیال کو چھوڑ دینا کمال نہیں	۲۹۵
حقوق اہل وعیال سے غفلت دین سے غفلت ہے	۲۹۶
بیوی کے الگ رہنے کا مطالبہ اس کا حق ہے	۲۹۶
مرد کے مال میں عورت کے عزیزوں کا شرعاً کوئی حق نہیں	۲۹۷
استاد، شاگرد اور ہم جماعت ساتھیوں کے حقوق کے متعلق کوتاہیاں	۲۹۷
متعلمین کی کوتاہیوں کی تفصیل	۲۹۸
حقوق وآداب معلّم	۳۰۰
استاد کے ساتھ گفتگو کے آداب ملحوظ رکھنا	۳۰۱
استاد کی خدمت سے بلا اجازت نہ جاوے	۳۰۱
تعلیم دین بھی احسان ہے	۳۰۱
استاد اور شاگرد ایک دوسرے کو مغالطہ میں نہ ڈالے	۳۰۲
علم دین پڑھانے والا سب سے زیادہ سخی ہے	۳۰۳

صفحہ نمبر	فہرست مضامین

اگر استاد کسی کتاب پڑھنے سے منع کرے تو شاگرد کو اس پر عمل کرنا چاہئے	۳۰۴
شاگرد کے بے ڈھنگے سوال پر اگر استاد غصہ کرے تو صبر کرنا چاہئے	۳۰۴
جہاں تک ہو سکے استاد کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں	۳۰۵
استاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش رہنا چاہئے	۳۰۶
اگر استاد کسی بات پر ناراض ہو تو ان کو خوش کرنا چاہئے	۳۰۶
اہل علم اور استاد کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آنا چاہئے	۳۰۷
استاد کے حقوق کے متعلق مختلف کوتاہیاں	۳۰۷
استاد کا حق پورا نہ کرنے کے متعلق ایک عجیب حکایت	۳۰۸
کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی استاد کے حقوق میں داخل ہے	۳۰۹
استاد کی تقریر کے وقت ادھر ادھر نہیں دیکھنا چاہئے	۳۰۹
مہمل اور لغو اور اپنی ذہانت دکھلانے کے لئے سوال نہیں کرنا چاہئے	۳۱۰
ایک حکایت	۳۱۰
فراغت کے بعد کی کوتاہی	۳۱۱
تنخواہ دینے سے استاد کے حقوق سے سبکدوش نہیں ہو جاتا	۳۱۳
شاگرد کے حقوق	۳۱۴
شاگرد کے ساتھ نرمی اور ان کی استعداد کی رعایت کرنی چاہئے	۳۱۴
لوگوں کو دینی نفع پہنچانا علماء پر واجب ہے	۳۱۴
طالب علم کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کی وصیت	۳۱۶
کسی مقام کی غلط تقریر کرنا یا کسی سائل کو غلط مسئلہ بتلانا جائز نہیں	۳۱۷
تھانوی رحمہ اللہ کے استاد کی حکایت	۳۱۸

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

بغیر علم کے مسئلہ بتانا جائز نہیں ۳۱۹

اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو کہہ دے کہ معلوم نہیں، اپنی طرف سے نہ کہے ۳۲۰

شاگردوں کے نشاط و شوق رکھنے کی بھی رعایت کرنی چاہئے ۳۲۰

نااہلوں کا دینی خدمات کا متولی بننا قیامت کی علامت ہے ۳۲۱

شاگرد کے تین حقوق ۳۲۲

کبھی کبھی شاگرد سے امتحان بھی لینا چاہئے ۳۲۳

تعلیم میں شاگرد کی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہئے ۳۲۴

کوئی فن یا کوئی کتاب کسی خاص طالب علم کے لئے مضر ہو تو اس کو اس سے روکنا چاہئے ۳۲۵

شاگردوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنا چاہئے ۳۲۶

شاگرد کے لئے اللہ تعالیٰ سے علم نافع کی دعا بھی کرنی چاہئے ۳۲۶

شاگرد کی دلجوئی کے متعلق ایک مثال ۳۲۶

اگر کوئی بات غصہ کی صورت میں کہنے سے شاگرد کے لئے بہتر ہو تو اس صورت میں کہے ۳۲۷

اگر مصلحت ہو تو تقسیم اوقات اور جماعت بندی کی جا سکتی ہے ۳۲۸

اگر استاد کو کسی ایک بات پر غصہ آجائے تو دوسری بات پر اس کا اثر نہ رہنا چاہئے ۳۲۸

استاد کی تقریر میں کوئی شبہ ہو اور طالب علم اس کو پوچھنے لگے تو ناخوش نہ ہو ۳۲۹

اگر طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر معلوم ہو تو کرنی چاہئے ۳۳۰

صفحہ نمبر	فہرست مضامین

شاگرد کے سوال کے جواب میں اگر ضروری اور مفید باتوں کا
اضافہ ہو سکے تو کرے ۳۳۰

ساتھیوں کے حقوق ۳۳۲

ہمسایہ دینی بھائی ہے، لہٰذا اس سے بھائیوں جیسا معاملہ کرنا چاہئے ۳۳۲
ساتھیوں کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم ۳۳۳
اگر کسی عذر کی بناء پر کوئی ساتھی سبق میں نہ آ سکے تو دوسرے کو
چاہئے کہ ناغہ شدہ سبق اس کو تکرار کرا دے ۳۳۳
مجلس میں بعد میں آنیوالوں کے متعلق نصیحت ۳۳۴
اگر کوئی ساتھی دیر سے آوے تو اس کو جگہ دینا چاہئے ۳۳۵
اگر کوئی ہم سبق استاذ سے شرم کی وجہ سے سوال نہ کر سکے تو دوسرے
طالب علم کو اس کی مدد کرنی چاہئے ۳۳۶
تعزیر سے متعلق اساتذہ کی ایک عظیم کوتاہی ۳۳۹
شاگردی کے حقوق ۳۴۰
اپنی جان کے حقوق ادا کرنا ۳۴۰
نفس کے حقوق ۳۴۷
غیبت حق العبد ہے ۳۴۸
حقوق العباد چھوڑ کر قربانی کرنا ۳۴۹
اموال حکومت میں حقوق کی رعایت ۳۴۹
جانوروں کے حقوق ۳۴۹
مہمان پر یہ بھی حق ہے ۳۵۱
مہمان کا حق کس پر ہے؟ ۳۵۱

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

اگر کسی کے پاس جانا ہو تو اسے پہلے سے اطلاع دینی چاہئے	۳۵۱
عارضی قیام کے متعلق کوتاہیاں	۳۵۳
ریل میں قانون سے زیادہ اسباب لے جانے کی ممانعت	۳۵۴
عین جہاد کے وقت کافروں کے حقوق	۳۵۴
تلف حقوق	۳۵۵
میت پر کسی قسم کا قرض اگر دلیل سے ثابت ہو تو انکار نہ کرنا چاہئے	۳۵۶
اگر میت کا کوئی وارث بطن مادر میں ہو تو اس کے تولد تک میراث تقسیم نہیں ہوگی	۳۵۷
میت کا ورثہ مشترکہ ہوتا ہے	۳۵۷
میراث میں آج کل بہت گڑ بڑ ہے	۳۵۷
معاملات کی صفائی دین کا اہم جزء ہے	۳۵۹
حکیم الامت رحمہ اللہ کا حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام	۳۵۹
حضرت تھانویؒ کا اموال میں حقوق کی رعایت کا شدید اہتمام	۳۶۰
محض وسوسہ کے سبب خدمت طالبین کے ضروری حقوق تلف نہیں کرسکتا (تھانویؒ)	۳۶۱
حکیم الامت رحمہ اللہ کی دوسروں کے حقوق کی گہری رعایتیں	۳۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم وعلی آله وأصحابه وأولیاء أجمعین، وبارك وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

أما بعد!

قرآن وحدیث میں ادائیگی حقوق العباد کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ فقہاء نے اس کے پیش نظر حقوق العباد کو حقوق اللہ پر مقدم فرمایا ہے۔

درمختار میں روایت لکھی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کسی کے تین پیسے قرض کے رہ جائیں تو قیامت میں اس کی سات سونمازیں قرض خواہ کو دلائی جائیں گی۔

مگر مقام افسوس اکثر دیندار کہلانے والوں میں حقوق العباد کے معاملہ میں از حد لاپروائی ہے، عوام تو عوام خواص میں بھی اس کا اس قدر اہتمام نہیں جس قدر تاکید ہے، الا نادرا، اسی ضرورت کی بناء پر۔

(۱) افادات حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے حقوق العباد کی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کی گئی ہیں۔

(۲) حقوق العباد سے متعلق ایسے احکام ومسائل جن کی طرف شاذ ونادر ہی کسی کو اہتمام ہو، ان کوتاہیوں کی نشاندہی کر کے اس قسم کے احکام ومسائل یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

(۳) اس موضوع پر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے چار رسائل شامل کر دیئے گئے ہیں: (۱) حقوق الاسلام (۲) ازالۃ الرین عن حقوق الوالدین (۳) تعدیل حقوق الوالدین (۴) ارشاد الہائم فی حقوق البہائم یعنی جانوروں کے حقوق بہ ترتیب جدید و اضافہ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ بلند شہری مہاجر مدنی۔

(۴) اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ تکرار نہ ہو، لیکن کسی مقام پر کسی اور عنوان مفید کے تحت تکرار آ گیا ہے تو وہ قند مکرر ہے، خود قرآن مجید میں بعض مضامین کا تکرار موجود ہے۔

(۵) اپنی طرف سے مضامین میں حسن ترتیب کی پوری سعی کی گئی ہے تاہم اگر اس سلسلہ میں کہیں ذوق کو گراں گزرے تو ناکارہ کی طرف منسوب کیا جائے یا خیر خواہانہ مشورہ سے نوازا جائے تو بہ طیب خاطر قبول کیا جائے گا۔ باقی ارشادات عالیہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے ہی ہیں، جن کی شان بقول عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب سکھروی رحمہ اللہ یہ ہے کہ ''شہد جہاں سے، جدھر سے بھی چکھا جائے میٹھا ہی ہے''۔

(۶) آخر میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی ادائیگی حقوق العباد کے چند واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، جن میں بلاشبہ ہم سب کے لئے ایک درس حیات ہے، اور اس سے اندازہ ہوگا کہ خود حضرت حکیم الامت کا اس پر کس قدر عمل تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالہ ہذا کو قبولیت عامہ و تامہ سے نوازے، ناکارہ اور ناشرین کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلۂ نجات بنائے آمین۔

جملہ قارئین سے استدعا ہے کہ ناکارہ کی صحت جسمانی و روحانی سے شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ اور خاتمہ ایمان پر ہونے کے لئے خصوصی دعائیں فرمائیں، جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

رہ طلب میں سوار سب ہیں پیادہ مثل غبار ہوں میں
ترے گلستان میں سب تو گل ہیں بس اک اگر ہوں تو خار ہوں میں
مجھے بھی کچھ فکر آخرت ہو بہت ہی غفلت شعار ہوں میں
رہا میں بے کار زندگی بھر بس اب تو مشغول کار ہوں میں

محتاج دعائے خیر
بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ
امام وخطیب جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد
المرقوم محرم الحرام سنہ ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه
وأولياء ٥ أجمعين۔

باب اول

ادائیگی حقوق العباد کی تاکید آیات قرآنی کی روشنی میں

ارشاد فرمایا حق سبحانہ وتعالیٰ نے:

(۱) ﴿ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ، ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (الروم آیت نمبر ۳۸)

پس اے مسلمان انفاق فی الخیر میں بخل مت کیا کر، بلکہ قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور (اسی طرح) مسکین اور مسافر کو بھی (ان کے حقوق دیا کرو جن کی تفصیل دلائل شرعیہ سے معلوم ہے) یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۲) ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ، وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ، وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ، وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ، وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ (البقرہ ،آیت نمبر ۱۷۷)

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو (کرلو) لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) پر یقین رکھے اور اسی طرح قیامت کے دن (آنے پر) اور فرشتوں (کے وجود) پر (بھی) اور (سب) کتب (سماویہ) پر (بھی) اور سب پیغمبروں پر (بھی) او (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں (اپنے حاجت مند) رشتہ داروں کو اور (نادار) یتیموں کو (یعنی جن بچوں کا باپ ان کو نابالغ چھوڑ کر مر گیا ہو) اور (دوسرے غریب محتاجوں کو (بھی) اور (بے خرچ) مسافروں کو اور (لاچاری میں) سوال کرنے والوں کو اور (قیدی اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں (بھی مال خرچ کرتا ہو) اور (وہ شخص) نماز کی پابندی (بھی) رکھتا ہو اور (مقررہ) زکوۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب (کسی امر جائز کا) عہد کریں اور اس صفت خصوصیت کے ساتھ کہوں گا کہ) وہ لوگ (ان موقع پر) مستقل (مزاج) رہنے والے ہوں (ایک تو) تنگ دستی میں اور (دوسرے) بیماری میں (تیسرے معرکہ) قتال (کفار) میں (یعنی پریشان اور کم ہمت نہ ہوں، بس) یہ لوگ ہیں سچے (کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (سچے) متقی (کہے جاسکتے ہیں)۔

ف: شریعت میں کل احکام کا حاصل تین چیزیں ہیں (۱) عقائد (۲) اعمال (۳) اخلاق اور تمام جزئیات ان ہی کلیات کے تحت میں داخل ہیں، اور اس آیت میں ان اقسام سہ گانہ کے بڑے بڑے شعبے ارشاد فرمائے گئے ہیں، اس اعتبار سے یہ آیت منجملہ جوامع الکلم کے ہے۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۵۶ تاج کمپنی)

(۳) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النحل آیت نمبر ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم کرتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس

لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

(٤) ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ، اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ، رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ، اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ، وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل ،آیت: ۲۳ تا ۲۶)

اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس معبود (برحق) کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر (وہ) تیرے پاس (ہوں اور) ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بوڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں جس کی وجہ سے محتاج خدمت ہو جائیں اور جبکہ طبعًا ان کی خدمت کرنا ثقیل معلوم ہو) سو (اس وقت بھی اتنا ادب کرو) کہ ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور ان کے لئے حق تعالیٰ سے یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا انہوں نے مجھے بچپن کی (عمر) میں پرورش کیا ہے (اور صرف اس ظاہری تعظیم وتوقیر پر اکتفامت کرنا، دل میں بھی ان کا ادب اور قصد اطاعت رکھنا کیونکہ تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر (دل میں چھپی ہوئی بات) کو خوب جانتا ہے (اور اسی وجہ سے تمہارے لئے ایک تخفیف بھی سناتے ہیں کہ) اگر تم حقیقت میں دل ہی سے) سعادت مند ہو اور غلطی یا تنگ مزاجی یا تنگ دلی سے کوئی ظاہری فروگزاشت (کوتاہی) ہو جائے اور نادم ہو کر معذرت کرلو) تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کردیتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق (مالی وغیر مالی) اور محتاج اور مسافر کو بھی ان کے حقوق دیتے رہنا اور مال کو بے موقع مت اڑانا۔

ف (۱):۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۳ میں ادائے حقوق والدین کا

حکم ہے اور ارحمھما میں جو دعا کے لئے فرمایا ہے ظاہراً امر ندب واستحباب کے لئے ہے اور بعض نے کہا کہ وجوب کے لئے ہے، لیکن عمر بھر میں ایک دفعہ بھی دعا کرنے سے واجب ادا ہو جائے گا اور بدلائل شرعیہ یہ دعا کرنا مقید ہے ایمان ابوین کے ساتھ، البتہ اگر حالت کفر میں زندہ ہوں اور دعائے رحمت بمعنی دعا ہدایت کی جائے تو جائز ہے، اور آیت نمبر ۲۶ ادائے حقوق دیگر اہل حق کی تاکید ہے۔ (بیان القرآن)

ف (ii):- ﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴾

(یعنی تمہارے خدا کو خوب معلوم ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور اگر تمہارے اندر صلاحیت ہے تو وہ رجوع ہونے والوں کے لئے غفور بھی ہیں)۔

اب واقعات میں غور کیجئے تو اس کا پتہ چلے گا کہ یہ کتنی دور کی بات فرمائی ہے، یہ کبھی تھکا ماندہ جھنجھلایا ہوا ہوتا ہے اور ادھر والد بزرگوار کے بڑھاپے کی وجہ سے عقل ماری جاتی ہے اور اس سے ایک فضول اور لایعنی بکواس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ کیوں بیٹا یہ یوں ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، پھر پوچھا یوں ہے؟ کہا جی ہاں، غرض دو مرتبہ سیدھی طرح بتا دیا، تیسری مرتبہ کچھ جوانی کی حدت (تیزی) اور کچھ تھکن کی جھنجھلاہٹ کہ یہ تو دم ہی نہیں لینے دیتے ذرا ترش لہجہ میں کہہ دیا کہ ابھی تو عرض کر چکا ہوں، آپ بار بار پوچھے جاتے ہیں حالانکہ ان کی حالت خود کسی وقت میں اس سے زیادہ بے عقلی کی باتیں کراتی تھی اور وہی باپ نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیتا تھا۔

چنانچہ ایک بنئے کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ اس کے گھر میں کوا آ کر بیٹھا، اس کے چھوٹے بچے نے پوچھا ابا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا بیٹا کوا ہے، پھر پوچھا کیا ہے؟ کہا کوا ہے، یہاں تک کہ سو مرتبہ پوچھا اور وہ برابر کہتا رہا کوا ہے، تھا ہوشیار اس کو ایک بہی (ڈائری) پر لکھتا گیا، اتفاق سے جب صاحب زادہ جوان ہوا اور ابا جان کے بڑھاپے کا زمانہ آیا اور کوا آ کر بیٹھا، صاحب زادے سے پوچھا کہ بیٹا کیا ہے؟ پہلے ہی سوال پر اپنے دل میں کہنے لگے کہ اب یہ ایسے نابالغ ہو گئے کہ انہیں اس کی بھی خبر نہیں،

مگر خیر زبان سے کہہ دیا کوا ہے، پھر پوچھا تو کہا، ابھی تو عرض کر چکا ہوں کہ کوا ہے، تیسری مرتبہ پھر پوچھا تو کہا کیا دماغ میں خبا (جنون) ہوگیا ہے، بڈھے نے کہا خفا نہ ہو اور بہی لے آیا اور دکھایا کہ تم نے تو سو مرتبہ پوچھا تھا، مگر اپنے بوڑھے باپ کو پانچ مرتبہ نہ بتا سکے۔ (کف الاذی ملحقہ مواعظ حقوق وفرائض ص نمبر ۳۳)

(۵) ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾ (النساء، آیت نمبر ۳)

اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو، پس اگر تم کو (غالب) احتمال اس کا ہو کہ (کئی بیبیاں کر کے) عدل نہ رکھو گے (بلکہ کسی بی بی کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے تو پھر ایک بی بی پر بس کرو (اور اگر دیکھو کہ ایک کے بھی حقوق ادا نہ ہوں گے تو) جو لونڈی (حسب قاعدہ شرعیہ) تمہاری ملک میں ہو وہی سہی، اس امر مذکور میں (یعنی ایک بی بی کے رکھنے یا صرف لونڈی پر بس کرنے میں) زیادتی (بے انصافی) نہ ہونے کے قریب تر ہے۔

ف:۔ خود حق تعالیٰ کا اس طرح فرمانا ﴿فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ﴾ صریح دلیل ہے کہ یہ احتمال بہت غالب اور قوی ہے۔ (اصلاح انقلاب امت ج۲ ص ۸۵) کہ دونوں کے حقوق کی ادائیگی میں شاید مساوات اور عدل نہ کر سکو، اسی لئے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے تھے۔

من نکر دم شما حذر بکنید

(۶) ﴿وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَۃً، فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْٓئًا مَّرِیْٓئًا﴾ (النساء، آیت نمبر ۴)

اور تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر کا کوئی جزو (اور یہی حکم کل کا بھی ہے) تو (اس

حالت میں) تم اس کو کھاؤ (برتو) مزہ اور خوشگوار سمجھ کر۔

ف :۔ مسئلہ :۔ اگر مہر لے کر واپس کر دیں تو یہ ھبہ ہے اور اگر بے لئے معاف کر دیں تو ابراء ہے اور دونوں جائز ہیں اور آیت دونوں کو شامل ہے۔

مسئلہ :۔ عموم الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کے رشتہ دار بھی بدون اس کی مرضی کے مہر میں تصرف نہیں کر سکتے ہیں۔ (بیان القرآن)

(ii) حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا کچھ مہر ٹھہرائے، پھر یہ نیت رکھے کہ اس کے مہر میں سے اس کو کچھ نہ دے گا یا اس کو پورا نہ دے گا تو وہ شخص زانی ہو کر مرے گا اور اللہ تعالیٰ سے زانی ہو کر ملے گا۔

مہر ایک دین (واجب حق) ہے، جب اس کے ادا کی نیت نہ ہو تو حدیث کے دوسرے جزو کے مطابق یہ شخص خائن بھی ہے اور چور بھی، تو اس شخص پر دو جرم قائم ہوئے زانی اور چور، کیونکہ ظاہر ہے کہ کسی کے مالی حق کو ضائع کرنا خیانت اور سرقہ ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھو اصلاح انقلاب امت ج ۲ ص ۱۲۷، ص ۱۲۸)

(۷) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ، اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴾ (النساء، آیت نمبر ۵۸)

(اے اہل حکومت خواہ تھوڑوں پر حکومت ہو خواہ بہتوں پر) بے شک اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق (جو تمہارے ذمہ ہیں) پہنچا دیا کرو اور (تم کو) یہ (بھی حکم دیتے ہیں) کہ جب (محکوم) لوگوں کا تصفیہ کیا کرو (ایسے حقوق میں جو ان میں باہم ایک دوسرے کے ذمہ ہیں) تو عدل (وانصاف) سے تصفیہ کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بہت اچھی ہے (دنیا کے اعتبار سے بھی کہ اس میں استحکام حکومت ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی کہ اس میں موجب قرب وثواب ہے، بلاشک اللہ تعالیٰ (تمہارے اقوال کو جو در بارہ

امانت وتصفیہ کے تم سے صادر ہوتے ہیں) خوب سنتے ہیں اور (تمہارے افعال کو جو اس باب میں تم سے واقع ہوتے ہیں) خوب دیکھتے ہیں (تو اگر کمی وکوتاہی کروگے تو مطلع ہو کرتم کو سزادیں گے)۔

ف:۔اس آیت مبارکہ میں ادائے حقوق محکوم وحاکم مسلم کی تاکید ہے۔

باب دوم
ادائیگی حقوق العباد کی تاکید
احادیث مبارکہ کی روشنی میں

ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے:

(۱) ینادی مناد من تحت العرش یوم القیامۃ یا امۃ محمد اما ما کان لی قبلکم فقد غفرتہ لکم وبقیت التبعات فتوا ھبوھا بینکم وادخلوا الجنۃ برحمتی (رویناہ فی سباعیات ابی اسعد القشیری من حدیث انس رضی اللّٰہ عنہ وفیہ الحسین بن داؤد البلخی قال الخطیب لیس بثقۃ)۔

یعنی قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا (حق تعالیٰ کی جانب سے) زیرعرش سے ندا کرے گا کہ اے اُمت محمد! میرا جو کچھ حق تمہاری طرف تھا، اس کو تو معاف کر چکا، سو تم آپس میں ایک دوسرے کو بخش دو اور میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ف:- اس حدیث میں حقوق العباد میں بھی رجا (امید) کی تقویت ہے اور یہ رجا اس شخص کے لئے اور زیادہ قوی ہو جائے گی جو حقوق العباد کی نگرانی اور اہتمام رکھے۔ (التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف ص ۱۵۵)

(۲) اخرو الاحمال فان الا یدی مغلقۃ والارجل موثقۃ (د) فی مراسلۃ عن الزھری و وصلہ البزار (ء طس) عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ نحوہ (ح) قال العزیزی و سببہ ان النبی ﷺ رای جملا

حمله مقدم علی یدیه فذکره و القصد الرفق بالدابة ماامکن اه۔

(جانور پر) اسباب ذرا پیچھے ہٹا کر رکھو کیونکہ (بہت آگے بڑھا کر رکھنے سے) گویا پاؤں بندھ جاتے ہیں، سبب اس ارشاد کا یہ تھا کہ نبی ﷺ نے ایک اونٹ کو دیکھا جس کا بوجھ اس کے ہاتھوں کی طرف بڑھا ہوا رکھا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے یہ ذکر فرمایا اور مقصود آپ ﷺ کا جانور کے ساتھ نرمی کرنا جہاں تک ممکن ہو۔

(۳) وعن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ من کانت له مظلمةٌ لا خيه من عرضه او شئی فليتحلله منه اليوم قبل ان لا يکون دينار ولا درهم ان کان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته و ان لم تکن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه ۔(رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس کے ذمہ کسی (مسلمان یا انسان بھائی کا کچھ حق ہو اس کی آبرو کے متعلق یا اور کسی قسم کا وہ اس سے آج معاف کرالے ایسے وقت سے پہلے کہ نہ اس کے پاس دینار ہوگا نہ درہم، اگر اس کے پاس کچھ عمل صالح ہوگا تو بقدر اس کے حق کے اس سے لے کر صاحب حق کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے فریق کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے۔ (مشکوۃ باب الظلم) (اشرف السوانح ج ۳ ص ۱۴۱)

(۴) وعن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع، فقال ان المفلس من امتی من ياتی يوم القيامة بصلوة وصيام وزکوة وياتی قدشتم هذا وقذف هذا واکل مال هذا وسفك دم هذا وضرب هذا فيعطی هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنيت حسناته قبل ان يقضی ماعليه اخذ من خطا ياهم فطرحت عليه ثم طرح فی النار ۔(رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض

کیا کہ مفلس ہم میں سے وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہے نہ مال واسباب۔ پس ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے میری امت میں حقیقت میں مفلس وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ مقبول نمازیں، روزے، زکوۃ (اور دیگر عبادتیں) اس کے پاس ہوں گی اور وہ اس حال میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا مال کھا گیا ہوگا اور کسی کو ناحق قتل کیا، اور کسی کو ناحق مارا، پس مظلوم صاحب حق کو اس کی نیکیوں (کا ثواب) دیا جائے گا وار اس کی تمام نیکیاں ختم ہوگئیں اور ابھی اہل حقوق کے حقوق اس کے ذمہ رہے تو ان اہل حقوق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے، پھر اس شخص کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(۵) المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده۔

"یعنی پورا مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سالم رہیں"

اس مختصر مگر نہایت جامع حدیث میں ایک ضروری فائدہ بیان کیا گیا ہے جو مصالحہ شرعیہ و تمدنیہ (شرعی اور تمدنی مصلحتیں) دونوں کو شامل ہے، شریعت کی غرض تمدن کو محفوظ رکھنا نہیں، بلکہ اس کی غرض صرف یہ ہے کہ رضائے خداوندی حاصل ہو اور اللہ تعالی و بندہ کے درمیان تعلق صحیح پیدا ہو، لیکن حق تعالی کی غایت ہے کہ اس نے احکام اس طور پر مقرر فرمائے کہ ان پر مصالح تمدنی مرتب ہو جاتے ہیں۔

من سلم المسلمون "جس سے مسلمان سالم رہیں" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر مسلم کی رعایت ضروری نہیں کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے "المومن من امن الناس بوائقه "یعنی مومن وہ ہے جس کے خطرہ سے تمام آدمی امن میں رہیں تو تمام لوگوں کی رعایت ضروری ہوئی خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر، ان سب کے حقوق بھی ہوئے، البتہ حربی اس حکم میں داخل نہیں اور مسلمون جو جمع کے صیغہ سے ہے، تو جمع سے تو کبھی مجموعہ مراد ہوتا ہے کبھی ہر ہر واحد تو ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر ہر واحد مراد لیا جائے کہ ہر مسلمان اس کی ایذا سے محفوظ رہے۔

"من لسانه و يده" اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے، اس میں دو قسم کے

حقوق کی طرف اشارہ ہے گو یہ تین قسم کے مالی، جانی، عرضی حقوق چھڑانے کے ہیں جس کو اس حدیث میں صاف فرمادیا کہ ''ان دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرام، کحرمۃ یومکم ھذا '' (تحقیق تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں مثل تمہاری اس دن کی حرمت کے) یعنی (۱) آپس میں نہ ایک دوسرے کو قتل کرے (۲) نہ ناحق مال لے (۳) اور نہ آبروریزی کرے۔

پس یہ تین قسم کے حق ہیں، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال وجان کے حقوق تو اکثر ہاتھ سے تلف ہوتے ہیں اور عرضی اکثر زبان سے، مال کا حق مثلاً کسی کا مال لوٹ لیا، یا کسی کو لکھ دیا لوٹنے کے لئے اس کا آلہ یہی ہاتھ ہوگا، اب رہا جان کا حق یہ بھی ہاتھ ہی سے ہوتا ہے، اور اگر کسی کو زبان سے قتل کرنے کو کہا تو یہ بھی پورا ہاتھ ہی سے ہوگا، اب رہی آبرو تو وہ کبھی ہاتھ سے تلف کی جاتی ہے اور اکثر زبان سے، گو یہ حقوق تین قسم کے ہیں، مگر انہی دوصورتوں میں داخل ہیں ''من لسانہ ویدہ '' پس حاصل حدیث کا یہ ہوا کہ نہ جان کو تکلیف دے نہ مال کو نہ آبرو کو۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہمیں حقوق العباد کی بھی رعایت کرنا چاہئے، مثلاً اکثر لوگ مسجد کے اندر پچھلی دیوار سے مل کر نیت باندھتے ہیں، اگر اب وہاں سے کوئی نکلنا چاہے نکلے گا تو گناہ گار ہوگا، گناہ سے بچ نہیں سکتا اور گناہ سے بچے تو نکل نہیں سکتا اسے تکلیف ہوئی، غرض ہر عمل میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (کف الاذی ص ۲۳، ص ۳۴، ص ۳۵)

(۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لتؤدن الحقوق الی اھلھا یوم القیامۃ حتی یقاد للشاۃ الجلحاء من الشاۃ القرناء۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت کے دن اہل حقوق کے حقوق دلوائے جائیں گے، یہاںتک کہ بے سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔

ف:۔ بکری اگر چہ مکلف احکام کی نہیں، مگر حق سبحانہ وتعالیٰ شان عدل و

انصاف کا اظہار فرمانے کے لئے ایسا فرمائیں گے۔

(۷) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسو ل الله ﷺ من طلب الدنيا حلالا استعفافا عن المسئلة و سعيا على اهله و تعطفا على جاره لقى الله يوم القيامة و وجهه مثل القمر ليلة البد ر۔

(رواه البيهقى فى شعب الايمان وابو نعيم فى الحلية)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حلال دنیا کو اس لئے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل وعیال کے (ادائے حقوق کے لئے) کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا۔

ف:- معلوم ہوا کہ کسب مال بقدر ضرورت دین بچانے کے لئے اور ادائے حقوق کے لئے بڑی فضیلت ہے، اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

(۸) عن عبد الله ابن جحش رضى الله عنه قال قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم والذى نفسى بيده لو قتل رجل فى سبيل الله ثم عاش ثم قتل ثم عاش ثم قتل و عليه دين ما دخل الجنة حتى يقضى دينه۔

(رواه النسائى والطبرانى فى الاوسط الحاكم واللفظ له وقال صحيح الاسناد)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین (قرض) (یعنی جو کسی کا مالی حق کسی کے ذمہ آتا ہو) کے بارے میں فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص جہاد میں شہید ہو جائے، پھر زندہ ہوکر (دوبارہ) شہید ہو جائے پھر زندہ ہوکر سہ بار شہید ہو جائے وہ جنت میں نہ جائے گا جب تک اس کا دین ادا نہ کیا جائے گا۔

ف:- البتہ جو دین کسی ضرورت سے لیا کہ شرع کے نزدیک بھی وہ ضرورت ہے اور اس کی ادا کی دھن میں بھی لگا رہا اس کی اجازت ہے۔ (حیاۃ المسلمین)

قرض کی خرابیاں

صاحبو! شہادت سے بڑھ کر کیا چیز ہے جب دَین اس سے بھی معاف نہ ہوا، اور کس سے معاف ہوگا، اس سے دین کی بڑی سختی ہوتی ہے، اکثر لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، اس مقدمہ میں کیسی بد پرہیزیاں ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے بلاضرورت کسی کا مدیون ہو جانا اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ فضولیات کیلئے قرض لیا جاتا ہے، بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے جو مصیبت کے بارے میں قرض لیتے ہیں اور مصیبت زدوں کو ملتا کب ہے؟ اکثر مالدار اہل جائیداد کو ملتا ہے تو فرمایئے کہ اس پر کیا بلا نازل ہوئی کہ خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے قرضدار رہو۔ اور قرض داری بھی یا تو کسی شادی میں برباد کرنے یا کوئی عالی شان محل تیار کرنے کو یا رسوم غمی میں جو اکثر خلاف عقل اور خلاف شرع ہیں اُڑانے کو، غرض نام آوری کے کاموں میں صرف کرنے کو قرض ہوتا ہے، پھر خدا کے فضل سے نام بھی نصیب نہیں ہوتا اور اگر نام بھی ہو تو اس کی کیا قیمت ہے اور پھر کل کو اس سے بڑھ کر بد نامی ہوگی اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

دوسری بد پرہیزی یہ کہ اپنے زیور یا جائیداد کو محفوظ رکھنا اور دوسروں سے قرض لینا، اکثر سودی قرض ملتا ہے چند روز میں دوگنے چوگنے ہوکر وہ تمام زیور اور جائیداد برباد ہو جاتی ہے اور خسارہ اور گناہ رہا گھاٹے میں۔ بس ایسی ہی ضرورت ہے تو ہرگز موجود چیز کی محبت نہ کرے، خدا تعالیٰ پھر عطا فرمائیں گے، اپنی راحت و عافیت کے مقابلے میں زیور جائیداد کیا بلا ہے۔

تیسری بد پرہیزی یہ کہ لے کر بے فکر ہو جاتے ہیں یہ نہیں کہ اس کا خیال رکھیں تھوڑا تھوڑا ادا کرتے رہیں، اپنے بعض غیر ضروری مصارف کو روک کر اپنی آمدنی میں سے پس انداز کر کے کچھ کچھ پہنچاتے رہیں، بدنام ہوتے ہیں، ذلیل ہوتے ہیں، نادہند مشہور ہو جاتے ہیں، اعتبار جاتا رہتا ہے، لوگ معاملہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں اور سب سے طرہ یہ کہ مؤاخذہ آخرت سر پر۔ البتہ جو سخت ضرورت میں قرض لے اور ادا کی پوری

فکر ہو، حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے دَین کے ذمہ دار ہیں خواہ دنیا میں ادا کردیں یا آخرت میں صاحب حق کو راضی کردیں۔

(۹) وقال علیہ الصلوۃ والسلام : من حج للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ۔ (متفق علیہ)

یعنی ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے (خاص) اللہ کیلئے حج کیا اور اس میں نہ فحش گوئی کی اور نہ گناہ کیا تو وہ شخص اس دن کی مانند لوٹتا ہے جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

ف:- (۱) اور گناہ سے مراد حقوق اللہ ہیں کیونکہ حقوق العباد شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے، الحدیث الا الدین ، کما فی المشکوۃ عن المسلم۔

(حیوۃ المسلمین)

حقوق العباد ضائع کرکے حج کو جانا گناہ ہے

محض سفر مکہ سے خدا نہیں ملتا مثلاً اگر کوئی حج نفل کرکے بیوی کا حق ضائع کرے تو خدا تعالیٰ کب راضی ہو سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں حج بھی ناجائز ہے، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے سامنے کعبہ کے حالات بیان کرنا جس سے وہ مغلوب الشوق ہو کر سفر میں چلا جائے جائز نہیں دیکھو ظاہر نظر میں یہ بات سمجھ نہیں آتی لیکن واقع میں بالکل صحیح فرمایا، کیونکہ اس سفر کے حالات سن کر اس کو سفر کا شوق پیدا ہوگا اور بوجہ عدم استطاعت (شرعی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) کے سفر معصیت ہوگا تو اس کا جو سبب ہے وہ بھی معصیت ہوگا۔

(طریق القرب ص ۷، معارف اشرفیہ ص ۱۴۲)

حقوق اہل وعیال

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شروع کرو اس شخص سے جو تمہارے عیال میں ہو (روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے)۔

عن علی رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ست بالمعروف یسلم علیہ اذا لقیہ ویجیبہ اذا دعاہ ویشمتہ اذا اعطس ویعودہ اذا مرض ویتبع جنازتہ اذامات ویحب لہ مایحب لنفسہ۔

(رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ پسندیدہ حقوق ہیں (۱) جب کوئی مسلمان ملے اسے سلام کرنا (۲) کوئی مسلمان دعوت کرے تو اس کی دعوت قبول کرنا (۳) کسی مسلمان کو چھینک آئے تو اس کا جواب دینا (۴) کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا (۵) کوئی مسلمان مر جائے تو جنازے کے ساتھ جانا (۶) اور ہر مسلمان کیلئے وہی بات پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

ف:- چھینک کا جواب یہ ہے کہ اگر چھینکنے والا مسلمان الحمد للّٰہ کہے تو اسے یرحمك اللّٰہ کہو اور یہ جواب سن کر چھینکنے والا یھدیکم اللّٰہ کہے۔

(۳) صحیح مسلم میں ایک حق یہ مذکور ہے واذا استنصحك فانصح لہ یعنی جب تجھ سے کوئی مسلمان خیر خواہی چاہے تو اس کی خیر خواہی کرو۔ (حیٰوۃ المسلمین)

باب سوم

اقسام حقوق اوران کا طریقۂ ادائیگی

حقوق العباد حقوق اللہ پر مقدم ہونے کی نظیر

حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بہت نمازیں پڑھتی ہے، بہت روزے رکھتی ہے، بہت قرآن پڑھتی ہے " ولکن تو ذی جیرانھا" لیکن زبان دراز ہے، اپنے پڑسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا " ھی فی النار " وہ دوزخی ہے۔

اور یہ بھی پوچھا گیا یا رسول اللہ! ایک عورت ہے کہ وہ بہت نماز روزہ تو نہیں کرتی یہ نہیں کہ فرض نماز روزہ بھی نہ کرتی تھی، مطلب یہ تھا کہ بہت نفل روزہ نہ رکھتی تھی اور بہت نفل نماز نہ پڑھتی تھی جیسے ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ مولوی جی میں آٹھ وقت کی نماز پڑھتی ہوں، میں نے کہا کم بخت! اللہ میاں نے تو پانچ وقت کی نماز فرض کی اور تو آٹھ وقت کی پڑھتی ہے، اگر تہجد اشراق اور اوّابین کی نفلیں مراد ہیں تو کہاں نفل نماز کہاں فرض نماز ان کو ان میں کیوں ملاتی ہے، یوں کیوں نہ کہہ دیا کہ میں یہ نفلیں پڑھتی ہوں، فرضوں کے ساتھ نفلوں کو بھی آپ نے ملا دیا اور ہانک دیا کہ میں آٹھ وقت کی نماز پڑھتی ہوں تا کہ یوں معلوم ہو کہ آٹھوں نمازیں ایک ہی درجہ کی ہیں یہ حالت ہے تو وہ عورت زیادہ نماز روزہ نہ کرتی تھی جیسا کہ بعض عورتیں نفلیں بہت پڑھا کرتی ہیں اور نفل روزے بہت رکھتی ہیں، یعنی شبِ برأت کا روزہ، ۱۰ر محرم کے روزے، شش عید کے روزے تو بعضے جو نیک عورتیں ہیں وہ نفلیں بہت پڑھا کرتی ہیں روزے بہت رکھا کرتی

ہیں یہ بات نہیں تھی اس بیچاری میں یعنی ضروری ضروری نماز، روزہ کرتی تھی" ولکن لاتو ذی جیرانھا " لیکن زبان دراز نہیں تھی اور اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ھی فی الجنۃ "وہ جنت میں ہے۔

حضرت! خدا کے یہاں اول تو اس پر نظر ہے یعنی حقوق اللہ کی نسبت حقوق العباد پر زیادہ نظر ہے کیونکہ حقوق اللہ جو ہیں وہ دراصل ہم لوگوں کے ہی حقوق النفس ہیں۔ مگر یہ حق تعالیٰ کی رحمت اور شفقت ہے کہ اگر کوئی اپنے حق کو ادا کرے مثلاً نماز پڑھے تو وہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے میرا حق ادا کیا تا کہ جی خوش ہو اور دل بڑھے کہ کتنا بڑا فضل ہے کہ کیا تو میں نے اپنا کام خدا نے اس کو اپنا کام بنالیا، نماز روزہ وغیرہ کو خدا نے اپنا حق قرار دیا حالانکہ حقیقت میں یہ سب ہمارے ہی حقوق ہیں کیونکہ حق تو وہ ہے کہ اگر اس کو ادا نہ کیا جائے تو صاحب حق کا ضرر ہو جیسے کسی کے دس روپے ہمارے ذمہ ہیں اگر ہم نہ دیں تو اس کا ضرر ہے سو اگر ہم نماز روزہ نہ کرے تو خدا کا کیا ضرر ہے، وہاں تو یہ کیفیت ہے" من کفر فعلیہ کفرہ "اور یہ شان ہے کہ" ان تکفروا فان اللّٰہ غنی عنکم ولا یرضی لعبادہ الکفر " یعنی اگر تم کفر بھی کرو تو حق تعالیٰ پسند تو نہیں کرتا، لیکن اس کا نقصان نہیں تو حضرت اس واسطے جو حقوق اللہ ہیں وہ بھی ہمارے ہی حقوق ہیں اگر نماز روزہ نہ کرے تو ہمارا ہی نقصان ہے خدا کا کچھ بھی نہیں بگڑتا، ظاہر ہے جب یہ بات ہے تو حق تعالیٰ کی اس پر زیادہ نظر ہے کہ کون ایسا ہے جو اپنے حقوق کی زیادہ نگہداشت کرتا ہے اور کون ایسا ہے جو دوسروں کے حقوق کی رعایت کرتا ہے؟ فقہاء نے لکھا ہے اس کا قاعدہ کہ "حق العبد مقدم علی حق اللّٰہ " بہت سی نظیریں اس کی ہیں مثلاً زکوٰۃ ہے اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جو مقروض ہو اس کے ذمہ زکوٰۃ نہیں، اس واسطے کہ زکوٰۃ ہے خدا کا حق اور قرض ہے بندہ کا حق اور بندہ کا حق مقدم ہے خدا کے حق پر۔

اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے عوام کو کہ جب خدا بڑا ہے تو اس کا حق بھی بڑا ہونا چاہئے؟ لیکن میری اس تقریر سے وہ بھی رفع ہو گیا کہ وہ تو مجازاً کہا جاتا ہے خدا کا حق

دراصل وہ تو اپنے ہی نفس کا حق ہے، پھر جو حق اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر دی تو اس واسطے چونکہ اس نے حکم کیا اور حکم کیوں کیا، حکم اس لئے کیا کہ نفس کو نفع پہنچے تو دو حیثیتیں ہیں اس قسم کے حق کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ خدا کا حکم ہے اس حیثیت سے تو حق اللہ ہے ، مگر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس حکم کی بناء کیا ہے سو بناء یہ نہیں ہے کہ اس میں کوئی خدا کا نفع ہے، نہیں بلکہ اس حکم کرنے کی بناء فقط یہ ہے کہ بندہ کے نفس کو نفع پہنچے اس حیثیت سے وہ حق نفس ہے، یہ ایسا ہے جیسا ہم نے کسی کی دعوت کی، کوئی مہمان ہے ہمارا اگر وہ کھانا کھاوے گا تو اسی کا نفع ہے، ہمارا کوئی نفع نہیں کیونکہ اس کا کھانا ہمارے پیٹ میں تھوڑا ہی چلا جاوے گا اور اگر وہ نہ کھاوے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں اسی کا نقصان ہے، یوں تعلق کی وجہ سے وہ یہ کہدے تو اور بات ہے کہ دیکھئے میں نے کہنا مان لیا اور کھانا کھالیا یہ ہماری لیاقت کی بات ہے کہ اس کے کھانے کو اپنا نفع اور اس کے نہ کھانے کو اپنا ضرر سمجھیں تو حقیقت میں نفس کے حق پر دوسرے کے حق کو مقدم کیا گیا ہے، اس پر فقہاء کی بہت نظر ہے یہاں تک کہ اس تقدیم پر بہت سے احکام متفرع کئے گئے ہیں۔

(تکمیل الاحوال بتبدیل الاحوال ملحقہ مواعظ حقیقت تصوف وتقو ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۲)

حقوق اللہ درحقیقت حقوق النفس ہیں

حقوق اللہ درحقیقت حقوق النفس ہیں (اپنے نفس کا حق) کیونکہ اگر تعمیل نہ کی تو خدا کا کیا ضرر، البتہ حقوق العباد اشد اس لئے بھی ہے کہ ان میں ضرر دوسرے کو پہنچتا ہے، معلوم ہوا کہ معاشرت میں غیر کو ضرر سے بچانا زیادہ مؤکد ہے۔

حقوق اللہ کہنے کی عجیب مثال

میری اس تقریر سے اس کی حقیقت بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ بعض اعمال کو جو حقوق اللہ کہا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ خدا کے ذاتی نفع کے کام ہیں، جن کو وہ اپنی کسی ضرورت سے تم سے لینا چاہتے ہیں بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو طبیب اور مریض کی مثال میں بیان کر چکا ہوں کہ بعض وقت طبیب کسی مریض سے خاص تعلق

کی وجہ سے کہتا ہے کہ میرا کام سمجھ کر دوا پی لو، اسی طرح بعض اعمال کو حقوق اللہ کہہ دیا گیا ہے تا کہ ہم خدا ہی کا کام سمجھ کر ان کو کر لیں اور اس کی جزا کے مستحق ہو جائیں، اب لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کا کام کر رہے ہیں، جتنے رات کو اٹھتے ہیں، بارہ تسبیح کا ذکر کرتے ہیں، پھر دل میں ناز کرتے ہیں کہ ہم ذاکر ہیں اور اپنی بزرگی کے خود ہی معتمد ہو جاتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ پر احسان رکھتے ہیں۔

ارے بے وقوفو! تم خدا کا کام کرتے ہو یا اپنا اور اس میں بزرگی کی کیا بات ہے ؟ اول تو یہ خدا کا کام نہیں تمہارا کام ہے، اگر ہو بھی تو تم نے کیا کیا خدا ہی نے تو توفیق دی اور اسباب مہیا کئے، تب تم کام کر سکے تو اس کی حقیقت وہی ہوئی یا نہیں جو میں نے ابھی کہا کہ ایک شخص کسی کو کچھ دیتا ہے، مگر دینے والا ایسا کریم ہے کہ اپنا نام کرنا اور احسان جتلانا نہیں چاہتا اس واسطے پہلے اس کو ایک اشرفی دے دیتا ہے، پھر کہتا ہے کہ اس اشرفی کی یہ چیز ہم سے خرید لو، کون عقلمند خریدار ہے جو اس خریداری کا احسان الٹا اس دینے والے پر رکھے، درحقیقت تو سب اسی کا احسان وکرم ہے ایسے دینے والے پر تو قربان ہو جانا چاہئے، سچ تو یہ ہے کہ ہمارے دماغ بگڑ گئے ہیں، دین تو خود ہمارا کام تھا نماز پڑھتے روزہ رکھتے تمام ارکان دین بجالاتے اور احسان مانتے کیونکہ ہم کو اس کا فائدہ ملنے والا ہے۔

لیکن خیالات الٹے ہو گئے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور اس پر ناز کرتے ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ دوسرے کا کام ہے، جب ایسا مذاق خراب ہو گیا ہے تو عجب نہیں کہ دین کو بیکار اور اپنے ذمہ بار سمجھنے لگیں، پھر نتیجہ یہ ہو کہ ان تمام ثمرات سے جو اس پر موعود ہیں محروم رہیں، اسی محرومی سے بچانے کیلئے بعض اعمال کو حق اللہ کہہ دیا گیا ہے کہ اپنا کام سمجھ کر نہیں کرتے تو خدا ہی کا کام سمجھ کر کرلو، یہ خلاف حقیقت ہے اس عنوان میں بھی ایک کام کی بات ہے وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کام کرتا ہے اور اس میں لگا رہتا ہے تو کام خود فہم درست کر لیتا ہے، دیکھئے بچہ کو پڑھنے بٹھاتے ہیں تو اس پر اس قدر گرانی ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح پڑھنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا، اگر مربی یہ کہہ کر چھوڑ دے کہ کام تو تیرا

ہی تھا، تیرا دل نہیں لگتا تو جا بھاڑ میں تو اس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ ہمیشہ جاہل رہے، اس کو کوئی سمجھدار اور بہی خواہ پسند نہیں کرتا، بلکہ بچہ کو خوشامد وغیرہ سے، زجر و تنبیہ سے، لالچ سے پیسے دے کر راہ پر لگاتے ہیں۔ (جلاء القلوب ملحقہ مواعظ ذکر و فکر ص ۲۹ تا ص ۲۹۲)

حقوق اللہ کی دو اقسام

اور قسم اول یعنی حقوق اللہ میں تفصیل یہ ہے کہ وہ دو قسم ہیں، منہیات یعنی وہ امور جن سے منع کیا گیا ہے اور مامورات جن کو طاعات بھی کہتے ہیں یعنی وہ امور جن کے کرنے کا حکم دیا گیا اور ان کے نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے، ان میں سے قسم اول تو توبہ کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں مثلاً کوئی شراب پیتا ہے یا زنا میں مبتلا ہے، پھر توبہ کر لے تو یہ سب معاف ہو جاتے ہیں، اور قسم دوم یعنی طاعات اگر رہ گئیں تو ان کے لئے صرف توبہ کافی نہیں، بلکہ ان کو ادا کرنا چاہئے اور اگر ادا کرتا رہا، مگر کچھ رہ گئیں تو امید ہے کہ حق تعالیٰ معاف کر دیں اور بعض کا فدیہ بھی دینا چاہئے جیسے روزے کسی کے ذمہ رہ گئے یا نمازیں کچھ رہ گئیں تو وصیت کر جانا چاہئے جیسے حج اگر رہ گیا تو ضرور ہے کہ حج بدل کیلئے وصیت کر جاوے اور اگر نہ فدیہ ہو سکا نہ وصیت کا موقع ملا مثلاً مرگ مفاجات، (اچانک موت) ہو گئی تو حق تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں مگر اپنی طرف سے فدیہ اور وصیت کی فکر اور عزم سے غفلت نہ چاہئے، یہ تفصیل ہے بطور کلی اقسام گناہ کی اور توبہ کی۔

(اول الاعمال ملحقہ مواعظ راہ نجات ص ۳۰)

حقوق اللہ کی ادائیگی ذکر اللہ حقیقی ہے

تو ذکر اللہ بالمعنی الاخیر (آخری معنی کے ساتھ) کا ترجمہ ہوا ادائے حقوق اللہ، ذکر اللہ حقیقی اور ذکر اللہ کا فرد کامل یہی ہے، ذکر لسانی بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے، مگر ناقص اور صرف صوری، ہاں اگر دونوں جمع ہو جائیں یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجہ اکمل ہے، غرض اس آیت میں ذکر اللہ کو ہمارے مرض کا علاج قرار دیا گیا اجمالاً سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ذکر اللہ کتنے معنوں کو حاوی ہے، اگر آپ

غور سے دیکھئے تو ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو اس میں نہ آ گئی ہو۔

حقوق اللہ کی اقسام

پس معلوم ہوا کہ حقوق اللہ کی بہت قسمیں ہیں جیسے عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، حقوق الناس۔

حقوق العباد حقوق اللہ کی قسم ہے

حقوق الناس کے لفظ پر کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں کہ حق العبد اور چیز ہے اور حق اللہ اور چیز ہے، وہ بندوں کی طرف منسوب ہے، وہ اللہ کی طرف اور دونوں احکام میں فرق ہے، حق اللہ توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے اور حق العبد توبہ سے معاف نہیں ہوتا (اگر ایسا ہوتا تو پھر کیا تھا بڑی سہولت ہوتی کسی کا مال چھین لیا اور ہضم کر لیا پھر توبہ کر لی) حق العبد میں صاحب حق کے معاف کرنے کی ضرورت ہے حتیٰ کہ حج اور شہادت سے بھی اس سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا، پس جب حقوق العباد قسیم ہیں حقوق اللہ کی تو تم نے اس کو قسم کیسے بنا دیا؟ حل اس شبہ کا یہ ہے کہ پوچھا جاتا ہے کہ بندوں کے حقوق کہاں سے پیدا ہوئے، بندہ خود مخلوق اور مملوک ہے تو اس کے حقوق اس کے پیدا کردہ تو ہو نہیں سکتے، دوسروں کے عطاء کردہ ہوں گے یعنی حق تعالیٰ کے، حقوق العباد وہ حقوق ہوئے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے مقرر کر دیا، نظیر اس کی یہ ہے کہ کہتے ہیں یہ گھر فلاں شخص کا ہے ظاہر ہے کہ کہنے والے کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کی ذاتی ملک ہے، بلکہ ملک حقیقی حق تعالیٰ کی ہے۔ (تفصیل الذکر ملحقہ ذکر و فکر ص ۲۰، ص ۲۱)

حق العبد میں حق اللہ ہوتا ہے

فرمایا کہ عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حق العبد میں محض بندہ ہی کا حق ہوتا ہے حق تعالیٰ کا حق نہیں ہوتا یہ غلط ہے، کیونکہ بندہ کا وہ حق اللہ تعالیٰ ہی نے تو مقرر فرمایا ہے مثلاً حکم دیا کہ مظلوم کی امداد کرو، کسی مسلمان کی غیبت نہ کرو، کسی کو ایذا نہ دو، تو جب

ان احکام کے خلاف کسی کو ایذا دی جاوے گی تو جیسے بندہ کا حق فوت کیا ایسے ہی خدا تعالیٰ کا بھی حق فوت کیا، کہ ان کے حکم کی مخالفت کی، اس لئے حقوق العباد تلف کرنے میں محض بندوں کی معافی کافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی توبہ استغفار کرنا چاہئے، گو عام حقوق العباد میں بندہ کی معافی کے بعد حق تعالیٰ اکثر اپنا حق بھی معاف کر دیتے ہیں، مگر بعض اوقات محبوبان خاص کی حق تلفی میں ان کی معافی کے بعد بھی حق تعالیٰ اپنا حق معاف نہیں فرماتے، بلکہ مؤاخذہ ضرور ہوتا ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۷۳)

حقوق العباد بھی دراصل حقوق اللہ ہیں

حقوق العباد درحقیقت اللہ ہی کے حقوق ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے مالک ہیں تو بندہ کے اموال اور انفس اور عزت و آبرو کے مالک بھی وہی ہیں تو جو کوئی کسی بندے کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچائے اس نے فی الواقع اللہ کی ملک میں تصرف کیا، اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کسی کا غلام ہو اور اس کے پاس مال ہو تو اگر کوئی اس غلام کا وہ مال لے گا تو واقع میں اس نے اس کے مولا کی حق تلفی کی، پس اس واقعہ کے لحاظ سے حقوق العباد کو حقوق اللہ کہہ دینا صحیح ہے، لیکن کیا انتہا ہے رحمت کی کہ ان حقوق اللہ کا نام حقوق العباد رکھ دیا جیسے اپنے غلام یا اپنے بچہ سے اپنی کسی شے کی نسبت یہ کہیں کہ یہ شے تمہاری ہے اس کہنے سے شے اس کی نہیں ہو جاتی لیکن دلجوئی کے واسطے کہتے ہیں کہ یہ شے تمہاری ہے بلکہ بچہ کو تو اگر کوئی شے ھبہ دیدیں تو وہ بھی مالک ہو جاتا ہے اور غلام مملوک شے کا کسی صورت سے مالک ہی نہیں ہوتا۔

(التوکل ملحقہ مؤاعظ تدبیر وتوکل ص ۷۴، ۷۵)

حقوق العباد کا اہتمام حقوق اللہ سے زیادہ ہے

حدیث شریف میں آیا ہے "ودیوان لا یترکہ اللّٰہ ظلم العباد فیما بینهم حتی یقتص بعضهم من بعض ودیوان لا یعباء اللّٰہ بظلم العباد فیما بینهم و بین اللّٰہ فذاك الی اللّٰہ ان شاء عذبه و ان شاء تجاوز عنه"

یعنی حق اللہ معاف ہوسکتا ہے لیکن حق العباد بدون ادا کئے چارہ نہیں اور اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ حق اللہ کا اہتمام نہ کرنا چاہئے کیونکہ " ان شاء " ارشاد ہے یعنی اگر اللہ چاہے تو معاف کر دے گا، معافی کا حتمی وعدہ نہیں ہے جس کی بناء پر حقوق خداوندی سے بے پرواہی کا فتوی دیا جا سکے اور حقوق مالیہ زیادہ قابل اہتمام ہیں، کیونکہ حرام مال سے خیرات قبول نہیں اور کھانے، پینے یا کپڑے میں حرام صرف کر کے نماز قبول نہیں ہوتی نہ حج قبول ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

(شفاء العی ملحقہ مواعظ تدبیر و توکل ص ۲۰۵)

حقوق العباد کی اہمیت

فرمایا صاحب قرض دار کی روح جنت میں نہیں جاتی، بلکہ جب تک قرض ادا نہ ہو معلق رہتی ہے، درمختار میں ایک روایت ہے کہ ایک ایک دانگ کے عوض میں سات سو نمازیں دلائی جائے گی (ایک دانگ تین پیسہ کا ہوتا ہے، کسی کا حق دبا لینے سے یہ نتیجہ ہے) آج کل تو لوگ اس کو بھی لازمہ ریاست سمجھتے ہیں (امیر صاحبِ جاہ لوگ اکثر غرباء کا حق کھا جاتے ہیں) کہ کسی کا حق ٹال کر دیا کریں" مطل الغنی ظلم " اجارہ میں قبل شروع کام کرنے کے جانبین کی رضامندی شرط ہے بعد کو اپنی تجویز سے دے دینا حرام ہے، بلکہ حکام کو بازار کے نرخ میں دست اندازی شرعاً جائز نہیں ہے، مالک کو اختیار رہے چاہے جس نرخ پر فروخت کرے، نرخ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے "ان اللہ هو القابض الباسط "۔ (احکام اور مسائل متعلق موت ص ۲۳)

مرغیاں ڈربے میں بند رہنے سے واردات علوم و معارف کی بندش

حضرت پیرانی صاحبہ" حضرت حکیم الامت" کی اجازت سے کسی کام کیلئے باہر تشریف لے گئیں اور حضرت حکیم الامتؒ سے عرض کر گئیں کہ انہیں ڈربہ سے کھول کر دانہ پانی وغیرہ ڈال دینا، حضرت حکیم الامتؒ اپنے معمولات کی ادائیگی میں انہاک اور دائمی عادت نہ ہونے کے سبب بھول گئے، ان ایام میں حضرت حکیم الامتؒ تفسیر

بیان القرآن تحریر فرما رہے تھے، چنانچہ معمول کے مطابق تفسیر لکھنے بیٹھے تو مضامین علوم و معارف کی آمد بالکل بند ہوگئی، ذہن بالکل نہ چلا تو اٹھا کر رکھ دیا، پھر سالکین کے خطوط کے جوابات لکھنا چاہے تو یہی حال ہوا، بہت استغفار کر کے سوچا تو یاد آیا کہ مرغیوں کو کھولنا یاد نہ رہا، اٹھے مرغیوں کو کھولا ان کو دانہ پانی ڈالا، واپس آکر تفسیر لکھنا شروع کی تو شرح صدر کے ساتھ مضامین کی آمد شروع ہوگئی۔ اندازہ فرمایئے کہ جانوروں کے حقوق میں سہواً کوتاہی سے ایک مجدد کے فیوضات کی بندش ہو جاتی ہے اس سے حقوق العباد کی اہمیت کا اندازہ خود لگالو۔

تعلق مع اللہ ادائیگی حقوق العباد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا

صحیح تربیت وسلوک یہ ہے کہ اول گناہوں سے توبہ خالص حاصل کرے اور اگر کچھ عبادات واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں تو اس کی قضا کرنا شروع کردے اور اگر اس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں تو ان کے ادا کرنے کے بندوبست میں لگ جائے یا اہل حقوق سے معاف کرائے کیونکہ بدون اس کے (ان سے سبکدوشی حاصل کرنے کے) اگر عمر بھر بھی ریاضت ومجاہدہ کرے کا ہرگز مقصود حقیقی تک رسائی نہ ہوگی۔

(قصد السبیل الی مولی الجلیل ملحقہ اصلاحی نصاب ص ۵۱۸)

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو
بری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وہ آج آن کر لے مجھ سے انتقام
نہ رکھے قیامت کے دن پہ یہ کام
کہ خجلت بروز قیامت نہ ہو
خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

ادائیگی حقوق العباد کا سبب خشیت اللہ ہے

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے بڑے گھر میں کہا کہ جب میں حقوق میں کوتاہی

نہیں کرتا تو پھر تم کس لئے رنجیدہ رہتی ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ تم محبت سے تھوڑا ہی کرتے ہو، جو کچھ کرتے ہو خدا کے خوف سے کرتے ہو، میں نے ان کو جواب دیا کہ اگر محبت سے حقوق کی ادائیگی کرتا تو کسی وقت کمی بھی ممکن تھی، کیونکہ محبت کم بھی ہو جاتی ہے اور جب خدا کے خوف سے کرتا ہوں تب تو تمام عمر بھی حقوق میں کوتاہی نہ کروں گا کیونکہ یہ جس کے دل میں گھس جاتا ہے تو پھر نہیں نکلتا، تمہیں تو اس سے خوش ہونا چاہئے، بس چپ ہو گئی، انہوں نے تو مجھے چپ کرنے کیلئے کہا تھا، مگر میں نے ان کو چپ کر دیا۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات ص ۳۵)

خواص کے قلوب میں بھی ادائیگی حقوق العباد کی زیادہ فکر نہیں

ایک کوتاہی جس میں عوام تو کیا خواص بھی مبتلا ہیں کہ اعمال واجبہ کی وہ عظمت اور وقعت قلوب میں نہیں جو غیر واجبہ کی ہے مثلاً حقوق العباد وغیرہ کی فکر نہیں اور نوافل وظائف کی کثرت کو زیادہ موجب قربِ حق (اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کا ذریعہ) سمجھتے ہیں اور جو اصل مقصود تھا اسی کو حقیر سمجھا جاتا ہے، کتنا بڑا ظلم عظیم ہے۔

(الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۵۵)

حقوق العباد سے عوام الناس کی لا پرواہی

حقوق العباد اتنی بڑی چیز ہیں، لوگوں کو اس کی پرواہ ہی نہیں، نماز روزہ کرتے ہیں تسبیح پڑھتے ہیں، کسی کا اناج دبا لیا، زمین دبا لی، خصوصاً زمینداروں کو بالکل اس طرف توجہ نہیں اور وہ کہتے ہیں۔

لا ریاسة الا بالسیاسة ای بالسیاسة المتلفة لحقوق الغیر۔

ریاست بدون سیاست کے نہیں ہوتی یعنی ایسی سیاست سے جو حقوق غیر کو تلف کرنے والی ہو۔

ایک صاحب بہت معمر ہمارے ہاں کے پرنالہ کا چونا اکھاڑ رہے تھے، کہا گیا یہ کیا کرتے ہو، جواب دیا، اجی میں مخادیم بھی ہوں، جیون بھی ہوں، مخدومیت و شیخ زادگی

کا قیام بغیر ظلم نہیں ہوتا اس لئے ظلم کرتا ہوں کہ ظلم نہ کرنا شیخ زادگی کے خلاف ہے، چونکہ مخادیم ہیں اس لئے بغیر ظلم کئے کیسے زندگی بسر کر سکتے ہیں، انہوں نے ہی کہیں مسخرے پن سے کیکر کاٹ لیا، کہیں کسی کا قرض لے کر مار لیا چار سو، پانچ سو، چار ہزار، پانچ ہزار کچھ پرواہی نہیں، زمینداری میں بڑا ظلم ہوتا ہے، اس سے قلب مسخ ہو جاتا ہے (بھلائی برائی کی تمیز نہیں کرسکتا)۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کافر کا حق مارلو، اس کا کچھ حرج نہیں، حالانکہ یہ زیادہ حرج کی بات ہے، اس لئے کہ قیامت میں جب نیکیاں چھین کر اہل حقوق کو دی جاوے گی تو مسلمان کو ہی اگر ملیں تو اچھا ہے اس سے کہ کافر کو ملیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ بڑے محقق عالم تھے فرمانے لگے کہ اگر بے ایمانی ہی کرنا ہو تو مسلمان کا حق مارے، کافر کی حق تلفی نہ کرے تا کہ نیکیاں کافر کے پاس نہ جاوے، اسی طرح ایک اور لطیف بات فرماتے ہیں جس سے آپ کی شان محققیت ظاہر ہوتی ہے فرمانے لگے جو شخص اولیاء اللہ اور ملائکہ کو سجدہ کرے وہ زیادہ احمق ہے اس شخص سے جو فرعون کو سجدہ کرے، ظاہر ہے کہ ایک بادشاہ کے سامنے دو شخص ہوں جن میں ایک کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں، دوسرا ہاتھ جوڑے کھڑا ہے کہ میں غلام ہوں، اب تین شخص آئے، ان میں سے ایک نے تو بادشاہ کو بادشاہ تسلیم کیا اور دوسرا شخص جو دعوی بادشاہی کرتا ہے اسے باغی سمجھا اور تیسرے کو غلام قرار دیا، یہ شخص مصنف اور عاقل ہے اور ایک شخص نے باغی کو بادشاہ سمجھ کر اس کی اطاعت کی اور بادشاہ کی پرواہ نہ کی، تو یہ سرکش اور نادان ہے، اور تیسرے نے غلام کو بادشاہ سمجھا، یہ اس سے زیادہ احمق ہے۔

اسی طرح فرعون تو اپنے کو خدا کہتا تھا، اگر اس کے اس دعوی سے کوئی دھوکا میں آجاوے اتنا عجیب نہیں جتنا اولیاء اللہ جو کہ خود غلامی کے مقر ہیں، ان کو سجدہ کرنا اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا زیبا ہے عجیب ہے۔

اسی قبیل سے یہ بات ہے کہ اگر حق تلفی ہی کرنا ہے کسی مسلمان کی کرے تا کہ نیکیاں کافر کو تو نہ ملیں۔ مسلمان ہی کے پاس رہیں، پلیٹ فارم پر خلاف قانون بغیر ٹکٹ

چلا جانا، پندرہ سیر بوجھ لے جانے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ لے جانا یہ سب حقوق العباد میں داخل ہیں۔

میرے ایک دوست چند بار انٹر میں تھرڈ کا ٹکٹ لے کر سوار ہو گئے اور کبھی بغیر محصول ریل میں قاعدے سے زیادہ اسباب لے گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، فہرست بنائی ہے اور اب ادا کر رہے ہیں۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہمارے ذمہ ایک روپیہ رہ گیا تو اب مشکل ہے کہ اسٹیشن پر ادا کرے اگر رسید نہ لو تو شاید مہتمم اسٹیشن خود ہی رکھ لے اور اگر رسید لو تو اس میں اقرار جرم ہے، فوجداری کا مقدمہ قائم ہوتا ہے، سو اچھا شریعت پر عمل کیا کہ یہ نوبت پیش آئی۔

جواب یہ ہے کہ اگر واقعی شریعت پر عمل کیا جاوے تو پوری راحت اور چین میسر ہو سکتا ہے، یہ خرابی تو جب ہی پیش آئی جب کہ شریعت پر عمل نہ کیا اور اب جو اس نے توبہ اور تدارک کا ارادہ کیا ہے تو حق تعالی کا یہ وعدہ اس کیلئے پورا ہوگا " ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب "۔

یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کی رہائی کر دیتا ہے (مشقتوں سے) اور ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔

اعلم ان قولہ تعالی من حیث الخ یفید انہ لا تصیبہ المشقة فی امر الرزق و لا ینظر الی غیرہ تعالی علی سبیل الکمال و النظر فی الجملة الی غیرہ لا بدلہ فی موضع یحتسب منہ الرزق فافهم قالہ الجامع۔

(شعبان ملحقہ مواعظ حقیقت عبادت ص ۴۱۴، ص ۴۱۵)

حقوق العباد کی ادائیگی درویشی میں داخل ہے

ایک مرتبہ بعض مہمان میرے یہاں آئے ہوئے تھے میں اس زمانے میں ریل کے قواعد اردو میں لکھ رہا تھا اور مقصود اس سے صرف اس کا علم ہی نہ تھا بلکہ اس کے متعلق مسائل کا تحقیق کرنا تھا مثلاً تھرڈ میں پندرہ سیر اسباب کی اجازت ہے، اب اگر

کوئی اس کے متعلق حکم شرعی دریافت کرے تو اس مسئلہ کی تحقیق موقوف اس پر ہے کہ پہلے یہ جان لیں کہ کتنا مال لے جانے کی قانوناً اجازت ہے لہٰذا یہ شرعی حکم کہ اتنے کی تو اجازت ہے اس سے زیادہ لے جانا جائز نہیں، اس قاعدے کے جاننے پر موقوف ہے کہ تھرڈ میں کتنے اسباب کی اجازت ہے، چنانچہ اس جلسہ میں بعض لوگ تھے جو انگریزی کتاب کا ترجمہ کرکے مجھے سناتے تھے اور دو ایک اہل علم بھی تھے ان سے کہیں کہیں مشورہ لیتے تھے تو وہ مہمان اس سے گھبرائے اور باہر جا کر کہا میں تو درویشی کی باتیں سننے کیلئے آیا تھا یہاں تو ریلوے قواعد ہو رہی ہے۔

میں نے کہا: کہ یہ بھی درویشی ہی کی باتیں ہیں، کیا حقوق العباد کا اہتمام درویشی سے خارج ہے؟ یہ بھی درویشی میں داخل ہے، چنانچہ کسی نے امام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت آپ نے سب فنون میں کتابیں لکھی ہیں اور فن تصوف میں کوئی تصنیف نہیں ہے؟ امام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نو سو ننانوے یعنی ایک کم ہزار تصانیف ہیں۔ فرمایا کہ میاں لکھی تو ہے، پھر ایک فقہ کی کتاب کا نام لیا اور فرمایا کہ کیا یہ کتاب لکھی نہیں تصوف میں؟ سائل نے کہا حضرت یہ تو فقہی کتاب ہے، فرمایا: میاں یہ بھی تصوف ہے اس کے ذریعہ سے حلال وحرام کی تمیز ہوگی، حرام سے بچیں گے اس سے نور پیدا ہوگا، علم وعمل کی توفیق ہوگی اور اس سے قرب الٰہی نصیب ہوگا یہی تو تصوف ہے اور تصوف میں کیا رکھا ہے اسی طرح ریلوے مسائل کی تحقیق بھی تصوف ہی ہے۔

مقصود ان کی تحقیق سے یہ ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رہے، اس زمانے میں تو بڑے بہادر لوگ ہوئے ہیں جو بلا ٹکٹ سفر کرتے ہیں، پرانے لوگ بھی دغا فریب کرتے تھے، مگر ان کا مکر سادہ ہوتا تھا جو چھپتا نہیں تھا، چنانچہ ایک سفر میں دو آدمی ساتھ ہوئے ایک نے تو ٹکٹ لیا اور دوسرے کو اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے بستر میں باندھ کر اسباب بنا کر سر پر رکھ کر چلے جب بابو کو ٹکٹ دینے لگے اتفاق سے جو بستر میں بندھا ہوا تھا اس کو چھینک آئی بابو نے کہا اسباب میں چھینک کیسی؟ پھر ان کو گرفتار کر لیا تو پرانے لوگوں کو مکر یہ آتا تھا اور یہ نئی روشنی والے بڑے استاد ہیں یہ تو مکر کے فن دان ہیں

بالخصوص جنٹل مین ان کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ تمہارے پاس ٹکٹ ہے یا نہیں۔
(رطوبۃ اللسان ملحقہ مواعظ ذکر وفکر ص ۱۶۸)

ریلوے کی حق تلفی

عوام الناس کا تو فتوی ہی ہے کہ کار کا مال جس طرح بھی ملے لے لیا جائے سب روا ہے، چنانچہ ریل میں بے احتیاطیوں کا مشاہدہ ہوتا ہے ،اس طرف توجہ ہی نہیں کہ تعداد سے زیادہ اسباب ریل میں لے جانا چاہئے یا نہیں ؟ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کفار کا قانون ماننا ضروری تھوڑا ہی ہے ،مگر خوب سمجھ لیجئے کہ یہ کوئی قانون ملکی نہیں ہے جو یہ عذر کیا جائے ، بلکہ یہ قانون اجازت کے متعلق ہے، اگر من حیث السلطنت اس کا ماننا ضروری نہ بھی ہو تو من حیث الاستجار تو ماننا ضروری ہے، شرائط اجارہ میں سلطنت اور غیر سلطنت برابر ہیں جن شروط پر اجارہ قرار پائے ، ان کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے تو ان کا قانون بحثیت اجارہ تو واجب الامتثال ہے، جب انہوں نے قانون مقرر کر دیا ہے کہ پندرہ سیر سے زیادہ کسی کو اسباب بلا کرایہ لے جانے کی اجازت نہیں تو اگر تھوڑا بھی اس سے زیادہ ہوگا تو بوجہ اس کے کہ غیر کی حق تلفی ہے، اس کا لے جانا ہرگز جائز نہ ہوگا ،لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کفار کا مال ہے چاہے جس طرح تصرف کرو، یہ ان کی غلطی ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی یہ وجہ گھڑی ہے کہ بہت سے حقوق ہمارے گورنمنٹ کے ذمہ رہ گئے ہیں ہمیں جائز ہے کہ ہم خفیہ طور سے وصول کر لیں ، اول تو اس میں یہ بات ہے کہ ساری ریلیں گورنمنٹ کی نہیں ہیں ، بہت سی ریلیں کمپنی کی ہیں، دوسرے اگر ساری ریلیں گورنمنٹ کی ہوں تو کیا ہر شخص کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے اور پھر جن کے حقوق گورنمنٹ کے ذمہ ہوں بھی تو کیا اس کا حساب ان کے پاس ہے کہ کتنے حق ان کے گورنمنٹ کے ذمہ ہیں اور کتنے گورنمنٹ کے ان کے ذمہ ہیں ، یہ سب نفس کی تاویلیں ہیں بلکہ اگر ثابت بھی ہو جاوے کہ ان کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے تب

بھی حفاظت نفس کا مقتضی یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جاوے۔

راز اس کا یہ ہے کہ نفس کو جیسی عادات ڈالی جاتی ہے ویسی ہی پڑ جاتی ہے، اگر اس کی عادت ڈالی گئی تو اس کا خوگر ہو جاوے گا اور آئندہ حد سے تجاوز کرے گا، جہاں قطعاً جائز نہ ہوگا وہاں بھی اس عادت پر کاربند ہوگا نفس کو تو ذرا سا بہانہ چاہئے۔

(احکام المال ملحقہ مواعظ حقیقت مال وجاہ ص ۷۸،۷۹)

حقوق کی تین اقسام

مگر آج کل بعض لوگ ریل کا سفر کرتے ہیں اور کرایہ نہیں دیتے، مگر خوب سمجھ لو کہ یہ مالی حق ہے بدون ادا کئے معاف نہیں ہوگا بہر حال حقوق العباد کا بہت اہتمام سے لحاظ کرنا چاہئے خواہ کسی قسم کے ہوں کیونکہ ان میں بعض حقوق مالیہ ہیں، بعض بدنیہ ہیں، بعض عرضیہ ہیں اب لوگ حقوق مالیہ کی اور کسی درجہ میں بدنیہ کی تو کچھ رعایت کرتے بھی ہیں، مگر حقوق عرضیہ کا تو بالکل ہی لحاظ نہیں کرتے، اس سے بالکل ہی لاپرواہی ہے حتی کہ اس میں مشائخ بھی مبتلاء ہیں۔

چنانچہ غیبت سے خواص تک محفوظ نہیں ہیں، اور ان کا نفس کسی تاویل کی بناء پر یہ سمجھا دیتا ہے کہ اس میں گناہ ہی نہیں ہوا اور یہ وہی بات ہے جو ایک گاؤں کا آدمی کہتا تھا (یہ گاؤں کے لوگ ہوشیار ہوتے ہیں) کہتا تھا کہ اگر لکھے پڑھے جھوٹ بولیں تو کہتے ہیں مبالگہ ہے مبالگہ (یعنی مبالغہ ہے مبالغہ) اور اگر ہم اس کام کو کرتے ہیں تو کہتے ہیں لعنت لی لعنت لی (یعنی لعنت اللہ لعنت اللہ)۔

واقعی اگر ہم گناہ بھی کرتے ہیں تو اس پر جھوٹ پھیر کر جیسے وہی تانبے پر سونے کا جھول پھیر کر اسے سونا بنا لیتے ہیں، دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید سونا چاندی ہے، مگر آگ یا کسوٹی پر حقیقت کھل جاتی ہے، اسی طرح ہم لوگ گناہ کرتے ہیں، مگر رنگ طاعت کا چڑھا کر، تاکہ معتقدین نہ بگڑیں چنانچہ وہ غریب دھوکہ میں آجاتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ حضرت کوئی گناہ تھوڑا ہی کرتے ہیں، عوام تو اپنے گناہ کو گناہ بھی سمجھتے

ہیں مگر خواص کی یہ مصیبت ہے کہ وہ اس کو طاعت بتاتے ہیں ان کا حال اور ابتر ہے جامی خوب فرماتے ہیں۔

گناہ آمرز رندان قدح خوار
بطاعت گیر پیراں ریا کار

(رند شراب خور کے گناہوں کو بخشتا ہے اور ریاکاروں کی طاعت کو پکڑتا ہے)۔

آدمی گناہ کرے اور اپنے کو گناہ گار سمجھے یہ اچھا ہے اس سے گناہ کو رنگ عبادت میں ظاہر کرے، یہ بہت ہی برا ہے گناہ کو گناہ تو سمجھو، الغرض جیسے عوام اس گناہ میں مبتلاء ہیں خواص کا بھی یہی مشغلہ ہے کہ جہاں دو آدمی بیٹھے کسی بات کو لے کر گو وہ مباح ہو اب وہ تو ختم ہوگئی، پھر غیبت شروع ہوجاتی ہے، صاحبو! اور بھی تو وعظ و نصیحت کی باتیں ہیں وہ کرو، مگر نہیں کرتے کیونکہ لذت اسی میں ہے وعظ و نصیحت میں مزہ کہاں ہے ؟ اسی کو میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ زبان کے گناہ میں آج کل کثرت سے مبتلاء ہیں کسی کو تو اس میں مزہ آتا ہے اور کوئی اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتا۔

(رطوبۃ اللسان ملحقہ مواعظ ذکر وفکر ص ۱۷۸،۱۷۹)

عزت آبرو بھی حقوق العباد میں شامل ہے

اب دوسری غلطی بعض لوگوں میں یہ ہے کہ وہ حق العبد کو صرف مال میں منحصر کہتے ہیں کہ چوری کرنا، غصب کرنا، قرض لے کر انکار کردینا، کسی کی امانت رکھ کر مکر جانا، بس یہی جرم ہے ان کے علاوہ حق العباد میں اور کوئی جرم نہیں، حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق العبد مال ہی میں منحصر نہیں بلکہ اور بھی حقوق ہیں اور وہ بھی حقوق مالیہ کے برابر بلکہ ان سے بھی معظم ہیں چنانچہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا : کہ یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ نے ادب کی وجہ سے عرض کیا" اللّٰہ و رسولہ اعلم " فرمایا : " الیس یوم عرفۃ " کیا یہ عرفہ کا دن نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا " بلیٰ " بے شک یہ عرفہ کا دن ہے، پھر پوچھا یہ کون سا

مہینہ ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ادب سے وہی جواب دیا" اللّٰـه و رسوله اعلم" آپ ﷺ نے فرمایا: "الیس ذی الحجه" کیا یہ حج کا مہینہ نہیں ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا بیشک یہ حج کا مہینہ ہے، پھر پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ اس پر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ادب سے "اللّٰه و رسوله اعلم" ہی کہا آپ ﷺ نے فرمایا: "الیس بالبلد الحرام" کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا بے شک یہ بلد حرام ہے اس تمہید کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

الا ان اموالکم و دمائکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا من یومکم الی یوم القیامة (او کما قال)

سن لو! تمہارے اموال اور جانیں اور آبروئیں آج سے قیامت تک ویسی ہی حرام ہیں جیسے اس یوم معظم، شہر معظم اور بلد معظم میں حرام ہیں ہمیشہ کیلئے ان کی حرمت ویسی ہی ہے جیسی آج ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں ایک حقوق نفس، دوسرے حقوق مال تیسرے حقوق عرض، جب شریعت سے حقوق معلوم ہوتے ہیں تو آپ کو صرف مال میں حق العبد کو منحصر کرنے کا کیا حق ہے۔ صاحبو! جان کا بھی حق ہے، آبرو کا بھی حق ہے، مال کا بھی حق ہے۔ جان کا حق تو یہ ہے کہ کسی کو ناحق قتل نہ کرو، خیر یہ تو اس بادشاہت میں بکثرت کون کرسکتا ہے اس کی طاقت تو یہاں کسی کو نہیں گو شاذ و نادر کبھی ایسا ہوجاتا ہے، مگر وہ چھپ نہیں سکتا فوراً مقدمہ قائم ہوکر پھانسی ہوجاتی ہے اس لئے اس سے سب ڈرتے ہیں ہاں یہ حق البتہ باقی ہے کہ کسی غریب کے دو چار ڈنڈے لگا دے گو ہمارے قصبہ میں یہ حق بھی باقی نہیں رہا وہاں کسی کی مجال نہیں کہ جو کسی بھنگی کو بھی مار سکے یا بیگار میں کام لے سکے، ہمارے بھائی کے ایک کارندہ ہیں حاجی جی، اب تو کارندگی سے انہوں نے استعفیٰ دیدیا ہے، مگر جس زمانے میں کارندہ تھے اس زمانے کا قصہ بیان کرتے تھے ایک دن میں نے سڑک صاف کرنے والے بھنگی سے کہا کہ جب تو سڑک پر جھاڑو دیا کرے تو ذرا ہمارے دروازہ میں بھی جھاڑو دے دیا کر، تو وہ کیا کہتا

ہے کہ حاجی جی ! کنون تو ہے نہیں خیر تمہاری خاطر سے دے دیا کروں گا تو وہاں کوئی رئیس نہیں (ہر شخص رئیس وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی رئیس نہ ہو ۱۲) میں تو اس حالت سے بڑا خوش ہوں گو اپنی قوم کی حالت تنزل سے افسوس بھی ہوتا ہے کہ ان کی وقعت بھنگیوں کے دلوں میں بھی نہیں رہی مگر اس سے خوش ہوں کہ ان کے ہاتھ سے اب ظلم نہیں ہوسکتا ریاست تو وہی اچھی ہے جس میں ظلم نہ ہو اور جس ریاست کا یہ نتیجہ ہو کہ غریبوں پر ظلم کیا جائے، اس ہونے سے نہ ہونا اچھا چنانچہ اب ہمارے قصبہ میں زوال ریاست سے یہ بات تو ہوگئی کہ کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا اور جو کوئی کسی کو کچھ کہتا ہے تو جواب میں دس باتیں وہ ان کو سنا لیتا ہے پس ظالمانہ ریاست سے ان کی یہی حالت اچھی ہے ان کو اگر تھوڑی سی ریاست ملتی ہے تو چوگنا ظلم کرتے ہیں۔

(خیر الارشاد فی حقوق العباد ص ۲۲۱، ۲۲۳ ملحقہ مواعظ حقوق و فرائض)

لاپتہ حقوق مالیہ اور جسمانیہ کی ادائیگی کا طریقہ

(فرمایا اگر کسی شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو یا کسی سے رشوت لی ہو یا کسی کی غیبت کی ہو اور اب وہ مر چکے ہوں یا لاپتہ ہوں [1] تو ان کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو پوری کوشش ان کے پتہ لگانے میں کرے، اگر پتہ لگ جائے تب تو ان کا حق پہنچائے یا معاف کرائے، اگر معلوم ہو کہ وہ مر گئے ہیں تو مالی حقوق ان کے ورثاء کو پہنچادو یا معاف کرادو اگر ورثاء کا بھی پتہ نہ چلے تو جتنی رقم تم نے ظلم اور رشوت سے لی ہے اتنی رقم خیرات کردو اور نیت کرلو کہ ہم ان کی طرف سے ادا کر رہے ہیں، یہ تو حقوق مالیہ کا حکم ہے اور غیبت اور جانی ظلم کی تلافی کا یہ طریقہ ہے کہ اگر مظلوم مر گیا ہو یا لاپتہ ہوگیا تو اس کے حق میں دعا کرو، نماز، قرآن پڑھ کر اس کو ثواب بخشو اور عمر بھر اس کے لئے دعا کرتے رہو۔ (انفاس عیسیٰ ج ۲/ص ۴۲۳، ج ۱/ص ۳۳۶)

---

(۱) تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ادا کرے یا معاف کرائے اگر پتہ نہ چل سکے تو اشتہار چھپوائے کہ میرے ذمہ جن کے حقوق ہوں لے لے یا چھوڑ دے۔ پھر فرمایا بڑا اقلب مفتی ہے جب خوف ہوتا ہے سب تدبیر ادائے حقوق کی سوجھنے لگتی ہیں۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۹۹)

نامعلوم افراد کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ

اسی طرح نامعلوم شدگان کی ادائیگی کا طریق معلوم کیا........دھوبی سے کپڑے جو دھلوائے تو اس نے ایک دھوتی اور پگڑی بدل دیئے، حضرت سے پوچھا کہ ان کا رکھنا اور استعمال جائز ہے یا نہیں ؟ حضرت نے فرمایا بالکل نہیں، کیونکہ وہ دھوبی کی نہیں، غیر کا مال بدون اس کے اذن کے کیسے جائز ہوگا؟ جس سے وصول ہوئی ہیں اسی کو واپس کی جاویں، پھر یہ اس کے ذمہ ہے کہ مالک کو پہنچا دے۔

پھر میں نے لکھا کہ وہ چیزیں کچھ استعمال کر چکا ہوں، کیا بطور جرمانہ کچھ اپنے پاس سے ادا کروں؟ تحریر فرمایا ''ہاں مساکین کو''۔

اس طرح ایک اور خط لکھا کہ جب میں لاہور میں زیر تعلیم تھا تو ایک ماہ تمام طلباء کے روپوں میں (جو مال مشترک تھا) سے کسی قدر بچا لیا اور ایک قمیص اور شلوار بنا لی...... یہ بھی ''حق العبد'' تھا حضرت سے رہنمائی چاہی کہ مجھے بالکل علم نہیں کہ وہ کون کون تھے اور کہاں کہاں ہیں...؟ اور نہ ہی پتہ لگ سکتا ہے، ارشاد فرماویں کہ حقوق کس طرح ادا کروں؟ حضرت نے تحریر فرمایا: اس کے اندر سے مساکین کو دام دیدو اور لڑکوں کی طرف سے دینے کی نیت کرلو۔ (ملفوظات ومکتوبات اشرفیہ ص ۳۰،۳۱)

حقوق العباد کی تلافی کا طریقہ

اب یہاں ایک سوال ہے، وہ یہ کہ ایک شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو اور کسی سے رشوت لی ہو، کسی کی غیبت کی ہو اور اب وہ مر چکے ہیں یا لاپتہ ہیں تو ان کے حقوق کیونکر ادا کر سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں کوئی صورت لا علاج نہیں ہے، کرنے والا ہونا چاہئے، اس کی تدبیر یہ ہے کہ اول تو پوری کوشش کرے ان لوگوں کے پتہ لگانے میں، اگر ان کا پتہ لگ جائے تب تو ان کو حق پہنچائے، اگر معلوم ہوا کہ وہ مر گئے ہیں تو مالی حقوق ان کے ورثاء کو پہنچائے، اگر ورثاء کا بھی پتہ نہ لگے تو جتنی رقم تم نے ظلم و

رشوت سے لی ہے اتنی رقم خیرات کردو، اور نیت کرلو کہ یہ ہم ان کی طرف سے دے رہے ہیں، یہ حقوق مالیہ کا حکم ہے۔

غیبت شکایت اور جانی ظلم کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ مظلوم مرگیا ہو یالا پتہ ہو گیا ہوتو اس کے حق میں دعا کرو، نماز اور قرآن پڑھ کراس کوثواب بخشو، اورعمر بھراس کے لئے دعا کرتے رہو، ان شاء اللہ حق تعالیٰ ان کوتم سے راضی کردیں گے، جس کی صورت قاضی ثناء اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے کہ قیامت میں مسلمانوں کو بڑے بڑے خوبصورت عالی شان محل دکھلائیں جائیں گے۔ اور حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان محلات کا خریدار کوئی ہے؟ اور ارشاد ہوگا کہ ان کی قیمت یہ ہے کہ جس کا جوحق کسی کے ذمہ ہو اسے معاف کردے، اس وقت کثرت سے اہل حقوق اپنے حق معاف کردیں گے پھر سرکار کی طرف سے مسل (فائل) داخل دفتر ہوجائے گی، قاضی صاحب اپنے زمانے کے محدث اور محقق تھے، انہوں نے تحقیق کرکے یہ روایت کہیں سے لکھی ہوگی، ہم کو ان پر اعتماد ہے۔

غرض معذرت کرنے والوں کی وہاں بڑی قدر ہے، ان کے حقوق اللہ تعالیٰ خود ادا کردیں گے، وہاں تو اینٹھ مروڑ پر گرفت ہوتی ہے کہ باوجود ظلم وتعدی کے پھر بھی فکر نہ ہو اور ادائے حقوق کا اہتمام نہ ہو۔

اب ایک سوال اور رہ گیا وہ یہ کہ کسی نے مثلاً دس ہزار روپے سود یا رشوت میں لئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس کس سے لئے ہیں، اب وہ چاہتا ہے کہ اس کا حق ادا کرے تو کیونکر کرے، اس لئے کہ اس وقت اس کے پاس دس ہزار روپے نہیں ہیں، ساری عمر میں جوحرام مال کھایا تھا، آج ایک دن میں سب کیسے ادا کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کام کا شروع کردینا اور ادا کا عزم کرلینا بھی مقبول ہے، تم اول صاحب حق سے معافی کی درخواست کرو، اگر وہ خوشی سے معاف کردے تب تو جلدی ہلکے ہوئے اور اگر معاف نہ کرے تو اب تھوڑا تھوڑا جتنا ہوسکے اس کا حق ادا کرتے رہو، مگر یہ ضروری ہے کہ اپنے فضول اخراجات کو موقوف

کر دو، بس ضروری ضرورتوں میں اپنی آمدنی خرچ کرو، اور اس سے جتنا بھی بچے وہ حقدار کو ادا کرو اور اگر وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثاء کو دو اور اگر ورثاء بھی نہ معلوم ہوں تو ان کی نیت سے خیرات کرتے رہو، انشاء اللہ اول تو امید ہے کہ حق تعالیٰ ادا کر دیں گے، حق تعالیٰ کے یہاں نیت کو زیادہ دیکھا جاتا ہے، جس کی نیت پختہ ہو کہ میں حق ادا کروں گا پھر اس پر عمل بھی شروع کر دے، حق تعالیٰ اس کو بالکل بری کر دیتے ہیں۔

(خیر الارشاد فی حقوق العباد ملحقہ مواعظ حقوق فرائض ص ۲۶۶ تا ۲۶۸)

نیت کی برکات

صاف نیت وہ چیز ہے کہ جنت میں جو آپ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے معلوم بھی ہے یہ کس چیز کی برکت ہے، یہ نیت ہی کی تو برکت ہے، کیونکہ عمل تو انسان زندگی بھر کرتا ہے اس کا صلہ بہت سے بہت یہ تھا کہ ہزار دو ہزار سال بہشت میں رہنا ہوتا مگر عمل محدود کی جزا غیر محدود آپ کی نیت کی وجہ سے ہے۔

حقوق العباد کا استغفار

صاحبو! ہر گناہ کے استغفار کا طریقہ جدا ہے، گناہوں کو دیکھو کہ کیا ہے، اگر حقوق العباد ہیں ان کی استغفار یہ ہے کہ ان کو ادا کرو، ان کی معافی استغفار پڑھنے سے نہ ہوگی، اگر روزہ نماز ذمہ پر ہیں ان کی استغفار یہ ہے کہ ان کی قضا کرو، اگر گناہ ہیں ان کی توبہ کا طریقہ استغفار مداومت سے پڑھنا ہے۔ نیز توبہ و استغفار کے لوازم میں سے ہے معاصی کا ترک کرنا خواہ دیانات کے متعلق ہوں یا معاملات کے۔

(الاستغفار ملحقہ راہ نجات ص ۴۶)

قرض معاف کرنے کا شرعی طریقہ

فرمایا کہ مقرض اگر یہ کہدے کہ قرض کو ہم نہ دنیا میں لیں گے نہ آخرت میں

یہ شرعاً لغو ہے جب تک یہ نہ کہہ دے کہ ہم نے معاف کیا ، دنیا میں بھی اس کو مطالبہ کا حق ہے اور اگر مطالبہ نہ بھی کیا اور مر گیا تو اضطراراً وہ قرض ان کے ورثاء کی ملک ہو جائے گا اور ان کو مطالبہ کا حق ہوگا مورث کا یہ کہنا کہ ہم نہ لیں گے ورثہ پر حجت نہ ہوگا اس طرح اس وعدے کا اثر آخرت میں کچھ نہیں ہوسکتا۔ وہاں کیا حال ہو اور کیا خیال ہو، ممکن ہے کہ جب مدیون کی نیکیاں ملتی ہوں یا اپنے گناہ مدیون پر پڑتے ہوئے دیکھے تو معاف نہ کرے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۵۰)

عورتوں کا حق میراث معاف کرنا شرعاً معتبر نہیں

فرمایا باپ کے مرتے ہی جو لڑکیاں آمدنی اور زمین لینے سے انکار کر دیتی ہیں وہ انکار معتبر نہیں ، اول تو اس وقت صدمہ تازہ ہوتا ہے ، صدمہ میں اس کو اپنے نفع و نقصان کا خیال نہیں ہوتا ، دوسرے جب رواج یہی پڑا ہوا ہے کہ بہنوں کو میراث سے محروم سمجھا جاتا ہے، تو اپنا حق لیتے ہوئے بدنامی سے ڈرتی ہے، تیسرے ان کو اپنے حق کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کتنا ہے اور کس قدر ہے، جب صدمہ کا وقت گزر جائے اور تم ان سے کہہ دو کہ تمہارا حق شرعی ہے، تم کو لینا پڑے گا ، پھر وہ اپنے آمدنی کی مقدار بھی دیکھ لیں ، اس کا لطف بھی اٹھالیں ، اس کے بعد اگر کوئی دے تو کوئی مضائقہ نہیں، مگر ہم دکھادیں گے کہ اس کے بعد سو میں سے ایک یا دو ایسی نکلیں گی کہ اب بھی وہ اپنا حق معاف کر دیں گی ، پس جس طرح آج کل بہنیں اپنا حق بھائیوں کو معاف کرتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں اور حدیث میں صاف موجود ہے کہ ''خبردار کسی مؤمن کا مال بغیر اس کے طیب خاطر (خوش دلی) کے لینا حلال نہیں ہے۔'' (رجاء اللقاء ص ۲۴)

نابالغ کا حق ادا کرنے کا طریق

فرمایا کہ اگر کسی شخص کے ذمہ نابالغ کا کوئی حق واجب ہو تو اس کے ادا کرنے کی سہل صورت یہ ہے کہ اس کو کوئی ایسی چیز بنا کر دے جو خاص اسی کے استعمال میں آئے جیسے کپڑا جوتا وغیرہ۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۷)

باب چہارم

حقوق العباد سے متعلق چند قابل توجہ

ضروری احکام ومسائل

سرکاری جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کا حکم

پہاڑ پر ایک سرکاری جنگل تھا وہاں سے لوگ چوری چوری لکڑیاں کاٹ کر بیچتے تھے اور دو سال میں نے بھی خرید کر جلائیں اگر ناجائز تھا تو کیا تدارک کروں؟ تحریر فرمایا ناجائز تھا قیمت کا اندازہ کر کے اس محکمہ میں کسی ترکیب سے داخل کریں جس محکمہ کا تعلق اس جنگل سے ہے۔ (بزم اشرف کے چراغ ص ۲۵۹)

وقف مال کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں

سوال:- مسجد کی لالٹین میں اپنا تیل ڈال کر اپنے کام میں لانا درست ہے یا نہیں؟

جواب:- درست نہیں کیونکہ تیل گو اپنا ہے مگر استعمال لالٹین کا بھی ہوا جو مال وقف ہے جس کا استعمال سوائے مسجد کے کام کے درست نہیں ہے حتی کہ اپنے گھر تک لانا بھی جائز نہیں، اس پر سوال کیا گیا کہ اگر لالٹین کی قیمت مسجد میں دے کر اپنی ملک کر لی جائے اس طرح کہ مسجد میں اس کا استعمال بدستور رہے اور اپنے کام میں بھی لائی جایا کرے تو کیسا ہے؟ فرمایا یہ بیع ہے اور وقف کی بیع درست نہیں، الّا آنکہ بے کار ہو جائے اور مسجد کے کام کی نہ رہے، (اسی ضمن میں) فرمایا مسجد کے لوٹے میں پانی پینا مسجد کے اندر درست ہے باہر لا کر درست نہیں۔

وقف قبرستان میں قبر سے ایک بالشت جگہ لینا بھی جائز نہیں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے بھائی کی قبر قبرستان میں نشیب کے موقع پر ہے، بارش کے ایام میں اس پر پانی کا گزر رہتا ہے، اگر اس کے چہار طرف حفاظت کی نیت سے ایک ایک بالشت اونچی پختہ بندش کرادی جائے تو کیا حکم ہے ؟ دریافت فرمایا کہ وہ قبرستان وقف ہے یا کسی خاص شخص کی مملوک ہے، سب کے احکام جدا جدا ہیں، مشترک احکام نہیں، اگر وقف ہے تو ایک بالشت بھی جگہ قبر سے زائد لینا جائز نہیں، اس کے متعلق بڑے نازک احکام ہیں جب سب کیلئے وقف ہے تو ایک آدمی ضرورت سے زائد کیسے تصرف کر سکتا ہے؟ اور اگر کسی خاص شخص یا خاص جماعت کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت پر موقوف ہے بہ شرط عدم مانع (رکاوٹ نہ ہونے کی شرط پر) یہ سب احکام عقل کے موافق ہیں شریعت مقدسہ نے ہم کو آزاد نہیں چھوڑا، کوئی عمل کر کے دیکھے ہماری ہی ضرورتوں اور مصلحتوں کا انتظام فرمایا ہے اگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا قصور ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج۶/ص۲۰۲)

مہمان کا دسترخوان سے سائل کو دینا جائز نہیں

فرمایا فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر سائل آکر سوال کرے تو مہمان کو دسترخوان سے دینا جائز نہیں ہے، ایسے ہی اگر کوئی اپنے برتن میں کھانا بھیجے تو اس میں کھانا جائز نہیں، بلکہ اپنے برتن میں کر کے کھائے لیکن اگر مزہ یا وضع بدل جانے کا اندیشہ ہو جیسے فیرینی وغیرہ تو اسی برتن میں کھانا جائز ہے، ایسے ہی اگر چند مجلسیں کھانے کی ہوں تو اپنی مجلس میں اگر کھانے کی کمی پڑ جائے تو اپنے سامنے سے دے سکتا ہے اور اگر دوسری مجلس میں ضرورت پڑے تو دینا جائز نہیں ہے۔ (ملفوظات ومحظوظات یعنی جدید ملفوظات ص۱۸۰)

مسافر کا حکم

فرمایا مہمان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کہ خاص کسی ملاقات کیلئے اس کے

پاس آئیں اس کا حق تو صاحبِ خانہ پر ہوتا ہے، دوسرے وہ کہ ابن السبیل (مسافر) ہوں اور رستہ میں کسی سے ملاقات بھی کرلیں اس قسم کے لوگوں کا حق علی سبیل الکفایہ سب پر ہوتا ہے کسی معین شخص پر نہیں ہوتا۔ (مقالات حکمت ص ۴۵۵)

ایک دستر خوان کا کھانا دوسرے پر دینا جائز نہیں

فرمایا: فقہاء نے یہاں تک لکھا کہ اگر دو جگہ دستر خوان ہوں تو ایک کا کھانا دوسرے پر دینا جائز نہیں۔ (حسن العزیز ج ۳، ص ۹۱)

میزبان کی اجازت کے بغیر کسی کو لے جانا حرام ہے

فرمایا غیر مدعو کو بلا اجازت میزبان لے جانا حرام اور ناجائز ہے۔

(اسعد الابرار مطبوعہ نمبر ۱۴)

بھیجے ہوئے کھانے کے برتن کا حکم

فرمایا: فقہاء نے لکھا ہے کہ جس برتن میں کھانا بھیجا جائے اس کھانے کو دوسرے برتن میں نکال کر کھانا چاہئے اسی برتن میں کھانا ناجائز ہے۔ ہاں! اگر وہ ایسا کھانا ہے جس کو دوسرے برتن میں ڈالنے سے اس کی لذت جاتی رہے یا صورت بگڑ جائے تو اس کو اسی برتن میں کھانا جائز ہے، جیسے فیرینی کو طشتری میں جما کر بھیجا تو اس کو دوسرے برتن میں ڈالنے سے صورت خراب ہو جاتی ہے فیرینی کا لطف یہی ہے کہ جس برتن میں اس کو جمایا گیا ہے اسی میں کھایا جائے۔ (ترجیح الآخرہ، دنیا و آخرت ص ۶۵۴)

چندۂ مدرسہ سے مہمان کو کھانا کھلانا جائز نہیں

فرمایا: مدرسہ میں جو چندہ آتا ہے اس سے مہمان کو کھانا کھلانا جائز نہیں کیونکہ دینے والے کی غرض تو مصارف مدرسہ میں خرچ کرنے کی ہوتی ہے، اور یہ اس میں داخل نہیں اور مہتمم صرف امین اور وکیل ہوتا ہے، مالک نہیں ہوتا کہ جس طرح چاہے تصرف کرے، احقر نے عرض کیا کہ چندہ میں سے ثلث لے کر چندہ وصول کرنا جائز ہے یا

نہیں ،فرمایا نہیں ،احقر نے کہا حدیث سرایا سے بعض لوگوں نے تمسک کیا ہے،فرمایا "لا حول ولا قوۃ " اجرت کو غیر اجرت پر قیاس کرلیا،وہاں تو امیر عامہ کولشکر پر حسب مصلحت تقسیم کرنے کا حق ہے اور خود مال مباح ہے اور یہاں قفیز طحان کے علاوہ جہالت اجرت کا فساد موجود ہے۔ (الکلام الحسن ملفوظ ۱۸۳)

مدرسہ کے نابالغ بچوں سے کام لینا جائز نہیں

فرمایا ،مدرسہ کے نابالغ بچوں سے کام لینا کسی استاد کو جائز نہیں ،البتہ اگر بالغ ہوتو بہ شرائط جائز ہے،وہ شرط یہ ہے کہ بہ طیب خاطر ہومگر معلمین ان معاملات میں بہت گڑبڑ کرتے ہیں۔ (کلمۃ الحق ص ۱۲۲)

طلباء سے ذاتی کام لینے کا حکم

عارف باللہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب مدظلہم نے طالبعلموں سے اپنا ذاتی کام لینے کے متعلق لکھا ہے کہ کام تو ان سے لے لیتا ہوں لیکن کچھ دے کر خوش کر دیتا ہوں ،حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا (۱) کیا ان کے والدین کو خبر اور ان کی اجازت ہے (۲) کیا معتمد مزدور نہیں مل سکتے (۳) کیا ان کو اتنے ہی پیسے دیئے جاتے ہیں جتنے دوسرے مزدوروں کو؟ اس کے بعد حضرت اقدس موصوف نے چند مفلس طلباء کے والدین سے اجازت لی اور لکھا ہے کہ آئندہ ان کو اتنے ہی پیسے دیا کروں گا جتنے دوسروں مزدوروں کو،ان کے والدین کی اجازت لے لی گئی ہے حضرت نے تحریر فرمایا جزاکم اللہ وبارک اللہ۔ (بزم اشرف کے چراغ)

نابالغ بچوں سے چندہ لینے کا حکم

فرمایا، کہ اس وقت چندہ جمع کرنے والے نابالغ بچوں سے بھی چندہ لے لیتے ہیں یہ بالکل جائز نہیں جو مال بچہ کی ملک ہے وہ اگر کسی کو بھی خوشی سے دینا چاہے تو نہیں دے سکتا،اور نہ اس کا ولی دے سکتا ہے البتہ ماں باپ اپنی طرف سے روپے دیں اور

بچہ کی ملک نہ کریں۔ مگر اس کے ہاتھ سے دلوائیں اس میں مضائقہ نہیں لیکن اس کے ملک ہو جانے کے بعد کسی کو نہ دینا جائز نہ لینا، آج کل لوگ جوش میں آکر بچوں کے دیئے ہوئے پیسوں کو بڑے فخر سے لے لیتے ہیں اور مجمع عام میں اس کو بتلاتے ہیں کہ یہ معصوم بچہ کا متبرک روپیہ ہے اب وہ ایک روپیہ سو دوسو میں نیلام ہوتا ہے، اس میں کئی گناہ ہوئے، ایک ربو اور سود کا، دوسرے ریا ونمود کا، تیسرے بچہ کا مال لینے کا۔ بچہ کو ہبہ نہ کرو بلکہ اباحت کے طور پر دو ورنہ وہ اس کی ملک ہو جائے گا پھر ہبہ صبی (نابالغ بچہ کا ہدیہ کرنا) حرام ہوگا اور اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو فقیر سے یا مدرسہ والوں سے رقم واپس نہ لو بلکہ خود بچہ کو اس کے عوض اور رقم دے دو جس میں نیت عوض کی قید ضروری ہے ورنہ یہ مستقل ہبہ ہوگا پہلے کا عوض نہ ہوگا اور مدرسہ کے چندہ کرنے والوں کو بھی چندہ لیتے ہوئے ان مسائل کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (التحصیل والتسهیل مع التکمیل والتعدیل)

رسومات کے لئے قرض دینا ممنوع ہے

فرمایا کہ شادی بیاہ میں قرض دینا جن سے رسومات ادا کئے جائیں یا اسراف کیا جائے ممنوع ہے کیونکہ اس قرض کی نیت اتلاف مال کی نہ ہو، مگر تلف کا وقوع تو ہوا جس کا سبب اس شخص کا فعل ہے اور امر منکر کا مباشر ہونا جس طرح منکر ہے اسی طرح سبب بننا بھی، دلیلہ قولہ تعالی " لا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ"۔

(کمالات اشرفیہ ص۵)

تصرف کے لئے مالی جرمانہ رکھنا جائز نہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مالی جرمانہ کرے تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ اس کو محفوظ رکھے اور پھر اس کو واپس کر دے، تصرف کے لئے اس کا رکھنا جائز نہیں کیسی حکمت کی بات ہے۔ (الحق: محرم سنہ ۱۳۸۹ھ)

استاد کو اجازت کے بغیر مارنے کا حق نہیں

فرمایا بلا کسی کے اذن کے مارنے کا حق یا والدین کو ہے یا حاکم کو یہ تیسرے

میاں جی کہاں سے بیچ میں آ گئے۔ (ماہنامہ الخیر ملتان دسمبر سنہ ۸۷ء)

استاد کے اختیار میں صرف پڑھانا ہے

فرمایا فقہاء نے اس کو خوب سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں اگر کوئی عقد اجارہ میں یہ کہے کہ اتنا حساب پڑھانا، مجھے یہ آ جائے تو یہ دوں گا یہ اجارہ باطل ہے اور اگر یہ کہا کہ سکھاؤ پڑھاؤ خواہ آئے یا نہ آئے تو یہ جائز ہے کیونکہ استاد کے اختیار میں صرف سکھلانا پڑھانا ہے آنا جانا نہیں ہے۔ (الخیر دسمبر ۸۷ء)

ذکر جہر میں رعایت حقوق العباد کی ضرورت

پوچھنے پر وظیفہ کے متعلق فرمایا کہ معتدل آواز سے کریں وہ بھی اس طرح کہ کسی نائم یا مصلی (سونے والا یا نماز پڑھنے والا) کو تشویش نہ ہو۔

(بزم اشرف کے چراغ ص ۲۵۸)

پڑوسی کے حقوق کی رعایت کا حکم

فرمایا کہ پڑوسی کے حقوق کی رعایت میں حدیثوں میں بڑے حکم آئے ہیں اگر پڑوسی دیوار میں میخ گاڑنے لگے تو منع نہ کرو کیونکہ اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں گو بوجہ ملکیت تمہیں منع کرنے کا حق ہے، مگر پڑوسی کا بھی تو کچھ حق ہے، اسی طرح اگر پڑوسی کے مکان کی طرف روشن دان کی ضرورت ہو تو بہت اوپر رکھا جائے جس سے اس کی بے پردگی نہ ہو۔

حاصل تقریر کا یہ ہوا کہ دیوار اٹھاوے تو روشن دان اس میں پڑوسی کے مکان کی طرف نہ رکھے اور اگر دیوار اٹھادے تو یہ جائز ہے۔ (انفاس عیسیٰ ج ۲/ص ۴۱۹، ۴۲۰)

مدرس کا تدریس کے دوران کسی سے باتیں کرنا خیانت ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں ایک جگہ مدرس ہوں، بعض لوگ اوقات تعلیم کے وقت پاس آ کر بیٹھ جاتے ہیں، ان سے باتیں کرنے میں جو طلباء کا حرج ہوتا

ہے کیا یہ خیانت ہوگی؟ فرمایا کہ بے شک خیانت ہے ان لوگوں کومنع کردینا چاہئے کہ یہ کام کا وقت ہے۔ عرض کیا جو اس وقت تک ہو چکا یا آئندہ ایسا اتفاقاً پھر ہو جائے تو کیا اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے؟ فرمایا کہ سوائے توبہ کے اور کوئی بدل نہیں۔ عرض کیا کہ خارج اوقات میں کام کردیا جائے، فرمایا کہ یہ بھی اس کا بدل نہیں ہے۔ فرضوں کے قائم مقام نفلیں تھوڑا ہی ہوسکتی ہیں کام کے وقت کام کرنا چاہئے اور لوگوں کو منع کردینا چاہئے۔ (افاضات الیومیہ ج ۷، ص ۱۵)

وی پی میں ضائع شدہ چیز کا حکم

ویلو پے ایبل کے ذریعہ سے اگر کسی نے کوئی شے منگائی اور پھر دکاندار نے کافی احتیاط سے روانہ کی اور راستہ میں ٹوٹ گئی تو وہ کس کی چیز ضائع ہوگی؟

فرمایا: جب اس کو طلب کرنے سے کسی نے چیز بھیجی تو اس نے ڈاک خانے والوں کو اپنا وکیل قرار دینے کی اجازت دی، لہٰذا وہ چیز خریدار کی ضائع ہوگئی اور اس کو دیانۃً قیمت دینا لازم ہے۔ (مقالات حکمت ص ۳۶۲)

قیدیوں سے بیگار لینے کا حکم

قیدیوں سے بیگار اور مشقت لینا ان کی مصلحت یعنی تادیب وتعذیب کیلئے یا ان کی اصلاح کے لئے درست ہے اور کمائی کے لئے یا صرف تحکم کے لئے درست نہیں، جیسے بعض اہل عملہ جیلر کی ملاقات کے دباؤ سے اپنی بیگاریں لیتے ہیں یا خود جیلر اپنا کام لیتے ہیں۔ (مجالس الحکمت ص ۱۰۷)

کرایہ میں حقوق العباد کی رعایت کا حکم

سوال: جہاز اور ریل میں بارہ برس تک کے بچے سے نصف کرایہ لیتے ہیں ہمارے ساتھ ایک تیرہ (۱۳) برس کا لڑکا ہے اس کو ہم نے کرایہ دے کر ٹکٹ ماسٹر کے پاس بھیجا اس نے صورت دیکھ کر آدھے کرایہ کا ٹکٹ دیا، اس معاملہ میں ہم کو مواخذہ

آخرت کے خوف سے پورا کرایہ دلوانا ضروری ہے یا نہیں؟

ارشاد: ضروری ہے۔ (مقالات حکمت ص ۳۱۹)

رکشہ وغیرہ میں کرایہ ٹھہرا کر بیٹھنا چاہئے

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یکہ اور گاڑی کا کرایہ سرکار کی طرف سے جو متعین ہوتا ہے اگر کرایہ کرتے وقت اس پر یکہ والا راضی نہ ہو تو کس قدر دینا چاہئے؟ فرمایا کہ جتنا وہ ٹھہرائے اسی قدر دینا چاہئے اور بے ٹھہرائے بھی سوار ہونا جائز نہیں، البتہ اگر سوار ہوتے وقت اس سے یہ کہہ دیا جائے کہ جو کچھ کرایہ بہ نرخ سرکاری مقرر ہے ہم اس قدر دیں گے اور وہ راضی ہو جائے تو جائز ہے، پھر فرمایا کہ لوگ توجہ نہیں کرتے ورنہ ذرا سی اصطلاح سے بہت سے امور جائز ہو سکتے ہیں جیسے اس مثال میں کہ اگر نرخ سرکاری کے اعتماد پر بلا تصریح کرایہ کے بیٹھ جاتے تو درست نہ تھا، اور اگر اسی نرخ کے حوالہ سے تصریح کر دی تو جائز ہو گیا کہ کرایہ بدلنا نہیں پڑا۔

(مقالات حکمت ص ۳۰۲)

سفر خرچ بچ جائے تو اس کا حکم

فرمایا داعی (دعوت دینے والا) کی طرف سے سفر کے لئے زادِ راہ دیا جاتا ہے تو جو کچھ خرچ کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے اس کو واپس کرنا چاہئے، کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں کیا جاتا، بلکہ خرچ کرنے کے لئے بطور امانت دیا جاتا ہے۔

(اشرف السوانح ج ۲، ص ۵۱۱)

بغیر کرایہ ادا کئے سفر کرنا حرام ہے

فرمایا کہ ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ بے ٹکٹ ریل کے سفر کرنے میں ابتلاء عام ہے اس میں کوئی گنجائش نکالنی چاہئے (جواب) کیا ایسے ابتلاء عام سے کوئی چیز جائز ہو جاتی ہے پھر ارشاد فرمایا کہ عوام کے نزدیک علماء صرف اس کام کے لئے رہ گئے ہیں کہ

جس معصیت میں ان کو ابتلاء عام ہو جایا کرے ان کو معصیت کی فہرست سے نکال دیا کریں "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"۔ (الافاضات الیومیہ ج ۱/ص ۳۷)

استعمال شدہ ٹکٹوں کا دوبارہ استعمال جائز نہیں

ڈاک خانے والوں کی غفلت سے اگر ٹکٹوں پر مہر نہ لگے اور وہ استعمال ہو چکی ہوں تو دوبارہ ان کو اتار کر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں۔ (حسن العزیز ج ۳/ص ۱۲۰)

کھوٹہ سکّہ چلانے کا حکم

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خراب دوانّی وغیرہ آ گئی، ان کا چلا دینا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا جو خرابی سکہ ہی کی ہوں وہ سرکاری کارخانوں (اسٹیٹ بینک وغیرہ) میں دے دیجئے اور اگر کسی کو دیجئے تو ظاہر کر دیجئے کہ ایسی ہے خواہ وہ کم میں لے یا برابر جائز ہے، جب آپ نے اس کو دے دی اب وہ چاہے کسی کو دھوکہ سے دے یا ظاہر کر دے آپ کے ذمہ کچھ نہیں اور جو خرابی بعد کی ہو وہ کسی کو بلا اطلاع دینا درست نہیں نہ سرکار کو نہ دوسرے کو۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۳۶)

کیمیا گری کا حکم

فرمایا کہ ایک صاحب کیمیا گر مجھ سے ملے تھے کہ وہ کہتے تھے کہ میں آپ کے سامنے بناتا ہوں، مگر میں نے کہا کہ نہ بھائی مجھ کو معاف رکھو، مگر ایک صاحب کہتے تھے کہ چند دنوں کے بعد پھر ماہیت تبدیل ہو جاتی یعنی پھر سونا نہیں رہتا بلکہ اس سے پہلے جو دھات تھی وہی رہ جاتی ہے، کوئی مدت بتلائی تھی کہ اس وقت تبدیل ماہیت ہوتی ہے، فرمایا اگر صحیح ہے، تو پھر کیمیا ناجائز ہے۔

غیر مستحق کو دینا حرام ہے

فرمایا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص کو مانگنا حرام ہے اس کو اس کے مانگنے

پر دینا بھی حرام ہے البتہ اگر دینے والے کو معلوم نہ ہو تو معذور ہے۔

(کمالات اشرفیہ ص۲۸۶)

ہٹے کٹے جوانوں کو بھیک دینے کا حکم

ایک صاحب نے سوال کیا جو سائل جوان تندرست یا بچہ تندرست ہو اس کو بھیک دینا کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا بھیک مانگنے والے جو قادر ہوں کسب پر، فقہاء نے ان کو دینا حرام لکھا ہے کیونکہ سوال کرنا ایسے شخص کو حرام ہے اور بھیک دینا یہ اعانت ہے معصیت پر، اس لئے وہ بھی حرام ہے اور ان کے پاس دلیل قرآن شریف کی آیت ہے، مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بیان فرمایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ لوگ غل تو مچائیں گے، مگر میں پہنچائے دیتا ہوں چنانچہ بڑا غل مچا، بات یہ ہے کہ مانگنا رسم ہو گیا اور رسم کے خلاف لوگ مسئلہ ماننے سے گریز کرتے ہیں۔ (حسن العزیز ج ۳/ص ۱۱۳)

ہمزاد وغیرہ سے کام لینا جائز نہیں

فرمایا کہ ہمزاد وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے محض قوت خیالیہ سے کوئی روح خبیث شیطان مسخر ہو جاتا ہے، اس سے کام لینا بوجہ اس کے کہ احرار پر جبر و اکراہ ہے جائز نہیں، جیسے کوئی رئیس کسی چمار سے جبراً کام لے یہ جائز نہیں، خصوصاً ایسے کام کہ روپیہ لاؤ، کھیر لاؤ کہ وہ جن کسی کی اٹھا لاتا ہے دو وجہ سے ناجائز ہے ایک بوجہ حرمت جبر علی الصغیر (نابالغ پر زبردستی حرام ہونے کی وجہ سے) اور دوسرے بوجہ اتلاف مال غیر (دوسرے کا مال ہلاک کرنے کی وجہ سے)۔ (حسن العزیز ج ۲/ص ۳۱۷)

کرایہ دار قصائی سے سستا گوشت نہ لینے کا حکم

فرمایا ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک شخص ہمارے مکان میں رہتا ہے تو ہم کو کرایہ میں اس سے سستا گوشت لینا درست ہے، مگر بات یہ ہے کہ کرایہ کے شرعاً کچھ قانون ہیں چونکہ یہ اس پر منطبق نہیں لہٰذا درست نہیں۔

تفصیل: مثلاً اگر ہم نے کسی کو مکان رہنے کو دیا تو اس کا عوض لینے کی ایک تو صورت یہ ہے کہ اس سے یوں کہا جائے کہ جب ہم کو ضرورت ہوگی اس بھاؤ گوشت لیں گے یا جب ضرورت ہوگی تم کو بیگار میں بلالیں گے یہ تو ناجائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سال بھر کے خرچ کا اندازہ کرلیں اور بلا کر اس سے یوں کہیں کہ ہم چار من گوشت تک اس بھاؤ لیں گے اور اس کے بعد پوری قیمت دیں گے یہ جائز ہے دیکھئے کتنی آسان صورت ہے البتہ اس میں یہ ضروری ہوگا کہ سال بھر کے گوشت کا حساب یاد رکھنا پڑے گا محض گول مول رکھنا کسی طرح جائز نہیں، ایک سیر بھی زائد آیا ہو تو اس کی پوری قیمت دے دو، اس لئے یاد رکھنے کی خاطر لکھنا چاہئے۔ (طلب العلم ص۱۲)

مجنون سے ہدیہ لینا درست نہیں

جس شخص کا دماغ درست نہ ہو اس سے ہدیہ لینا درست نہیں، کیونکہ مجنون کے تصرفات صحیح نہیں۔ (الکلام الحسن ص ۶۷)

سوال: بندہ نے ایک دکان بائیسکل کی کھولی ہے اور لوگ ۴ر فی گھنٹہ کے حساب سے بائیسکل لے جاتے ہیں پس اگر کوئی پندرہ منٹ میں بائیسکل واپس لائے تو بندہ کو اس سے ۴ر لینا جائز ہے یا ایک آنہ، مفصل ارشاد فرمائیں۔

الجواب: یا تو جو رواج ہو اس کے موافق کیا جائے یا اگر رواج متعین نہ ہو تو وقت دینے کے کہہ دیا جائے کہ گھنٹہ اور جزو گھنٹہ کا کرایہ مساوی ہے۔۲۲ ذوالحجہ سنہ ۱۳۳۱ھ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ر ص ۳۹۸)

رسم نیوتہ میں ادائیگی حقوق العباد میں کوتاہیاں

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بڑے کام کی رسم ہے اس میں وقت پر کام چل جاتا ہے تو صلہ رحم میں داخل ہوئی میں کہتا ہوں نیوتہ قواعد شرع کے موافق قرض ہے اور قرض کیوں نہ ہو اس کے واپس لینے کے لئے لڑائیاں ہوتی ہیں اور جو کوئی واپس نہ دے اس کو برادری سے خارج کیا جاتا ہے تو اس سے قطع رحم لازم آتا ہے یہ کیسا صلہ رحم تھا جو

قطع کے موجب ہوا، غرض یہ قرض ہے اور قرض کے احکام سے شرعاً اس میں میراث بھی جاری ہوتی ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنا قرض کسی پر چھوڑ مرے تو وارثوں کو اس کے حصول کرنے کا حق ہوتا ہے، اس حکم کو یاد رکھئے اور نیوتے کو دیکھئے اگر کوئی شخص مر جائے جس کے دوسو روپے لوگوں کے ذمہ نیوتہ کے پڑے ہوں اور وہ دو بیٹے چھوڑ جائے تو رواج یہ ہے کہ جب ان دونوں بیٹوں میں سے بڑے کے نکاح کا وقت آئے گا تو سب ان نیوتوں کو ادا کریں گے اور اس کو لوگ بہت ہی خیر سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر اس کے باپ نے اتنا نیوتہ نہ چھوڑا ہوتا تو بڑی بات بگڑ جاتی، اس وقت آڑے وقت میں کام چل گیا۔

(بناقاسد علی الفاسد)

سمجھ لیجئے کہ شریعت کا حکم میراث میں یہ ہے کہ فرائض کے موافق تقسیم کی جائے جس کو خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں بیان فرما دیا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ باپ کا قرض دو بیٹوں میں سے ایک کو دے دیا جائے بلکہ ادا کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں پر آدھ آدھ بانٹے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو عند اللہ گنہگار ہوگا یہ حال تو ادا کرنے والے کا ہے، اب اس بیٹا کا سنئے جس نے لیا یاد رہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو باپ کے ترکہ میں قرض وصول ہو اس کو تمام ان وارثوں پر تقسیم کرے جو اس وقت موجود ہوں جن کو شریعت نے مستحق قرار دیا ہو، بڑے بیٹے کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ کل روپیہ اپنے کام میں لگا وے اگر اس بڑے بیٹے نے ان دوسو روپوں کو تقسیم نہ کیا اور اپنی شادی میں لگایا اور اس سے وہ رسم کی جو شرعاً مسنون ہے مثلاً ولیمہ تو اس کا بھی حکم یہ ہے مال سحت (حرام) ہے جو کوئی اس کو کھائے گا اکل سحت (حرام خوری) ہوگا اور حق العبد گنہگار ہوگا حق کے معاف ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ارباب حق یعنی وارث معاف کریں تو یہ اس کے لئے کافی نہیں اور ہر ہر شخص سے قیامت کے دن ہر ایک دانگ کے بدلے جو تین پیسے کا ہوتا ہے سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی، یہ حالت اگر لوگوں پر منکشف ہو جائے تو کوئی اس کے معمولی کھانے کو بھی گوارہ نہ کرے چہ جائے کہ ولیمہ کرنا۔ جب اس مال میں سے ایک مسنون رسم ادا کرنے کا یہ حکم ہے تو

ان رسموں کا حال قیاس کر لیجئے جو رسوم کفار ہونے کی وجہ سے فی نفسہ بھی قبیح ہیں جن کا ادا کرنا اپنی ملک میں سے بھی جائز نہیں اور طرح طرح کے مفاسد پر مشتمل ہیں اس میں تو گناہ در گناہ در گناہ ہو جائیں گے تشبہ بالکفار اور اختراع فی الدین اور حق العبد وغیرہ وغیرہ۔

کہاں تک عرض کروں کوئی صاحب یہ نہ کہیں کہ حق العبد جب لازم آئے کہ بلا اجازت ہو اس نیوتہ کی رقم وصول شدہ میں بڑے بیٹے کو دیگر ورثاء کی اجازت ہوتی ہے سب اپنا اپنا حق بڑے بیٹے کو ہبہ کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اول تو نابالغ کی اجازت معتبر نہیں دوسرے بالغوں کی بھی وہ اجازت معتبر ہے جو صمیم قلب اور خوشی سے ہو اور میں دعوی کے ساتھ کہتا ہوں کہ دل سے ایک بھی اجازت نہیں دیتا اس کا تجربہ یوں ہوسکتا ہے کہ سب کو اپنا اپنا حق دے دیجئے اور کہہ دیجئے جس کسی کو خوشی سے اپنا حق بڑے بیٹے کو ہبہ کرنا ہو کر دے دیکھ لیجئے گا کہ ان شاء اللہ ایک بھی نہیں کرے گا۔

(تفصیل الذکر ص۱۳ تا ۱۵)

زمینداروں کا اپنے کاشتکاروں سے سستے دام خریدنا

سوال (۶۷) زمینداروں میں دستور ہے کہ شادی کے وقت کاشتکاروں سے فی ہل ایک روپیہ دے کر گھی لیتے ہیں اور کاشتکار ایک روپیہ لے کر سوا روپے کا گھی دیتے ہیں۔

الجواب: یہ ناجائز ہے کیونکہ اس کی مجموعی مقدار معین نہیں، کہ کتنا گھی ایک سال میں مثلاً لیا جاوے گا، ۲۶ شوال سنہ ۱۳۳۲ھ۔

(حوادث ثالثہ ص ۱۵۸) (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۶۲)

کھڑی ہوئی گھاس کی بیع بعض اعذار کی حالت میں

سوال (۶۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں (۱) فقہ کی کتابوں میں بیع باطل وفاسد کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ کھڑی ہوئی گھاس بیچنا

درست نہیں ہے جبکہ زمیندار نے قبل جمنے کے پانی نہ دیا ہو اور خودرو ہو، جو زمین قابل مزروعہ کے نہیں ہوتی فراز نشیب ہوتی ہے اور بارش میں ڈوب بھی جاتی ہے اس زمین پر علی العموم گھاس جما کرتی ہے اور زمیندار لوگ پانی تو نہیں دیتے، مگر اس کی نگرانی اور حفاظت کرتے ہیں، اور سرکار مزروعہ سے کم لگان تشخیص کر کے مال گذاری بھی لیتی ہیں اور زمینداروں کو اس کی مال گذاری دینی پڑتی ہے اور جب کہ زمینداروں کو چرائی لینا ناجائز ہے تو اسی صورت میں زمیندار بلا وجہ نقصان اٹھاتا ہے، اور گردنواح کے لوگ مویشیان تجارتی رکھتے ہیں یعنی گائے اور بھینس بکثرت پالتے ہیں اور اس کا گھی اور دودھ اور بیل و بھینسا جو اس سے پیدا ہوتا ہے فروخت کرتے ہیں، اور چندروز کے بعد وہی مالکان مویشیان اپنا استحقاق قائم کرتے ہیں، کہ ہم عرصہ دراز سے بلا معاوضہ چراتے ہیں، مالک زمین کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے زمیندار دو نقصان اٹھاتا ہے، ایک تو سرکار کو مال گذاری ادا کرتا ہے دوسرے بعد چندے زمین پر اس کا کوئی استحقاق خاص بہ نسبت اور لوگوں کے باقی نہیں رہتا بلکہ کسی وقت میں اگر زمین قابل مزروعہ کے ہو جاتی ہے، اور زمیندار اس کو مزروعہ کرنا یا کرانا چاہتا ہے تو وہی مالکان مویشیان نالش فوجداری میں کرتے ہیں اور بیچارہ بلا وجہ مفت پریشانی میں مبتلاء ہو جاتا ہے اور جس قدر ایسی زمین تہی کے گردونواح میں کھیت رہتے ہیں ان کھیتوں کو بھی مویشیان نقصان پہنچاتے ہیں، زمیندار مال گذاری سرکار کہاں سے ادا کرے؟ ایسی ضورت میں زمیندار کو کیا چارہ کار ہے، یعنی اس زمین تہی کی چرائی لینا اور بغرض تحفظ استحقاق آئندہ مویشیوں کو روکنا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) اور ایسی قسم کی زمین تہی پر گھاس جمتی ہے اور مویشیوں کو چرنے وغیرہ سے روکا جاتا ہے، اور حفاظت کی جاتی ہے مگر زمیندار پانی نہیں دیتا اور جب وہ گھاس بڑی ہو جاتی ہے اس کو گھاس کلا اور کھر بھی کہتے ہیں، اور وہ دیہاتوں میں نہایت کارآمد ہوتی ہے یعنی کل مکانات کے آدمیوں کے رہنے اور مویشیوں کے رہنے کے اور کل ضروتوں کے مکانات اسی سے چھائے جاتے ہیں، علاوہ اس کے اور کوئی شے ایسی نہیں

ہے کہ جس سے مکانات دیہات کے چھائے جائیں، اور وہ گھاس کلا یعنی کھر قیمتی ہوتا ہے تو ایسی صورت میں تہی زمین کی گھاس کی حفاظت کرنا اور بیع کرنا جائز ہے یا ناجائز اور اگر علی العموم پر تہی زمین کی گھاس پر شخص چروا دیا کرے اور حفاظت نہ کرے تو دیہات میں مکانات چھانے کی ضرورت کیونکر رفع ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جو گھاس سیدھی کھڑی ہوجا دے یعنی تنہ دار ہو، جیسے پولا جس میں سینکیں نکلتی ہیں وہ ہر حال میں زمیندار کی ملک ہے، اور جو ایسی نہ ہو بلکہ زمین پر پھیلتی ہو اس میں یہ تفصیل ہے، اگر وہ اس شخص کے پانی دینے سے پیدا ہوئی ہے تب بھی اس کی ملک ہے اور جواز خود پیدا ہوئی ہے وہ ملک نہیں اور محض حفاظت سے ملک نہیں ہوتی، پس ایسی گھاس کا بدون کاٹے ہوئے بیچنا یا کسی کو اس کے لینے سے روکنا جائز نہیں اور مالگذاری دینے سے اس کا جواز لازم نہیں آتا، لان اخذ الخراج ان كان بحق فظاهر و ان كان بغير حق فلان المظلوم لا يظلم غيره، البتہ اگر مواشی کو اس میں چرنے کی اجازت دینے سے کوئی ضرر بین ہو جیسا سوال میں لکھا ہے في قوله وہی مالکان مویشیان الخ تو اس صورتِ خاص میں اس سے تو روکنا جائز ہے لیکن بیع یا اجارہ جائز نہیں بلکہ اگر مواشی والوں کو گھاس کی ضرورت ہو اور قریب موقع پر مفت گھاس میسر نہ ہو تو اس مالک گیاہ سے کہا جاوے گا کہ یا تو گھاس چرانے کی اجازت دو یا گھاس کٹوا کر دو، البتہ اگر اجازت میں زمیندار کا کوئی معتد بہ ضرر ہو اور ممانعت میں عامہ کا معتد بہ ضرر نہ ہو تو امید ہے کہ فقہاء کے لکھے ہوئے حیلہ پر عمل کرنے میں ملامت نہ ہوگی، اور وہ حیلہ یہ ہے کہ جس زمین میں گھاس ہے اس کو کسی شخص کے ہاتھ کسی اور کام کے لئے اجارہ پر دیدے مثلاً اس میں مواشی کو کھڑا کیا کریں گے و مثل ذالك پس وہ دام کرایہ کے ہوں گے، گھاس کے نہ ہوں گے، كذا في الدر المختار و رد المحتار باب البيع الفاسد و باب الشرب۔

(امداد الفتاوی ج ۳ ص ۶۳) ۲۷ شعبان سنہ ۱۳۳۱ھ تتمہ ثانیہ ص ۲۶)

بیماری کے ایام کی تنخواہ اور وظیفہ کا حکم

سوال (۳۰۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو طلبہ اور مدرس مدرسہ اسلامیہ کے بیمار ہو جاویں ان کو ایام بیماری کی تنخواہ یا وظیفہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ظاہراً یہ سوال متعلق چندہ کے ہے، سو اصل یہ ہے کہ ایسے اموال میں کسی تصرف کا جواز و عدم جواز معطین اموال کی اذن و رضا پر موقوف ہے اور مہتمم مدرسہ ان معطین کا وکیل ہوتا ہے، پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف اس وکیل کو جائز ہے سو جس مہتمم نے مدرسین کو مقرر کیا ہے اگر اس مہتمم کو معطین نے اس صورت کے متعلق کچھ اختیارات دیئے ہیں، اور مہتمم نے ان مدرسین سے اس اختیار کے موافق کچھ شرائط کر لئے ہیں تب تو ان شرائط کے موافق تنخواہ لینا جائز ہے، اسی طرح جو اختیارات وظیفہ کے متعلق مہتمم کو دیئے گئے ہیں ان کے موافق ان کا دینا لینا بھی جائز ہوگا، اور اگر تصریحاً اختیارات و شرائط نہیں ہوئے، لیکن مدرسہ کے قواعد مدون و معروف ہیں تو وہ بھی مثل شروط کے ہوں گے، اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف ہیں تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جاوے گا اور اگر یہ آمدنی کسی وقف جائیداد کی ہے تو اس کا حکم دوسرا ہے فقط۔ ۱۹ صفر سنہ ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۲)

بیماری کے ایام کی تنخواہ کے مستحق ہونے کی تحقیق

سوال (۳۰۳) مدرس بیمار ہو گیا ایام مرض کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں، اگر ہے اور اس نے نہیں لی تو لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر قالاً یا حالاً اہل چندہ کی رضا سمجھی جاوے تو یہ شرط ٹھہرانا درست ہے کہ ایام مرض کی تنخواہ دی جاوے گی ورنہ درست نہیں، پھر اگر شرط نہ ٹھہری تب تو استحقاق نہیں ہے اور اگر شرط ٹھہر گئی تھی تو وہ مستحق ہے، پھر اگر اہل چندہ کی رضا معلوم ہو تو چندہ سے دینا درست ہے ورنہ جس نے مدرس کو رکھا ہے وہ اپنے گھر سے دے۔

(۱۵ شعبان سنہ ۱۳۲۱ھ حوادث اولی ص ۹۱)

چھٹیوں کی تنخواہ کا حکم

سوال (۳۰۴) عربی مدارس میں رمضان شریف کی تعطیل ہوتی ہے تو اس کی تنخواہ کا بلا معاوضہ کام ہونا ظاہر ہے باقی وقت بھی مدرس اپنا وقت مدرسہ میں محبوس نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ سے لے سکے اب لینا اس کو کیسے درست ہے، اگر مدرسے کے مہتمم کسی مدرس کو شعبان کی ۲۹ تاریخ کو مدرسہ کی ملازمت سے علیحدہ کردے تو یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ مدرس مدرسہ میں بحال رہتے ہوئے رمضان کی تعطیل میں رمضان کی تنخواہ کا کب مستحق ہوگا جب سب رمضان ختم ہو جائے یا ختم شعبان پر؟

الجواب: تنخواہ تو ایام عمل ہی کی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایام عمل کے ساتھ ملحق ہے تاکہ استراحت کرکے ایام عمل میں عمل کر سکے، اس سے سب اجزاء کا جواب نکل آیا، اول کا یہ کہ حکماً بلا معاوضہ کام کے نہیں، دوسرے کا یہ کہ شعبان کے ختم پر معزول ہو جانے سے تنخواہ نہ ملے گی اور عدم عزل میں رمضان کے ختم پر تنخواہ ملے گی بشرطیکہ شوال میں بھی کام کیا ہو۔ (۱۵رمضان سنہ ۱۳۲۷ھ تتمہ خامسہ ۹۲)

سوال (۳۰۵) اواخر شعبان و اوائل شوال وتمام ماہ رمضان و دیگر ایام عیدالضحی وغیرہ میں تعطیل ہوتی ہے، ان ایام کی تنخواہ کا مدرس مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب: برضا اہل چندہ، چندہ سے دے سکتے ہیں ورنہ عدم اشتراط میں استحقاق نہیں۔ اور اشتراط میں بذمہ موجر واجب ہے جیسا کہ اوپر کے دو جوابوں میں مذکور ہوا۔ (۱۵شعبان سنہ ۱۳۲۱ھ) (حوادث اول ص ۹۲)

سوال (۳۰۶) اور طلباء سے تعطیل کا مشاہرہ لینا یا مہتمم سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: المعروف کالمشروط کے قاعدہ سے جائز ہے۔

(۴رذیقعدہ سنہ ۱۳۳۲ھ حوادث ثانیہ ۱۵۶)

چھٹیوں کی تنخواہ کاٹنے کا حکم

سوال (۳۰۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو عمرو نے بمشاہرہ بیس روپے ماہوار پر ملازم رکھا لیکن زید ملازم کو اپنی ضروریات کی وجہ سے رخصت کی ضرورت ہوئی تو زید اپنے آقا عمرو سے اجازت حاصل کر کے گیا، جب مہینہ ختم ہوا اور تنخواہ ملنے کا وقت ہوا تو عمرو آقا نے زید ملازم کی تنخواہ سے ان ایام کی تنخواہ کہ جن ایام میں وہ اجازت حاصل کر کے گیا تھا وضع کر لی، جب زید نے اس بارے میں کچھ کہنا چاہا تو عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہمارے یہاں سال میں ایک ماہ کی رخصت ملتی ہے خواہ بیماری ہو یا شادی یا غمی یا دیگر خانہ داری کی ضرورت ہو، اس سے زیادہ رخصت نہیں مل سکتی اور زید نے عمرو کو ملازم رکھتے وقت کوئی قاعدہ طے نہیں کیا، اور چند سال تک کسی کی کوئی بات ظہور میں بھی نہ آئی، لیکن چند سال کے بعد عمرو نے اسی زید کے ساتھ متذکرہ بالا قواعد کی پابندی شروع کر دی، جب زید نے عمرو آقا سے یہ عذر پیش کیا کہ سالہائے گزشتہ میں اس قاعدہ کا آپ نے کیوں نہیں برتاؤ کیا؟ تو عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہم کو اختیار ہے اب ہم رعایت نہیں کرتے جب ہم رعایت کرتے تھے یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: جائز ہے اور رخصت کی تنخواہ دینا جب کہ کوئی شرط نہ ٹھہری تو تبرع اور احسان ہے، البتہ اگر کچھ شرط ٹھہر جاوے یا ایسا عرف عام ہو کہ سب اس میں متفق ہوں کہ وہ بھی بمنزلہ شرط کے ہے، تو اس وقت اس شرط پر عمل کرنا واجب ہے، فقط۔

۲۹ رجب سنہ ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۰۸)

مدرسین چھٹیوں کی تنخواہ کے مستحق ہیں یا نہیں

سوال (۳۰۸) اکثر مدارس اسلامیہ میں مدرسین کے لئے ایک ماہ کی رعایتی رخصت کا اعلان ہے جس ماہ میں تعلیم نہیں ہوئی، کس طرح وہ تنخواہ کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ مہتمم یا اہل شوری ایسے قواعد مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مہتمم واہل شوری وکیل ہیں اہل چندہ کے، پس اگر بتصریح یا بقرائن اس قانون پر اہل چندہ کو اطلاع اور ان کی رضا ثابت ہو تو چندہ سے تنخواہ دینا جائز ہے ورنہ ناجائز، اگر رضا نہ ہو اور شرط ہو تو جس نے مدرس کو نوکر رکھا ہے وہ اپنے پاس سے دے۔

۱۵ شعبان سنہ ۱۳۲۱ھ (امداد الفتاوی: ج ۳/ ص ۵۴، حوادث اول: ص ۹۱) (امداد الفتاوی: ج ۳/ ص ۳۴۹)

غیر حاضری کے دنوں کی تنخواہ واپس کرنے کی تدبیر

سوال (۴۰۷) خادم قصبہ مدرسہ سرکاری میں نائب مدرس ہے اور سکونت قصبہ ہذا سے ۵/ میل کے فاصلہ پر ہے، ایام تعطیل میں اپنے گھر جانے کا اتفاق ہوا، بارش اور دیگر کار خانگی کے سبب ایک یوم زائد علاوہ تعطیل کے صرف ہو گیا، جب ایک روز غیر حاضر رہ کر مدرسہ پہنچا تو ہیڈ مدرس نے زبانی فہمائش کر کے سمجھا دیا کہ آئندہ سے غیر حاضری نہ کرنی چاہئے لیکن غیر حاضری کی رپورٹ نہ مدرس موصوف نے دفتر کو کی، اور نہ کسی نے آج تک اس کی تفتیش کی، اب دل میں خیال آیا کہ غیر حاضری کی تنخواہ اپنی صرف میں نہ لانی چاہئے، پھر کیا کیا جائے، تنخواہ ماہانہ مبلغ بیس روپے ملتی ہے۔

الجواب: کبھی ایسا کیجئے کہ کچھ معین ایام کی رخصت لے کر ایک روز قبل حاضر ہو کر کام کیجئے وہ دن رخصت ہی میں لکھا رہنے دیجئے۔

(٦ جمادی الاولی سنہ ۱۳۳۲ھ) (تتمہ خامسہ ص ۲۶۹) (امداد الفتاوی ج ۳/ ص ۴۰٦)

مدرس کو اگر بجائے کھانے کے نقد روپیہ دیا جائے تو ایام رخصت میں یہ روپیہ دیا جائے گا یا نہیں

سوال: ایک مدرس عربی کی دس روپے تنخواہ ہے اور کھانا بھی مدرسہ کے ذمہ ہے، کھانے کی بدہضمی کی وجہ سے مدرس مذکور نے یہ درخواست کی کہ مجھ کو کھانے کے عوض نقد دیا کرو، اس کو اہل مدرسہ نے قبول کر کے تین روپے ماہوار مثلاً بغرض طعام

معین کر دیا، اب بجائے دس کے تیرہ روپے مدرسہ دیتا ہے، اب مقصود سوال سے یہ ہے کہ جیسا قاعدہ مقررہ مدارس کا ہے کہ ماہ رمضان کی تعطیل میں مدرسین مکان کو چلے جاتے ہیں، ان کو تنخواہ ماہ رمضان المبارک کی مدرسہ سے دی جاتی ہے، اب مدرس مذکور یہ تین روپے تنخواہ میں متصور ہوں گے یا نہیں، اور رمضان المبارک کی تنخواہ دس دیئے جائیں گے یا تیرہ؟

الجواب: اس کا مدار عرف پر ہے جبکہ کوئی خاص تصریح نہ ہو، اور میرے نزدیک عرف یہ ہے کہ جب بجائے کھانے کے نقد اس طرح معین ہو جاوے کہ وہی مستقل ہو جاوے اس طور پر کہ پھر عود طعام کا احتمال بعید ہو جاوے (دوبارہ کھانا جاری کرنے کا احتمال باقی نہ رہے) تو وہ نقد مثل دوسرے جز تنخواہ کے ہو جاوے گا اور ایام تعطیل میں بھی تیرہ روپے دیئے جاویں گے البتہ اگر کسی شخص کو اس کے خلاف عرف محقق ہو جاوے تو اس کے موافق حکم ہوگا۔

۱۸ رجب سنہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۷۴، حوادث ج ۱/۲، ص ۳۶) (امداد الفتاوی ج ۳/ ص ۳۸۴)

مہینہ مکمل نہ ہونے کی صورت میں پورے مہینے کی فیس لینے کا حکم

سوال (۳۹۴) ملک بنگال میں دستور ہے جب طالب علم داخل مدرسہ ہوتے ہیں تو اس سے فیس داخلہ علاوہ اس ماہ کے مشاہرہ کے لیا جاتا ہے اور مشاہرہ بھی اس ماہ کا اگر ایک دن بھی گزر چکا ہو، تو پورا مشاہرہ لیا جاتا ہے اگر کسی دوسری جگہ کوئی طالب علم جانا چاہے تو اگر ماہ کا ایک دن بھی گزر چکا ہو تو پورا مشاہرہ لیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ فیس خارجہ بھی لیا جاتا ہے، اب یہ دونوں مشاہرہ اور دونوں قسم کی فیس لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس تاویل سے یہ سب جائز ہے کہ معنی عقد کے یہ کہے جاویں گے کہ اگر اتنا کام کریں گے تب بھی اس قدر اجرت لیں گے، اور اگر اس سے کم کریں گے تب بھی اسی قدر اجرت لیں گے۔

۹ شوال سنہ ۱۳۳۲ھ (حوادث اولیٰ ج ۱/ص ۱۵۵) (امداد الفتاوی ج ۳/ص ۴۰۳)

کھاتہ کی نقل کی اجرت جائز ہے

سوال (۳۹۳) پٹواریوں کو سرکار سے حکم ہے کہ نقل جمعبندی جو زمیندار لیتے ہیں اس کی اجرت فی کھاتہ ۲/ آٹھ کھاتہ تک، اگر اس سے زیادہ ہوں تو دو پیسہ فی کھاتہ کے حساب سے لی جاوے، پٹوراریوں کا یہ طریقہ ہے کہ جس کو ایک کھاتہ کی نقل دی جاوے اس سے بھی ایک روپیہ اور جس کے زیادہ ہوں مثلاً بیس ہوں تب بھی ایک، روپیہ لیتے ہیں، اسی طرح اپنی کمی بیشی پوری کر لیتے ہیں۔ کیا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں، اور اقوام سکھ (کافر مشرک) سے اگر زیادہ اجرت جس قدر چاہیں لی جاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دونوں صورت میں نقل لینے والا اس اجرت پر رضامند ہو جاوے اس کا لینا جائز ہے " لان الامر الی المتعاقدین ولا یلزم التسعیر "۔

۲۹ رمضان سنہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱-۲ ص ۱۵۱)

مزدور کا حق

سوال (۳۹۹) بوقت تبادلہ اراضیات یا وصول تحصیل کارندہ کی جو نذرانہ منجانب کاشتکاراں بعلم آقا یعنی زمیندار مثل حقوق کے ملتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ (حوادث ۱/۲ ص ۹۹)

سوال (۴۰۰) آقا کے ساتھ کارندہ کو بھی ملتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: برضامندی مالک جائز ہے۔ (حوادث ۱/۲ ص ۲۹۹)

اپنی رعایا سے کرایہ لینا

سوال (۴۰۱) اپنی اراضی میں اگر کسی شخص کو سکونت کا حق دیا جاوے تو اس سے معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے جو چیز کہ شرعاً کرایہ قرار پا سکے۔ (حوادث ۱/۲ ص ۹۹)

زمینداروں کا لگان کے علاوہ بعض متعین چیزیں وصول کرنا

سوال (۴۰۲) یہ بھی دستور ہے کہ علاوہ لگان نقد کے فی ہل ایک من پختہ بھوسہ اور ایک چھیڑا اپلے اور ایک گھڑا رس اور ایک بھیلی فصل میں لیں، یہ سب حقوق زمینداری کے نام سے موسوم ہیں۔

الجواب: یہ سب جائز ہے بوجہ معین ہونے کے۔

۲۶ شوال سنہ ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۵۸) (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۴۰۴)

زمینداری کے بعض متعین حقوق کا جواز

اور وقف کا نفع واقف اپنے لئے رکھنا چاہے تو اس کا حکم

سوال (۴۰۳) زید نے اپنی جائیداد کا عمرو کو بمبادلہ مبلغ سو روپے لگان ٹھیکہ دیا، اور یہ بھی طے پایا کہ اس روپے کے ساتھ ہی ایک گاڑی اپلے اور ایک چھیڑا بھوسہ بھی دینے ہوں گے اور جس سال نیشکر ہوگی تو اس سال ایک بھیلی گڑ کی اور راب ہو تو پانچ سیر راب پختہ اور ایک گھڑا رس کا، اور پچیس گنے اور دینے ہوں گے علاوہ نقد کے، جس قدر اشیاء متذکرہ بالا ٹھہری ہیں ان کا نام حقوق زمینداری ہے تو یہ ٹھیکہ جائز ہے یا نہیں؟ دیگر یہ کہ زید نے اب اس جائیداد کو بحق مدرسہ اس طرح وقف کر دیا ہے کہ اس کا لگان نقد ہمیشہ مدرسہ میں صرف ہوا کرے، اور علاوہ لگان نقد کے دیگر اشیاء مذکورہ میں بدستور میں لیتا رہوں گا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ واقف خود متولی جائیداد بھی ہے بوقت وقف اس نے یہ متعین کر دیا ہے کہ اس جائیداد سے جو آمدنی نقد ہے وہ بحق مدرسہ صرف ہو، اور علاوہ ازیں جو دیگر حقوق زمینداری متذکرہ معین ہیں وہ بصرف متولی رہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فی هداية: واذا قال للخياط ان خطت هذا الثوب فارسيا فبدرهم وان خطته روميا فبدرهمين جاز اى عمل من هذين

العملين فعل استحق الاجر به الخ۔ (ج ۲ص ۲۹۴) اسی قیاس پر اس شرط کے کہ جس سال نیشکر ہوگی الخ یہ معنی ہوں گے کہ اس خاص صورت میں اجرت کی اور مقدار ہے اور اس خاص صورت کے غیر میں اجرت کی اور مقدار ہے، سو یہ جائز ہوگا اور باقی شرائط بلا تکلف جائز ہیں اور چونکہ واقف کو اپنے لئے کل منافع وقف کی شرط حیات تک ٹھہرا لینا بھی جائز ہے تو بعض منافع کی بدرجہ اولی جائز ہے۔

۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۲۰)

زمینداری کے حقوق کے جائز ہونے کی تفصیل

سوال (۴۰۵) ابواب وحقوق زمینداری وکاشتکار سے غلہ خرید کرتے ہیں وہ بازار کے نرخ سے ایک سیر زیادہ لیتے ہیں، اور اگر دانہ بندی کرکے اپنے حق کے غلہ کے ان سے دام لیتے ہیں وہ بازار کے نرخ سے ایک سیر کم کرکے ان سے قیمت لیتے ہیں، یا بابت کا چرائی بکرا لیا جاتا ہے، یا روغن زرد بذمہ کاشتکاران مقرر ہیں اور حقوق ہیں وہ جائز ہیں یا ناجائز ؟

الجواب: جو کچھ حقوق زمینداروں نے کاشتکاروں پر مقرر کر رکھے ہیں اگر علاوہ اجرت زمین کے ہیں مثلاً چرائی کا بکرا لیتے ہیں ان کے ممنوع ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ "قال اللّٰہ تعالی ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل (الایة) وقال رسول اللّٰه (صلی اللّٰه علیه وسلم) الناس شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار (الحدیث) وتحقیقه فی موضعه، اور اگر یہ حقوق اجرت زمین میں داخل ہیں تو اجرت کا معلوم ومتعین ہونا، اور وقت عقد تصریح کرنا ضرور ہے ولا یصح ای. (الاجرة) حتی تکون المنافع معلومة والاجرة معلومة۔ هدایة، پس ان حقوق میں سے جو غیر معین ہیں یا قابلیت اجرت ہونے کی نہیں رکھتے جیسے کاشتکار سے ایک سیر غلہ زیادہ لینا یا اپنا کم کرکے دینا وعلی هذا القیاس، یہ بھی جائز نہیں اگرچہ شرط کرلے، بلکہ شرط کرنے سے اجارہ بھی فاسد ہو جاوے گا اور جو حقوق متعین

ہوں مثلاً ہم روغن زرد اس قدر لیں گے، پس یہ حقوق اگر وقت عقد یعنی پٹہ لکھنے کے صراحۃً کہدے اور لکھ دے اور وہ راضی ہو جائے جائز ہیں" لقولہ تعالی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" ورنہ جائز نہیں، واللہ تعالی اعلم۔ (امداد ج ۳ ص ۷۳)

اگر کوئی لفافہ بیرنگ ہونے سے بچ جائے

سوال (۴۲۶) اگر کوئی لفافہ بیرنگ ہونے سے بچ جائے اور قانوناً وہ بیرنگ ہونا چاہئے تھا مثلاً اس پر ٹکٹ لگا ہوا نہیں تھا تو اس شخص کے ذمہ کا ٹکٹ تلف کرنا ہے یا ایک آنہ کا۔

الجواب: عقد اجارہ کاتب و مرسل کے ساتھ منعقد ہوا ہے، اجرت اس کے ذمہ واجب ہے نہ کہ مکتوب الیہ کے کہ اس کا ادا کرنا نیابۃً وتبرعاً ہوتا ہے اور اجارہ مختلفہ باختلاف شروط جائز ہے پس عدم تعجیل ادائے اجرت میں جو ایک آنہ مقرر ہے وہ بذمہ کاتب واجب ہے۔ ۲۵ شوال سنہ ۱۳۳۵ھ۔ (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۴۱۲)

جن لوگوں کو سرکاری کام کے لئے پاس ملا ہو اس سے ذاتی ضرورت کا سفر

سوال (۱۶۵) میں کوئلہ کی کان میں ملازم ہوں، اور یہ کان، جی آئی پی ریلوے کی ہے، کمپنی کی جانب سے مجھ کو سیکنڈ کلاس کا پاس ملا ہوا ہے جس کے ذریعہ سے میں ٹریولنگ کرتا رہتا ہوں، اب میرا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا ہے، عمر میری بیس سال ہے مجھ کو علاوہ ریل کے پاس کے کمپنی کی جانب سے جہاز میں سفر کرنے کی اجازت بلا ادائیگی محصول ہو سکتی ہے، اگر اس طریق سے حج کے لئے جاوے تو اس میں کچھ حرج تو نہیں ہے، اس کے بارے میں حضور فتویٰ دیں کہ ایسا حج قبول ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جہاز میں جو آپ کو سفر کی اجازت ہے تو اس میں آیا یہ قید بھی ہے کہ وہ سفر کمپنی کے کام کے لئے ہو یا آپ کے ذاتی کام کے لئے

بھی اجازت ہے، اول صورت میں جائز نہیں، دوسری صورت میں جائز ہے۔

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی ص ۲۰۱) (امداد الفتاوی ج ۴ ص ۱۴۲)

چند ٹکٹوں میں ایک کا سامان ریل میں لے جانا ناجائز ہے

سوال (۴۱۱) پرسوں جب فلاں صاحب یہاں سے جانے لگے تو انہوں نے بسلسلہ گفتگو مجھ سے یہ کہا کہ میرے ساتھ اسباب بہت زیادہ ہے، اگر یہاں سے وزن کرا کے جائے قیام تک لے جاتا تو بہت محصول دینا پڑتا مگر اب تو چھ سات آدمی اسی گاڑی سے میرے ساتھ سہارنپور جارہے ہیں، لہٰذا وہاں تک بلا محصول چلا جائے گا کیونکہ چھ سات ٹکٹ سے زائد کا اسباب نہیں ہے، سہارنپور سے البتہ تلوا کر لے جانا ہوگا، میں نے کہا کہ چھ سات آدمیوں سے کیا مطلب؟ اسباب تو تنہا آپ کے، انہوں نے کہا اس طرح لے جانا جائز ہے، مجھے کچھ علم تو ہے نہیں کہ آگے بڑھتا لہٰذا خاموش ہو گیا، مگر یہ بات جی کو لگی نہیں، نہ شرح صدر ہوا، چونکہ اس قسم کے واقعات اکثر لوگوں کو پیش آیا کرتے ہیں، اور ممکن ہے مجھ ہی کو پیش آ جائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: چونکہ یہ عقد اجارہ ہے اس لئے مالک کے جائز قانون کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ اب یہ امر قابل تحقیق رہ گیا کہ قانون کا حاصل کیا ہے سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون میں یہ قید تو نہیں ہے کہ وہ مال اسی مسافر کا ہو، اسی لئے اگر مسافر کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کسی دوست کا یا اس کے آقا کا سامان لے جارہا ہے تب بھی اس کو کوئی ذمہ دار منتظم نہ روکے گا، لیکن یہ قید ضرور معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسباب اس کی تحویل و سپردگی میں ہو، خلاصہ یہ کہ ملک شرط نہیں، مگر قبضہ و نگرانی شرط ہے، پس اس کا مقتضا یہ ہے کہ صرف معیت سفر کی اور ٹکٹوں کی مبتداء و منتہا کا اتحاد کافی نہیں، بلکہ اگر اسباب سب اس طرح تقسیم کر دیا کہ ہر شخص ایک ایک حصہ مثل اپنے سامان کے اپنی نگرانی میں لے کر سفر کرے تو یہ صورت جائز ہے اور اگر نگرانی مالک ہی کی رہی تو جائز نہیں، باقی کسی قانون داں سے اگر مزید تحقیق قانون کی کر لی جاوے تو ممکن

ہے کہ اس کا حاصل کچھ اس کے خلاف کو مقتضی ہو۔ واللہ اعلم

(۱۵ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۵ھ) (النور ربیع الاول سنہ ۱۳۵۷ص ۱۵)

زائد ٹکٹ کی قیمت وصول کرنا درست ہے

سوال (۳۹۵) دخانی جہاز میں ایک شخص سوار ہوا جو کسی کمپنی کا ہے (سرکار کا نہیں) ٹکٹ ماسٹر سے دو آدمیوں کا ٹکٹ مانگا کہ ایک شخص میرا رفیق ہے، وہ آتا ہے، دو ٹکٹ کی فیس (کرایہ) ادا کرنے کے بعد رفیق آیا، اس نے بھی بلا اطلاع اس کے اپنا ٹکٹ لیا، اس لئے ایک ٹکٹ دوہرا ہوگیا، ماسٹر سے کہا گیا کہ ایک ٹکٹ واپس لو کہ زیادہ ہوا، ماسٹر نے انکار کیا اور واپس نہیں لیا، اس لئے یہ شخص چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنا حق (ایک ٹکٹ زائد کا محصول) کمپنی سے وصول کرے، وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: کرسکتا ہے۔ (حوادث ۱/۲ص ۱۶۱)

زائد ٹکٹ کی قیمت وصول کرنے کی ایک صورت

سوال (۳۹۶) دوسرے شخص سے اسی جہاز میں بھول سے محصول نہیں لیا گیا تھا، وہ شخص بخوف مؤاخذہ آخرت چاہتا ہے، کہ ٹکٹ خرید کے جائے، اسی طرح سے مالک تک اس کا حق محصول پہنچ جائے، اس ماجرے کو مسئلہ اولی والے نے سنا اور کہنے لگا کہ بھائی وہ محصول مجھ کو دو کہ کمپنی پر میرا پانا ہے اور مسئلہ اولی کی تفصیل بیان کردی، اب یہ شخص پوچھتا ہے کہ یہ اپنے سوار ہونے کا محصول کمپنی تک نہ پہنچا کر اس مانگنے والے کو اگر دیدے بری الذمہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔ ۱۶ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ص ۱۶۲)

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا﴾

حقوق الاسلام

مصنفہ

مجدد الملت حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

ناشر

ادارہ اسلامیات

کراچی۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه الذی شرفنا فی کتابه بقوله: ﴿ان اللّٰه یامرکم ان تؤدو الأمانات الی اهلها واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل﴾ والصلوة والسلام علی رسوله سیدنا محمد الذی أیقظنا بقوله: "من کانت له مظلمة لأخیه من عرضه او ماله فلیتحلله منه الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درهم" أی یوم الفصل، وعلی آله أصحابه الذین وصلوا کل فرع الی الاصل۔

بعد حمد وصلوۃ! واضح ہو کہ نقلاً وعقلاً یہ امر ثابت ہے کہ ہم لوگوں سے کچھ حقوق کا مطالبہ کیا گیا ہے، جس میں بعض حقوق اللہ تعالیٰ کے ہیں اور بعض بندوں کے اور بندوں کے حقوق میں سے بعض دینی ہیں اور بعض دنیوی پھر دنیوی میں بعض حقوق اقارب کے ہیں، بعض اجانب کے، بعض حقوق خاص لوگوں کے ہیں بعض عام مسلمانوں کے، بعض اپنے سے بڑوں کے ہیں بعض چھوٹوں کے، بعض مساوی درجہ والوں کے وعلیٰ ہذا القیاس۔

اور بوجہ لاعلمی کے اکثر لوگوں کو بعض حقوق کی اطلاع بھی نہیں اور بعض کو بوجہ بدعملی ان کے ادا کرنے کا اہتمام نہیں، اس لئے دل نے چاہا کہ ایک مختصر تحریر اس باب میں جمع ہو جائے، تو امید فائدہ کی ہے، چونکہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''حقیقت الاسلام'' جس کا حوالہ احقر نے ''فروع الایمان'' میں دیا ہے، اس مضمون میں کافی ووافی تھا اس لئے اسی کا خلاصہ کر دینا کافی سمجھا گیا، البتہ بعض مضامین کہیں کہیں بضرورت بڑھائے گئے ہیں، اب اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اور اس کا نام ''حقوق الاسلام'' رکھتا ہوں اور اس میں چند فصلیں ہیں اور ہر ایک فصل میں ایک ایک حق کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق

سب سے اول بندہ کے ذمہ اللہ جل شانہ کا حق ہے، جس نے طرح طرح کی نعمتیں ایجاد وابقا[(۱)] کی عنایت فرمائیں، گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف لائے، ہدایت پر عمل کرنے کے صلہ میں طرح طرح کی نعمتوں کی امید دلائی، اللہ تعالیٰ کے حقوق بندوں کے ذمہ یہ ہیں (۱) ذات وصفات کے متعلق موافق قرآن وحدیث کے اپنا اعتقاد رکھے (۲) عقائد واعمال ومعاملات واخلاق میں جو ان کی مرضی کے موافق ہو اختیار کرے اور جو ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہو اس کو ترک کرے (۳) اللہ تعالیٰ کی رضا ومحبت کو سب کی رضا ومحبت پر مقدم رکھے (۴) جس سے محبت یا بغض رکھے یا کسی کے ساتھ احسان یا دریغ[(۲)] کرے سب اللہ کے واسطے کرے۔

پیغمبروں کے حقوق

چونکہ ذات وصفات ومرضیات ونامرضیاتِ الٰہی کی شناخت ہم لوگوں کو بتوسط حضرات انبیاء علیہم السلام کے ہوئی اور ان کے پاس ملائکہ وحی لائے، اس طرح بہت سے دنیوی منافع ومضار (منافع اور نقصانات) بذریعہ انبیاء علیہم السلام کے دریافت ہوئے اور بہت سے ملائکہ ہمارے فائدوں کے کاموں پر متعین ہیں اور باذن الٰہی ان کاموں کو انجام دے رہے ہیں، اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام وحضرات ملائکہ علیہم السلام کا حق حق تعالیٰ کے حق میں داخل ہوگیا، بالخصوص سرور عالم ﷺ کا احسان سب سے زائد ہم پر ہے، اس لئے آپ کا حق بھی سب سے زائد ہے۔

وہ چند حقوق یہ ہیں (۱) آپ ﷺ کی رسالت کا اعتقاد رکھے (۲) تمام احکام میں آپ کی اطاعت کرے (۳) آپ کی عظمت اور محبت کو دل میں جگہ دے (۴) اور آپ پر صلوٰۃ پڑھا کرے۔

---

(۱) پیدا کرنا اور باقی رکھنے کی ۱۲

(۲) ترک احسان ۱۲

حضرات ملائکہ علیہم السلام کے یہ حقوق ہیں (۱) ان کے وجود کا اعتقاد رکھے (۲) ان کو گناہوں سے پاک سمجھے (۳) جب ان کا نام آئے علیہ السلام کہے (۴) مسجد میں بدبودار[1] چیزیں کھا کر جانے سے یا مسجد میں ریح صادر کرنے سے ملائکہ کو ایذا ہوتی ہے، اس سے احتیاط کرے، اور بھی جن امور سے ملائکہ کو تکلیف وتنفر ہو ان سے احتراز لازم سمجھے، مثلاً تصویر رکھنا یا بلاضرورت شرعی کتا پالنا یا جھوٹ بولنا یا جنابت میں براہ سستی پڑا رہنا کہ نماز بھی برباد ہو جائے، بلاضرورت شرعی یا طبعی برہنہ ہونا گو خلوت میں ہو۔

صحابہؓ واہل بیتؓ کے حقوق

حضرات صحابہ واہل بیت ﷺ کو چونکہ حضور سرور عالم ﷺ کے ساتھ دینی اور دنیوی دونوں طرح کا تعلق ہے اس لئے آپ ﷺ کے حق میں ان حضرات کے حقوق بھی داخل ہو گئے ہیں، اور وہ یہ ہیں (۱) ان حضرات کی اطاعت کرے (۲) ان حضرات سے محبت کرے (۳) ان کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھے (۴) ان کے محبین[2] سے محبت اور مبغضین[3] سے بغض رکھے۔

علماء اور مشائخ کے حقوق

چونکہ علماء ظاہر و باطن میں سرور عالم ﷺ کے وارث اور مسند نشین ہیں، اس لئے ان حضرات کے حقوق بھی حضور ﷺ کے حق میں داخل ہیں وہ یہ ہیں (۱) فقہائے مجتہدین وعلمائے محدثین واساتذہ ومشائخ طریقت ومصنفین دینیات کے لئے دعائے خیر کرتا رہے، (۲) حسب قاعدہ شرعی ان کا اتباع کرے (۳) جو ان میں زندہ ہوں ان

(۱) جیسے کچا لہسن، پیاز مولی، پان، تمباکو وغیرہ اسی طرح مسجد میں مٹی کا تیل جلانے یا سلائی کھینچنے سے بھی بدبو پھیلتی ہے، اس سے بھی اجتناب کریں۔۱۲

(۲) محبت رکھنے والے۔۱۲

(۳) بغض وعداوت رکھنے والے۔۱۲

سے تعظیم ومحبت سے پیش آئے، ان سے بغض، مخالفت نہ کرے (۴) حسب وسعت وضرورت ان حضرات کی مالی خدمات بھی کرتا رہے۔

والدین کے حقوق

یہ حضرات مذکورین تو دینی نعمتوں میں واسطہ تھے، اس لئے ان کا حق لازم تھا، بعضے لوگ دنیوی نعمتوں کے ذرائع ہیں، ان کا حق شرعاً ثابت ہے، مثلاً ماں باپ کہ ایجاد اور پرورش ان کے توسط سے ہوتی ہے، ان کے حقوق یہ ہیں (۱) ان کو ایذا نہ پہنچائے اگر چہ ان کی طرف سے کوئی زیادتی ہو (۲) قولاً وفعلاً ان کی تعظیم کرے (۳) مشروع امور (جائز کاموں) میں ان کی اطاعت کرے (۴) اگر ان کو حاجت ہو مال سے ان کی خدمت کرے اگر چہ وہ دونوں کافر ہوں۔

ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے حقوق

(۱) ان کے لئے دعاء مغفرت ورحمت کرتا رہے، نوافل وصدقات مالیہ کا ثواب ان کو پہنچاتا رہے، (۲) ان کے ملنے والوں کے ساتھ رعایت مالی وخدمت بدنی وحسن اخلاق سے پیش آئے (۳) ان کے ذمہ جو قرضہ ہو اس کو ادا کرے (۴) گاہ گاہ ان کی قبر کی زیارت کرے۔

دادا، دادی، نانا، نانی کے حقوق

دادا، دادی، نانا، نانی کا حکم شرعاً مثل ماں باپ کے ہے، پس ان کے حقوق بھی مثل ماں باپ کے سمجھنا چاہئے، اس طرح خالہ اور ماموں مثل ماں کے اور چچا اور پھوپھی مثل باپ کے ہیں، حدیث (۱) میں اس طرح اشارہ آیا ہے۔

اولاد کے حقوق

جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں، اسی طرح ماں باپ پر اولاد کے

---

(۱) هل لك من خالة ۱۲۔ لو اعطيتها اخوالك، ان عم الرجل صنو ابيه ۱۲۔

حقوق ہیں ، وہ یہ ہیں (۱) نیک بخت عورت سے نکاح کرنا تا کہ اولاد اچھی پیدا ہو (۲) بچپن میں محبت کے ساتھ ان کی پرورش کرنا کہ اولاد کو پیار کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے، بالخصوص لڑکیوں سے دل تنگ نہ ہونا، ان کی پرورش کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، اگر انا کا دودھ پلانا پڑے، تو خلیق (با اخلاق) اور دیندار تلاش کرنا کہ دودھ کا اثر بچہ کے اخلاق میں آتا ہے، (۳) ان کو علم دین وآداب سکھلانا (۴) جب نکاح کے قابل ہوان کا نکاح کردینا، اگر لڑکی کا شوہر مرجائے تو نکاح ثانی ہونے تک اس کو اپنے گھر آرام سے رکھنا، اس کے مصارف ضروریہ کا برداشت کرنا۔

دودھ پلانے والی انا کے حقوق

انا بھی بوجہ دودھ پلانے کے مثل ماں کے ہے، اس کے حقوق بھی وارد ہیں، وہ یہ ہیں (۱) اس کے ساتھ ادب وحرمت سے پیش آنا (۲) اگر اس کو مالی حاجت ہو اور خود کو وسعت ہو تو اس سے دریغ نہ کرنا (۳) اگر میسر ہو تو ایک غلام یا لونڈی خرید کر کے اس کو خدمت کے لئے دینا (۴) اس کا شوہر چونکہ اس کا مخدوم ہے اور یہ اس کی مخدومہ ہے تو اس کے شوہر کو مخدوم المخدوم سمجھ کر اس کے ساتھ بھی احسان کرنا۔

سوتیلی ماں کے حقوق

سوتیلی ماں چونکہ باپ کے قرین ہے اور باپ کے دوست کے ساتھ احسان کرنے کا حکم آیا ہے، اس لئے سوتیلی ماں کے بھی کچھ حقوق ہیں ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے تحت جو ذکر ہوا وہ کافی ہے۔

بہن بھائی کے حقوق

حدیث میں ہے کہ بڑا بھائی مثل باپ کے ہے، اس سے لازم آیا کہ چھوٹا بھائی مثل اولاد کے ہے، پس ان میں باہمی حقوق ویسے ہی ہوں گے جیسے مابین والدین واولاد کے ہیں، اسی پر بڑی بہن اور چھوٹی بہن کو قیاس کر لینا چاہئے۔

رشتہ داروں کے حقوق

اسی طرح باقی قرابتداروں کے بھی حقوق آئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے (۱) اپنے محارم اگر محتاج ہوں اور کھانے کمانے کی کوئی قدرت نہ رکھتے ہوں تو بقدر کفالت ان کے نان ونفقہ کی خبر گیری مثل اولاد کے واجب ہے، اور غیر محارم کا نان ونفقہ اس طرح تو واجب نہیں لیکن کچھ خدمت کرنا ضروری ہے (۲) گاہ بگاہ ان سے ملتا رہے (۳) ان سے قطع قرابت نہ کرے، بلکہ اگر کسی قدر ان سے ایذا بھی پہنچے تو صبر افضل ہے (۴) اگر کوئی قریب محرم اس کی ملک میں آجائے تو فوراً آزاد ہو جاتا ہے۔

استاد اور پیر کے حقوق

استاد اور پیر چونکہ باعتبار تربیت باطنی کے مثل باپ کے ہیں، اس لئے ان کی اولاد یا اقارب سے ایسا ہی معاملہ کرنا چاہئے، جس طرح اپنے ماں باپ یا اقارب کے ساتھ "لا اسئلکم علیہ اجرا الا المؤدۃ فی القربی" کی یہ بھی ایک تفسیر ہے، اس مقام سے حضرات سادات کرام کا اکرام واحترام بھی معلوم کرنا چاہئے، اور چونکہ شاگرد مرید مثل اولاد کے ہیں تو اپنے استاد کا شاگرد یا اپنے پیر کا مرید بمنزلہ اولاد اپنے باپ کے ہوا پس اس کے حقوق مثل بھائی کے سمجھے قرآن مجید میں "والصاحب بالجنب" جو آیا ہے اس میں بھی داخل ہے۔

شاگرد اور مرید کے حقوق

چونکہ شاگرد و مرید بمنزلہ اولاد کے ہے، شفقت و دلسوزی میں، ان کا حق مثل حق اولاد کے ہے۔

زوجین کے حقوق

حقوق زوجین میں شوہر کے ذمہ یہ ہیں (۱) اپنی وسعت کے موافق اس کے نان ونفقہ میں دریغ نہ کرے (۲) ان کو مسائل دینیہ سکھلاتا رہے، اور عمل نیک کی تاکید

کرتا رہے (۳) اس کے محارم اقارب سے گاہ بگاہ اس کو ملنے دے، اس کی کم فہمیوں پر اکثر صبر وسکوت کرے، اگر احیاناً ضرورت تادیب کی ہو تو توسط کا لحاظ رکھے، اور زوجہ کے ذمہ یہ حقوق ہیں، (۱) اس کی اطاعت اور ادب وخدمت و دلجوئی ورضا جوئی پورے طور سے بجالائے البتہ غیر مشروع امر (غیر شرعی کام) میں عذر کردے (۲) اس کی گنجائش سے زیادہ اس پر فرمائش نہ کرے (۳) اس کا مال بلا اجازت خرچ نہ کرے (۴) اس کے اقارب سے سختی نہ کرے جس سے شوہر کو رنج پہنچے، بالخصوص شوہر کے ماں باپ کو اپنا مخدوم سمجھ کر ادب وتعظیم سے پیش آئے۔

حاکم ومحکوم کے حقوق

حاکم ومحکوم کے حقوق میں حاکم میں بادشاہ ونائب بادشاہ اور آقا وغیرہ اور محکوم رعیت ونوکر وغیرہ سب داخل ہیں، اور جہاں مالک ومملوک ہو وہ بھی داخل ہوجائیں گے، حاکم کے ذمہ یہ حقوق ہیں (۱) محکوم پر دشوار احکام نہ جاری کرے (۲) اگر باہم محکومین میں کوئی منازعت ہو جائے عدل کی رعایت کرے، کسی جانب میلان نہ کرے (۳) ہر طرح ان کی حفاظت وآرام رسانی کی فکر میں رہے، دادخواہوں کو اپنے پاس پہنچنے کے لئے آسان طریقہ مقرر کرے (۴) اگر اپنی شان میں اس سے کوئی کوتاہی یا خطا ہو جائے، کثرت سے معاف کردیا کرے۔

اور محکوم کے ذمہ یہ حقوق ہیں (۱) حاکم کی خیر خواہی واطاعت کرے، البتہ خلاف شرع امر میں اطاعت نہیں (۲) اگر حاکم سے کوئی امر خلاف طبع پیش آئے صبر کرے، شکایت وبددعا نہ کرے، البتہ اس کے نرم مزاجی کے لئے دعا کرے اور خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اہتمام کرے تاکہ اللہ تعالیٰ حکام کے دل کو نرم کردیں ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے (۳) اگر حاکم سے آرام پہنچے اس کے ساتھ احسان کی شکر گزاری کرے (۴) براہ نفسانیت اس سے سرکشی نہ کرے، اور جہاں غلام پائے جاتے ہوں، غلاموں کا نان ونفقہ بھی واجب ہے، اور غلام کو اس کی خدمت چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے،

باقی محکومین آزاد ہیں، دائرہ حکومت میں رہنے تک حقوق ہوں گے اور خارج ہونے کے بعد ہر وقت مختار ہے۔

سسرالی عزیزوں کے حقوق

قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے نسب کے ساتھ علاقہ مصاہرۃ کا بھی ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ساس اور سسر اور سالے اور بہنوئی اور داماد اور بہو اور ربیب یعنی بیوی کی پہلی اولاد کا بھی کسی قدر حق ہوتا ہے، اس لئے ان تعلقات میں بھی رعایت احسان واخلاق کی کسی قدر خصوصیت کے ساتھ رکھنا چاہئے۔

عام مسلمانوں کے حقوق

علاوہ اہل قرابت کے اجنبی مسلمانوں کے بھی کچھ حقوق ہیں، اصبہانی نے ''ترغیب وترہیب'' میں بروایت حضرت علی ﷺ یہ حقوق نقل کئے ہیں (۱) بھائی مسلمان کی لغزش کو معاف کرے (۲) اس کے رونے پر رحم کرے (۳) اس کے عیب کو ڈھانکے (۴) اس کے عذر کو قبول کرے (۵) اس کی تکلیف کو دور کرے (۶) ہمیشہ اس کی خیر خواہی کرتا رہے (۷) اس کی حفاظت ومحبت کرے (۸) اس کے ذمہ کی رعایت کرے (۹) بیمار ہوتو عیادت کرے (۱۰) مرجائے تو جنازے میں حاضر ہو (۱۱) اس کی دعوت قبول کرے (۱۲) اس کا ہدیہ قبول کرے (۱۳) اس کے احسان کی مکافات کرے (۱۴) اس کی نعمت کا شکریہ ادا کرے (۱۵) موقع پر اس کی نصرت کرے (۱۶) اس کے اہل وعیال کی حفاظت کرے (۱۷) اس کی حاجت روائی کرے (۱۸) اس کی درخواست کو سنے (۱۹) اس کی سفارش قبول کرے (۲۰) اس کی مراد سے ناامید نہ کرے (۲۱) وہ چھینک کر الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے (۲۲) اس کی گمشدہ چیز کو اس کے پاس پہنچادے (۲۳) اس کے سلام کا جواب دے (۲۴) نرمی وخوش خلقی کے ساتھ اس سے گفتگو کرے (۲۵) اس کے ساتھ احسان کرے (۲۶) اگر وہ اس کے بھروسہ پر قسم کھا بیٹھے تو اس کو پورا کردے (۲۷) اگر اس پر کوئی ظلم کرتا ہو اس کی مدد

کرے اگر اس پر کوئی ظلم کرتا ہے تو روک دے (۲۸) اس کے ساتھ محبت کرے، دشمنی نہ کرے (۲۹) اس کو رسوا نہ کرے (۳۰) جو بات اپنے لئے پسند کرے اس کے لئے بھی پسند کرے۔

اور دوسری احادیث میں یہ حقوق زیادہ ہیں، (۳۱) ملاقات کے وقت اس کو سلام کرے اور مصافحہ بھی کرے تو اور بہتر ہے (۳۲) اگر باہم اتفاقاً کچھ رنج ہو جائے تین روز سے زیادہ ترک کلام نہ کرے (۳۳) اس پر بدگمانی نہ کرے (۳۴) اس پر حسد وبغض نہ کرے (۳۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر بقدر امکان کرے (۳۶) چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر کرے (۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہو جائے تو ان میں باہم صلاح کرا دے (۳۸) اس کی غیبت نہ کرے (۳۹) اس کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچائے نہ مال میں نہ آبرو میں (۴۰) اگر سواری پر سوار نہ ہو سکے یا اس پر اسباب نہ لاد سکے تو اس کو سہارا لگا دے (۴۱) اس کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے (۴۲) تیسرے کو تنہا چھوڑ کر دو آدمی باتیں نہ کریں۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ جن لوگوں کے حقوق اوپر مذکور ہو چکے ہیں وہ حقوق خاص ہیں اور ان حقوق عام میں وہ بھی شریک ہیں۔

ہمسایہ کے حقوق

اور جن میں علاوہ اس کے اور بھی کوئی صفت ہو اس کے حقوق اور زائد ہو جاتے ہیں مثلاً ہمسایہ کہ اس کے حقوق یہ ہیں (۱) اس کے ساتھ احسان اور مراعات سے پیش آئے (۲) اس کے اہل وعیال کی حفظ آبرو کرے (۳) وقتاً فوقتاً اس کے گھر ہدیہ وغیرہ بھیجتا رہے، بالخصوص جب وہ فاقہ زدہ ہو تو ضرور تھوڑا بہت کھانا اس کو دے (۴) اس کو تکلیف نہ دے اور خفیف خفیف امور میں اس سے نہ الجھے، اس کی رفع تکلیف کے واسطے شریعت نے اس کے لئے حق شفعہ ثابت کیا ہے، علماء نے کہا ہے کہ جیسے حضر میں ہمسایہ ہوتا ہے اس طرح سفر میں یعنی رفیق سفر جو گھر سے ساتھ ہوا ہو یا راہ میں اتفاقاً اس کی معیت ہو گئی ہو، حدیث میں ایک کو جار مقام اور دوسرے کو جار بادیہ

فرمایا ہے، اس کا حق بھی مثل ہمسایہ حضر کے ہے اس کے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم رکھے، بعض لوگ سفر ریل میں مسافروں کے ساتھ بہت کشمکش کرتے ہیں، یہ بہت بری بات ہے۔

یتیموں، ضعیفوں کے حقوق

اسی طرح جو دوسروں کا دست نگر ہو، جیسے یتیم و بیوہ یا عاجز وضعیف یا مسکین و بیمار و معذور یا مسافر یا سائل، ان لوگوں کے یہ حقوق زائد ہیں (۱) ان لوگوں کی مالی خدمت کرنا (۲) ان لوگوں کا کام اپنے ہاتھ پاؤں سے کرنا (۳) ان لوگوں کی دلجوئی وتسلی کرنا (۴) ان کے حاجت وسوال کو رد نہ کرنا۔

مہمان کے حقوق

اسی طرح مہمان کہ اس کے یہ حقوق ہیں (۱) آمد کے وقت بشاشت ظاہر کرنا، جاتے وقت کم از کم دروازہ تک مشایعت کرنا (۲) اس کی معمولات وضروریات کا انتظام کہ جس سے اس کو راحت پہنچے (۳) تواضع وتکریم ومدارات کے ساتھ پیش آنا، بلکہ اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرنا (۴) کم از کم ایک روز اس کے لئے کھانے میں کسی قدر متوسط درجہ کا تکلف کرنا مگر اتنا ہی کہ جس میں اپنے کو تردد ہو نہ اس کو حجاب ہو، اور کم از کم تین روز تک اس کی مہمانداری کرنا، اتنا تو اس کا ضروری حق ہے، اس کے بعد جس قدر وہ ٹھہرے میزبان کی طرف سے احسان ہے، مگر خود مہمان کو مناسب ہے کہ اس کو تنگ نہ کرے، نہ زیادہ ٹھہر کر، نہ بے جا فرمائشیں کر کے، نہ اس کی تجویز طعام ونشست وخدمت وغیرہ میں دخل دے۔

دوستوں کے حقوق

اسی طرح جس سے خصوصیت کے ساتھ دوستی ہو قرآن مجید میں اس کو اقارب ومحارم کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اس کے یہ آداب وحقوق ہیں (۱) جس سے دوستی کرنا ہو

اول اس کے عقائد واعمال ومعاملات واخلاق خوب دیکھ بھال لے، اگر سب امور میں اس کو مستقیم وصالح پائے اس سے دوستی کرے ورنہ دور رہے، صحبت بد سے بچنے کی بہت تاکید آئی ہے اور مشاہدہ سے بھی اس کا ضرر محسوس ہوتا ہے، جب کوئی ایسا ہم جنس، ہم مشرب میسر ہو اس سے دوستی کا مضائقہ نہیں، بلکہ دنیا میں سب سے بڑھ کر راحت کی چیز دوستی ہے (۲) اپنی جان ومال سے کبھی اس کے ساتھ دریغ نہ کرے (۳) کوئی امر خلاف مزاج اس سے پیش آجائے اس سے چشم پوشی کرے، اگر اتفاقاً شکر رنجی ہو جائے فوراً صفائی کر لے اس کو طول نہ دے، دوستوں کی شکایت حکایت کبھی لطف سے خالی نہیں، مگر اس کو لے کر نہ بیٹھ جائے (۴) اس کی خیر خواہی میں کسی طرح کوتاہی نہ کرے نیک مشورہ سے کبھی دریغ نہ کرے، اس کے مشورہ کو نیک نیتی سے سنے، اور اگر قابل عمل ہو قبول کرے۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں جس طرح متبنی (منہ بولا بیٹا) بنانے کی رسم ہے کہ اس کو بالکل تمام احکام میں مثل اولاد کے سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اثر تبنیت کا دوستی کے اثر سے زائد نہیں، چونکہ اس کے ساتھ قصداً خصوصیت پیدا کی ہے اس لئے دوستی کے ضابطہ میں اس کو داخل کر سکتے ہیں، باقی میراث وغیرہ اس کو کچھ نہیں مل سکتی، کیونکہ میراث اضطراری امر ہے، اختیاری نہیں کہ جس کو چاہا میراث دلوادی، جس کو چاہا محروم کر دیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں جو رسم عاق کرنے کی ہے، یعنی کسی اولاد کی نسبت کہہ مرتے ہیں کہ اس کو میراث نہ دی جائے شرعاً محض باطل ہے جیسا اوپر معلوم ہوا کہ میراث اضطراری امر ہے اختیاری نہیں۔

غیر مسلموں کے حقوق

جس طرح مشارکت قرابت یا اسلام سے بہت سے حقوق ثابت ہوتے ہیں، بعضے حقوق محض مشارکت نوعی کی وجہ سے ثابت ہو جاتے ہیں، یعنی صرف آدمی ہونے کی وجہ سے ان کی رعایت واجب ہوتی ہے، گو مسلمان نہ ہو وہ یہ ہیں (۱) بے گناہ کسی کو جانی

یا مالی تکلیف نہ دیں (۲) بے وجہ شرعی کسی کے ساتھ بدزبانی نہ کرے (۳) اگر کسی کو مصیبت فاقہ ومرض میں دیکھے اس کی مدد کرے، کھانا پانی دیدے، علاج معالجہ کردے (۴) جس صورت میں شریعت نے سزا کی اجازت دی ہے، اس میں بھی ظلم وزیادتی نہ کرے، اس کو ترساوے نہیں۔

جانوروں کے حقوق

اسی طرح مشارکت جنسی سے بھی جن کی رعایت لازم ہے وہ یہ ہیں (۱) جس جانور سے کوئی معتد بہ غرض متعلق نہ ہو اس کو قید نہ کرے، بالخصوص بچوں کو آشیانہ سے نکال لانا اور ان کے ماں باپ کو پریشان کرنا بڑی بے رحمی ہے (۲) جو جانور قابل انتفاع نہیں ان کو بھی محض مشغلے کے طور پر قتل نہ کرے، اس میں شکاری لوگ بہت مبتلا ہیں (۳) جو جانور اپنے کام میں ہیں ان کے خورد ونوش راحت رسانی وخدمت کا پورے طور سے اہتمام کرے، ان کی قوت سے زیادہ ان سے کام نہ لے، ان کو حد سے زیادہ نہ مارے (۴) جن جانوروں کو ذبح کرنا ہو یا بوجہ موذی ہونے کے قتل کرنا ہو تیز اوزار سے جلدی کام تمام کردے، اس کو تڑپائے نہیں، بھوکا پیاسا رکھ کر جان نہ لے۔

خود اپنے پر عائد کردہ حقوق

یہ حقوق مذکورہ تو وہ تھے جو ابتداً اس کے ذمہ لازم ہیں، اور بعضے وہ حقوق ہیں جو انسان خود اپنے اختیار سے اپنے ذمہ کرلیتا ہے، ان میں بعض حقوق اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ تین قسم ہیں۔

قسم اول

وہ حق جس کا سبب طاعت ہے وہ نذر ہے، سو اگر عبادت مقصودہ کی نذر ہو تو اس کا ایفاء فرض وواجب ہے، اور اگر عبادت غیر مقصودہ کی ہو تو ایفاء مستحب ہے، اور اگر مباح کی ہو تو لغو ہے، اگر معصیت کی ہو تو ایفاء حرام ہے، اور غیر اللہ کی نذر ماننا قریب

شرک کے ہے۔

قسم دوم

جس کا سبب امر مباح ہے، جیسے کفارۂ یمین مباح اور قضائے رمضان مسافر ومریض کے لئے یہ حقوق واجب الادا ہیں۔

قسم سوم

جس کا سبب معصیت ہے، جیسے حدود اور کفارات جو بلا عذر شرعی روزہ افطار کرنے سے یا قتل خطا یا ظہار سے واجب ہوتے ہوں، یہ حقوق بھی واجب الادا ہیں اور جن حقوق کا سبب اختیاری ہے۔ بعض ان میں حقوق العباد ہیں وہ مثل تقسیم مذکور تین قسم ہیں۔

قسم اول

جس کا سبب اطاعت ہو وہ وعدہ کا پورا کرنا ہے یہ ضروری ہے، اس میں کوتاہی کرنا علامت نفاق کی فرمائی گئی۔

قسم دوم

جس کا سبب امر مباح ہو وہ دین ہے اور جو مثل دین کے ہو جس طرح مبیع کا تسلیم (فروخت شدہ چیز سپرد کرنا) کرنا، منکوحہ کا اپنے نفس کو سپرد کرنا اور شفیع کو جائداد مطلوبہ دیدینا، قیمت ادا کرنا، مہر ادا کرنا، مزدوری دینا، عاریت اور امانت واپس کرنا یہ سب واجب ہیں۔

قسم سوم

جس کا سبب معصیت ہو جیسے کسی کو قتل کر دینا، کسی کا مال چھین لینا یا چرالینا یا خیانت کرنا یا کسی کی آبروریزی کرنا سخت زبانی سے یا غیبت سے ان امور کا تدارک اور معاف کرانا فرض ہے ورنہ آخرت میں اس کے بدلہ عبادت دینی ہوگی یا سزا جھیلنی

پڑے گی۔

خاتمہ

جوحقوق ان کے ذمہ ہوں اگر وہ حقوق اللہ ہیں سواگر عبادت سے ہیں تو ان کو ادا کرے، مثلاً اس کے ذمہ نمازیں یا کچھ روزے یا زکوٰۃ وغیرہ رہ گئی ہو تو ان کو حساب کر کے پورا کرے، اور بہ صورت عدم گنجائش وقت یا مال ان کے ادا کرنے کا ارادہ دل میں رکھے، جب وسعت ہو اس وقت کوتاہی نہ کرے، اور اگر معاصی میں سے ہیں ان سے توبہ صادق کرے، انشاء اللہ تعالیٰ سب معاف ہو جائیگا، اور اگر وہ حقوق العباد ہیں جو ادا کرنے کے قابل ہوں ادا کرے یا معاف کرائے، مثلاً قرض یا خیانت وغیرہ اور جو صرف معاف کرانے کے قابل ہوں ان کو فقط معاف کرالے، مثلاً غیبت وغیرہ اور اگر کسی وجہ سے اہل حقوق سے نہ معاف کراسکتا ہے، نہ ادا کرسکتا ہے تو ان لوگوں کے لئے ہمیشہ استغفار کرتا رہے، عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ان لوگوں کو رضا مند کر کے معاف کرادیں، مگر جب قدرت ایفاء یا استغفار کی ہو اس وقت اس میں دریغ نہ کرے اور جو حقوق خود اوروں کے ذمہ رہ گئے ہوں، جن سے امید وصول کی ہو بہ نرمی ان سے وصول کرے اور جن سے امید نہ ہو یا وہ قابل وصول نہ ہوں جیسے غیبت وغیرہ سو اگرچہ قیامت میں ان کے عوض حسنات ملنے کی توقع ہے، مگر معاف کردینے میں اور زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے، اس لئے بالکل معاف کردینا بالکل بہتر ہے۔

ضمیمہ رسالہ حقوق الاسلام جو اس کا مصداق ہے ؎

انہیں کے نذر کروں تحفۂ یہ گلدستہ
یہ میں نے جن کے گلستان سے کی ہے گل چینی

حقوق الرسول ﷺ کی دو اقسام

حاصل یہ ہے کہ حقوق الرسول کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ حق جو خود ذات رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے جیسے کوئی رسول اللہ ﷺ کے مال کی چوری کرلے یا ان

کوکوئی اذیت پہنچائے، دوسرے وہ کہ انہوں نے جو احکام الٰہی تعلیم فرمائے ہیں ان کی مخالفت کرے، قسم اخیر کو حق رسول اللہ کہنا مجازاً ہوگا، اس لئے کہ وہ احکام خود رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے نہیں ہاں بتائے ہوئے ہیں، شارع تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں اور پہلی قسم حقیقۃً حق رسول اللہ ﷺ ہے، پس صحابہ کی کوتاہی قسم ثانی سے ہے، جو حقیقۃً اللہ تعالیٰ کا حق اور مجازاً رسول اللہ ﷺ کا حق ہے تو اس کوتاہی کو اللہ تعالیٰ خود معاف کر سکتے ہیں چنانچہ کر بھی دیا، چنانچہ ارشاد ہے "ولقد عفا اللّٰہ عنھم" لیکن کیا انتہا ہے حضور ﷺ کی محبوبیت کا کہ آپ سے بھی فرمائش ہے کہ ہم نے تو معاف فرمادیا آپ بھی معاف فرمادیں، اگر کوئی کہے جبکہ وہ کوتاہی محض حق اللہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف بھی کردیا تو پھر حضور ﷺ سے معاف کرانے کے کیا معنی اور وہ کون سی چیز باقی رہ گئی جس سے حضور ﷺ کی معافی متعلق ہوگی؟ بات یہ ہے، کہ ایک تو توبہ ہے، دوسرے تکمیل توبہ، تو حق تعالیٰ کے معاف فرمانے سے توبہ تو متحقق ہوگئی لیکن تکمیل اس توبہ کی حضور ﷺ کے معاف کرنے سے ہوگی۔ (التوکل ملحقہ تدبیر توکل ص ۸۳)

ماں باپ کا حق

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا والد کے راضی ہونے میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشی[1] والد کی ناخوشی میں ہے روایت کیا اس کو ترمذی نے:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑھ کر عمل کون سا ہے؟ فرمایا نماز پڑھنا اپنے وقت پر، انہوں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ آپ ﷺ نے فرمایا ماں باپ کی خدمت کرنا، انہوں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ آپ ﷺ نے فرمایا جہاد کرنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں، روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔

ف: – اور بہت سی آیات واحادیث اس باب میں وارد ہیں آجکل اس میں

(۱) فرائض وواجبات کے بعد گناہ کبیرہ سے بچنے کے بعد رضا ناراضی میں ہے۔

بہت کوتاہیاں کی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ صحیح [1] سمجھ اور نیک توفیق عطا فرمائیں۔

(فروع الایمان، ص: ۱۳۱)

باپ کا حق پیر سے مقدم ہے

فرمایا میری یہی تحقیق ہے کہ حقوق کے لحاظ سے باپ کا حق مقدم ہے اور اطاعت میں پیر کا بھی۔ (الافاضات الیومیہ جلد نمبر ۱۰، ص: ۳۹)

کسی امر جائز میں تعارض امر والدین میں کس کی اطاعت کرے

سوال: - کسی امر جائز کے لئے لڑکے کو باپ منع کررہا ہے اور ماں کرنے کا حکم دے رہی ہے یا بالعکس؟ تو یہ کس کے حکم کی تعمیل کرے؟

الجواب: - چونکہ عورت شرعاً خود محکوم شوہر کی ہے اس کا حکم کرنا خلاف شوہر کے خود معصیت ہے اور معصیت میں اطاعت ہے نہیں لہٰذا ماں کا کہنا نہ مانے۔

۱۹ رجب سنہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۲۰۴) (امداد الفتاوی جلد چہارم، ص: ۳۷۰)

بیوی کے حقوق

خصوصیات محل وغیرہ سے حقوق بڑھ جاتے ہیں اور خصوص ان انسانوں کے حقوق بہت زیادہ ہیں جو کسی سے کچھ نہ کہہ سکیں، وہ کون ہیں؟ وہ بیویاں ہیں، یہ بیچاری عموماً ایسی بے کس اور بے بس ہوتی ہے کہ کسی سے کچھ شکایت کر ہی نہیں سکتیں، اور اگر کسی کے باپ ماں زندہ بھی ہوں جب بھی شریف عورتیں اپنے خاوند کی شکایت کسی سے نہیں کرتیں، پھر مردوں کی یہ حالت ہے کہ اپنی بیوی کے سوا اور جگہ ان کی نظر اٹھ جاتی ہے اور بعضے ایسی ایسی جگہ پھنس جاتے ہیں مگر ہندوستان کی عورتیں عموماً اپنے شوہروں کی

---

(۱) انسان کو جو کچھ کمال، مال، عزت حاصل ہے وہ اس کے موجود ہو جانے پر ہے اور ماں باپ ہی دنیا میں موجود ہونے کا ذریعہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو واسطہ اور ذریعہ بنایا ہے، اس لئے تمام بھلائیوں کا یہی ذریعہ ہوئے، سب سے زیادہ انہی کا حق ہے۔

عاشق ہوتی ہیں گو شوہر کیا ہی ہو، ہم نے دیکھا ہے کہ بعض مرد بدصورت بھی ہوتے ہیں مگر ان کی بیویاں بجز شوہر کے کسی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتیں۔

واقعی ہندوستان کی عورتیں تو اس صفت میں حوریں ہیں حق تعالیٰ نے حوروں کی تعریف میں جہاں حسن و جمال کو بیان فرمایا ہے وہاں قاصرات الطرف بھی فرمایا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو شوہر ہی پر منحصر کرنے والی ہوں گی، کسی غیر پر نظر نہ ڈالیں گی، واقعی ہندوستان کی عورتیں تو اس صفت میں تمام ممالک کی عورتوں سے ممتاز ہیں یہ تو نکاح کر کے شوہر کے ساتھ ایسی وابستہ ہو جاتی ہیں کہ اپنے باپ ماں کو بھی بعض دفعہ چھوڑ دیتی ہیں چنانچہ اگر اس کے باپ ماں یا اور کسی عزیز کے ساتھ کبھی شوہر کی ان بن ہو جائے تو عورت عموماً شوہر کا ساتھ دیتی ہے باپ ماں کا ساتھ نہیں دیتی، مگر اس پر بھی بعض مرد ان پر بہت زیادتی کرتے ہیں باوجود کہ وہ ان پر ایسی فدا ہیں مگر بعض لوگ ان کے ساتھ جوتے ہی سے بات کرتے ہیں، باندی اور غلام سے بھی ان کی اوقات بدتر رکھتے ہیں۔

بعضے ایسے بے مروت ہیں کہ ان کی آمدنی ہزاروں کی ہے، مگر بیوی کو دس ہی روپیہ کا روزینہ دیتے ہیں اور بعض تو کھانے کپڑے کی بھی خبر نہیں لیتے، نہ ہوا عرب یا بعض ہندوستانی ریاستیں، کہ وہاں عورت فوراً قاضی کے یہاں جا کر نالش کر دیتی ہے، اب یا تو قاضی کی تجویز کے موافق نان ونفقہ دینا پڑتا ہے، ورنہ جبراً طلاق دلوائی جاتی ہے جس کے بعد فوراً عورت کی طرف سے مہر کی نالش ہو جاتی ہے اور بعض ممالک میں مہر نکاح کے وقت ہی پیشگی دھروا لیتے ہیں یہ بے چاری ہندوستان کی ہی عورتیں ہیں جو مہر بھی معاف کر دیتی ہیں اور عمر بھر نان ونفقہ کی تکلیف بھی سہتی ہے، خیر کسی کے پاس ہو ہی نہیں تو اس کی شکایت نہیں اس صورت میں تو عورتیں خود محنت مزدوری کر کے شوہر کو بھی کھلاتی ہیں لیکن جس کو خدا تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہو وہ بیوی کو تنگ کرے یہ نہایت بے غیرتی اور بے حمیتی ہے، سعدی فرماتے ہیں:

بہ بیں آں بے حمیت را کہ ہرگز

نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را
زن وفرزند بگزارد بسختی

حالانکہ عورتوں کا ایک حق تو اس واسطے ہے کہ وہ بے کس وبے بس ہیں دوسرے اس واسطے بھی حق ہے کہ وہ تمہاری دوست ہیں اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ دوستی کی وجہ سے حق بڑھ جاتا ہے پھر وہ تمہارے دین کی محافظ بھی ہے اس لئے صوفیاء نے تقلیل وقاع (ہمبستری کم کرنے کو) کومجاہدہ میں داخل نہیں کیا۔

(خیر الارشاد فی حقوق العباد ملحقہ مواعظ حقوق وفرائض، ص: ۲۵۶ تا ۲۵۸)

بیوی اور اولاد کے نفقہ میں فرق

اولاد اگر خود مالدار ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں مگر بیوی کا نفقہ ہر حال میں خاوند کے ذمہ فرض ہے۔ (الافاضات الیومیہ، ج: ۳، ص: ۱۱۶)

مرض الموت میں بی بی کا شوہر کو حق مہر معاف کرنا معتبر نہیں

بی بی اگر مرض الموت میں اپنا مہر معاف کر دے تو معتبر نہیں وجہ یہ ہے کہ یہ وصیت ہے اور وصیت وارث کے لئے ناجائز ہے اور خاوند وارث ہے اس لئے اس کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی۔ (حسن العزیز، ج: ۴، ص: ۲۰)

زوجہ کے حقوق

خاوند پر بیوی کے یہ حق ہیں: (۱) حسن خلق (۲) برداشت کرنا ایذا کا مگر باعتدال (۳) اعتدال کرنا غیرت میں یعنی نہ بدگمانی کرے نہ بالکل غافل ہو جائے۔ (۴) اعتدال خرچ میں یعنی نہ تنگی کرے اور نہ فضول خرچی کی اجازت دے (۵) احکام حیض وغیرہ کے سیکھ کر اس کو سکھلانا اور نماز اور دین کی تاکید رکھنا اور بدعات ومنہیات سے اس کو منع کرنا (۶) اگر کئی عورتیں ہوں تو ان کو حقوق میں برابر رکھنا (۷) بقدر

حاجت اس سے وطی کرنا (۸) بدوں اجازت عزل نہ کرنا (۹) بدوں ضرورت طلاق نہ دینا (۱۰) بقدر کفایت رہنے کو گھر دینا (۱۱) اس کے محارم واقارب سے اس کو ملنے دینا (۱۲) راز ظاہر نہ کرنا جماع وغیرہ کا (۱۳) حد سے زیادہ نہ مارنا۔

(امداد الفتاوی مبوب جلد۲،ص: ۱۸۵)

شوہر کے حقوق

بیوی پر خاوند کے یہ حق ہے: (۱) ہر امر میں اس کی اطاعت کرنا بشرطیکہ معصیت نہ ہو (۲) اس کے مقدور سے زیادہ نان ونفقہ طلب نہ کرنا (۳) بدوں اجازت شوہر کے کسی کو گھر میں آنے نہ دینا (۴) بدوں اس کی اجازت کے گھر سے نہ نکلنا (۵) بدوں اس کی اجازت کے کسی کو چیز اس کے مال سے نہ دینا (۶) نفل نماز ونفل روزہ بدوں اجازت اس کے نہ پڑھنا نہ رکھنا (۷) اگر صحبت کے لئے بلائے بدوں مانع شرعی کے اس سے انکار نہ کرنا (۸) اپنے خاوند کو بوجہ افلاس یا بدصورتی کے حقیر نہ سمجھنا (۹) اگر کوئی امر خلاف شرع خاوند میں دیکھے ادب سے منع کرے (۱۰) اس کا نام لے کر نہ پکارنا (۱۱) کسی کے روبرو خاوند کی شکایت نہ کرنا (۱۲) اس کے روبرو زبان درازی نہ کرنا (۱۳) اس کے اقارب سے تکرار نہ کرنا۔ (امداد الفتاوی مبوب جلد۲،ص: ۱۸۶)

اولاد کے حقوق

عورتوں کے ساتھ بھی اور اولاد کے ساتھ بھی، اولاد کے بہت سے حقوق والدین کے ذمہ ہیں، مگر اسی کے ساتھ اولاد کا درجہ والدین کے مساوی نہیں بلکہ اولاد محکوم ہے اور والدین حاکم ہیں چنانچہ اولاد کا ایک حق والدین کے ذمہ یہ بھی ہے کہ ان کے اخلاق کی اصلاح کریں ان کو تعلیم دیں بعض لوگ اولاد کو تعلیم نہیں دیتے بلکہ ناز ونعم میں پالتے ہیں اس کا انجام یہ ہوتا ہے جو میں نے کانپور میں دیکھا کہ ایک نواب صاحب ماہوار پر جامع مسجد کا سقاوہ بھرا کرتے تھے سب لوگ ان کو نواب نواب کہتے تھے میں نے اول تو یہ سمجھا کہ اس کا نام ہی نواب ہوگا پھر معلوم ہوا کہ نہیں یہ واقع میں نواب تھے

ان کے پاس بڑی ریاست تھی مگر عیاشی میں سب برباد کردی اور اس وقت ان کی زندگی بہت تلخ تھی صاحبو! جب بچپن میں اولاد کے اخلاق کی اصلاح نہ ہو اور تعلیم نہ دی جائے تو بڑے ہو کر جب اس کے ہاتھ میں ریاست آئے گی تو اس کا یہی انجام ہوگا جو ان نواب صاحب کا ہوا، ہمارے ماموں صاحب کا ایک شعر ایسے رئیسوں کے بارے میں بڑا عمدہ ہے فرماتے ہیں:

ہے شرافت تو کہاں بس شر و آفت ہے فقط
ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

لڑکیوں کا حق نہ دینے والوں کی جائیداد خریدنا جائز نہیں

فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جلال آباد کی جائیداد خریدنا جائز نہیں کیوں کہ وہاں لڑکیوں کا حق نہیں دیا جاتا، البتہ جہاں ایسا نہ ہو کچھ حرج نہیں۔ (حسن العزیز، ج:۲،ص:۱۹۸)

بچوں کے لئے جو جوتے کپڑے عام گھروں میں بنائے جاتے ہیں ان میں احتیاطاً ایسا کرنا چاہئے کہ ان کو بچوں کی ملک نہ بنائیں اپنی ہی ملکیت میں رکھیں تاکہ ایک بچہ کے بدن پر کپڑا چھوٹا ہو جائے تو دوسرے کو پہنا سکیں، اور اگر کپڑا بچے کی ملک کر دیا گیا تو پھر باپ کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ یہ کپڑا کسی دوسرے بچے کو پہنا دیں۔
(مجالس حکیم الامت رحمہ اللہ ص-۷۳)

اولاد غیر تندرست کے نان ونفقہ کا حکم

فرمایا کہ اولاد غیر تندرست ہو جیسے اندھا اپاہج ہو تو اس کا نان ونفقہ ماں باپ کے ذمہ ہے اگر ماں باپ نہ ہوں تو عزیز واقارب کے ذمہ ہے چاہے کتنی ہی عمر ہو جائے۔ (انفاس عیسیٰ، ج:۲،ص:۴۶۴)

اولاد کا حق

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں کہ ان کو علم

وادب سکھلائے اور ان کی پرورش کرے اور ان پر مہربانی کرے اس کے لئے ضرور جنت واجب ہو جاتی ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے ادب میں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جیسا تمہارے والد کا تم پر حق ہے اسی طرح سے تمہاری اولاد کا بھی تم پر حق ہے۔ (فروع الایمان ص:۱۳۱)

استاد کے حقوق

(۱) اس کے پاس مسواک کر کے صاف کپڑے پہن کر جائے (۲) ادب کے ساتھ پیش آئے (۳) نگاہ حرمت وتعظیم سے اس پر نظر کرے (۴) جو بتلائے اس کو خوب توجہ سے سنے (۵) اس کو خوب یاد رکھے (۶) جو بات سمجھ میں نہ آئے اپنا قصور سمجھے (۷) اس کے روبرو کسی اور کا قول مخالف ذکر نہ کرے (۸) اگر کوئی استاد برا کہے حتی الوسع اس کا دفعیہ[1] کرے ورنہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہو (۹) جب حلقہ کے قریب پہنچے سب حاضرین کو سلام کرے، پھر استاد کو بالخصوص سلام کرے، لیکن اگر وہ تقریر وغیرہ میں مشغول ہو اس وقت سلام نہ کرے، (۱۰) استاد کے ربرو بہت نہ ہنسے، نہ بہت باتیں کرے، ادھر ادھر نہ دیکھے، نہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو بالکل استاد کی طرف متوجہ رہے (۱۱) استاد کی بدخلقی کا سہار کرے، (۱۲) اس کی تند خوئی سے اس کے پاس جانا نہ چھوڑے، نہ اس کے کمال سے بد اعتقاد ہو، بلکہ اس کے اقوال[2] وافعال کی تاویل کریں، (۱۳) جب استاد کسی کام میں لگا ہو یا ملول ومغموم یا بھوکا پیاسا ہو یا اونگھ رہا ہو یا اور کوئی عذر ہو جس سے تعلیم شاق ہو یا حضور قلب نہ ہو ایسے وقت نہ پڑھے (۱۴) حالت بعد وغیبت میں بھی اس کے حقوق کا خیال رکھے (۱۵) گاہ گاہ تحفہ تحائف خط وکتابت سے اس کا دل خوش کرتا رہے حقوق اور بہت سے ہیں مگر ذہین آدمی کے لئے اس قدر لکھنا کافی ہے وہ اس سے باقی حقوق کو بھی سمجھ سکتا ہے۔ (فروع الایمان، ص:۳۳،۳۴)

---

(۱) عذر معذرت معافی چاہے۔

(۲) اس براس کو برا نہ کہے دل کو سمجھائے کہ اس کی وجہ کوئی شرعی عذر کی ہوگی، نہ اس میں اس کی پیروی کرے کہ ناجائز میں پیروی درست نہیں۔

پیر کے حقوق

جس قدر حقوق استاد کے لکھے گئے ہیں یہ سب پیر کے بھی حقوق ہیں اور کچھ حقوق جو زائد ہیں وہ لکھے جاتے ہیں:

(۱) یہ اعتقاد کرے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہے گا (۲) ہر طرح مرشد کا مطیع ہو اور جان و دل سے اس کی خدمت کرے کیونکہ بغیر محبت پیر کے کچھ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان یہی ہے۔ (۳) مرشد جو کچھ کہے اس کو فوراً بجالائے اور بغیر اجازت اس کے فعل کی اقتداء نہ کرے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال اور مقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے کہ مرید کو اس کا کرنا زہر قاتل ہے (۴) جو درود، وظیفہ مرشد تعلیم کرے اسی کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو یا کسی دوسرے نے بتلایا ہو (۵) مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے یہاں تک کہ سوائے فرض وسنت کے نماز نفل اور کوئی وظیفہ بغیر اس کی اجازت کے نہ پڑھے (۶) حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اسکے کپڑے پر پڑے۔ (۷) اس کے مصلی پر پیر نہ رکھے اس کی طہارت اور وضو کی جگہ طہارت یا وضوء نہ کرے (۸) مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے (۹) اس کے سامنے نہ کھانا کھائے، نہ پانی پئے اور نہ وضو کرے ہاں اجازت کے بعد مضائقہ نہیں (۱۰) اس کے روبرو کسی سے بات نہ کرے بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو (۱۱) جس جگہ مرشد بیٹھا ہو اس طرف پیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو (۱۲) اور اس کی طرف تھوکے بھی نہیں (۱۳) جو کچھ مرشد کہے یا کرے اس پر اعتراض نہ کرے[1] کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے یا

(۱) عذر وغیرہ کی تاویل کرے یا اپنی سمجھ کا قصور قرار دے جب تک کہ شریعت کے بالکل ہی خلاف نہ ہو، اور کوئی تاویل نہ ہو سکتی ہو، کیونکہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا آدمی تو پیر ہی نہیں ہو سکتا، اللہ کے ولی صرف متقی ہی ہوتے ہیں، لیکن خلاف شرع قرار دینے میں جلدی نہ کرے، علماء متقین سے معلوم کرے۔

کہتا ہے[1] الہام سے کرتا اور کہتا ہے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ یاد کرے (۱۵) اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش مت کرے (۱۶) اگر کوئی شبہ دل میں گزرے فوراً عرض کرے اور اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے اور اگر مرشد اس کا کچھ جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا (۱۷) خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کرے اور اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو اسے بھی عرض کردے (۱۸) مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور بآواز بلند اس سے بات نہ کرے اور بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے (۱۹) اور مرشد کے کلام کو دوسروں سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں اور جس بات کو یہ سمجھے کہ لوگ نہ سمجھیں گے تو اسے بیان نہ کرے (۲۰) اور مرشد کے کلام کو رد نہ کرے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو، بلکہ یہ اعتقاد کرے کہ شیخ کی خطا میرے صواب[2] سے بہتر ہے (۲۱) جو کچھ اس کا حال ہو بھلا یا برا، اسے مرشد سے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب قلبی ہے اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرے گا مرشد کے کشف پر اعتماد کرکے سکوت نہ کرے، (۲۲) اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو اگر کچھ پڑھنا ضرور ہے اس کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے (۲۳) جو کچھ فیض باطنی اسے پہنچے اسے مرشد کا طفیل سمجھے، اگر خواب میں یا مراقبہ میں دیکھے کہ دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی

(۱)　حقیقی پیر کا یہی منصب ہے، آج کل بناوٹی پیر دھوکہ باز بہت مل رہے ہیں، اس لئے پہلے ایک عرصہ تک ان کی جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ تابع سنت، عبادت گزار، دنیا سے بے رغبت، ہر وقت خدا کی طرف لگنے والا اس کی باتوں اور صحبت سے خدا کی محبت پیدا ہو، دنیا سے نفرت ہو، دین کا خوب پابند ہو وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ وہ الہام سے کہتا ہے کرتا ہے، اس کی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہوگی، جلد فیصلہ نہ کرے، خلاف کی تاویل اور پھر اہل حق سے تحقیق کیا کرے اطمینان کرے۔

(۲)　ان معنی سے کہ ان کی غلطی وخطا کسی عذر کی وجہ سے ہوگی، قابل معافی ہوگی، میرا صواب وصحیح چونکہ کامل خلوص سے محروم ہوگا ممکن ہے قابل گرفت ہو جائے۔

صورت سے ظاہر ہوا ہے۔ کذا فی ارشاد رحمانی:[۱]

قال العارف الرومیؒ[۲]

چوں گزیدی پیر ہن تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو[۳]

صبر کن در کار خضر اے بے نفاق تانگوید خضر رو ہذا فراق[۴]

قال العطار رحمہ اللہؒ[۵]

گر ہوائے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس بیا[۶]

واردات باش صادق اے فرید تابیابی گنج عرفان راکلید[۷]

دامن رہبر بگیرا اے راہ جو ہر چہ داری کن نثار راہ او[۸]

گر روی صد سال در راہ طلب راہ نبود چہ حاصل زاں لقب[۹]

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذاشت ونشد آگاہ عشق[۱۰]

---

(۱) یہ کتاب ارشاد رحمانی میں ہے۔

(۲) حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ صاحب مثنوی نے فرمایا ہے۔

(۳) جب تم نے پیر بنالیا ہے تو سر بہ سر تسلیم بن جاؤ اور حضرت موسی علیہ السلام کی طرح حضرت خضر کے حکم کے پیچھے چلو۔

(۴) اے مخلص ، بے نفاق تم خضر (پیر) کی تعلیم میں صبر کیا کرو کہ جب تک خود خضر نہ کہہ دیں "هذا فراق بینی و بینك" کہ ہم تم میں اب جدائی ہے جاؤ خود کام کرو۔

(۵) حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ صاحب کا پند نامہ۔

(۶) اے دل اگر تو سفر کی خواہش رکھتا ہے تو شیخ کا دامن پکڑ لے اور پیچھے پیچھے چلا آ۔

(۷) اب تم مریدی میں سچے بنو تا کہ معرفت کے خزانے کی چابی پاؤ۔

(۸) اے راستے کے طالب شیخ کا دامن سنبھال لے جو رکھتا ہے اس کی راہ میں خرچ کر ڈال چاہے کتنی ہی مشقت خرچ سے حاصل ہو۔

(۹) اگر تو سو سال طلب کے راستہ میں چلا اور رہبر یعنی سچا پیر کامل نہ ہو تو اس مشقت سے کیا حاصل یعنی بے کار ہی گیا، جیسا فائدہ حاصل ہونا تھا نہ ہوگا گو کام کا ثواب ملے گا۔

(۱۰) بغیر ساتھی یعنی پیر کے جو بھی عشق کی راہ میں چلے گا عمر ختم ہو جائے گی مگر عشق سے واقف ہی نہ ہوگا۔

حقوق شیخ کا آسان خلاصہ یہ ہے کہ اسکی دل آزاری نہ ہو۔

(الافاضات الیومیہ، ج:۱، ص:۲۰۱)

تین حق مرشد کے ہیں رکھ ان کو یاد اطلاع واتباع واعتقاد وانقیاد

(کمالات اشرفیہ)

رشتہ داروں کا حق

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں داخل نہ ہوگا جو شخص ناتہ داروں سے بدسلوکی کرے۔[۱] (روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے)

غلام کا اجر

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام جب خیر خواہی[۲] کرے اپنے آقا کی اور اچھی طرح بجالائے عبادت اپنے پروردگار کی سو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

حقوق اہل وعیال

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کرو اس شخص سے جو تمہارے عیال میں ہو۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

اور ارشاد فرمایا: سب سے افضل وہ دینار ہے[۳] جس کو آدمی اپنے عیال پر خرچ کرے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

---

(۱) رشتہ داروں سے، اس لئے ہر آدمی کو اپنے ماں باپ، دادا نانا، دادی نانی وغیرہ اوپر تک کی بہت کچھ معلومات رکھنی چاہئیں، اسی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کون ہمارا رشتہ دار ہے کون نہیں۔ کون قریب کا ہے، کون دور کا ہے تاکہ ان کے مرتبے کے موافق برتاؤ ہوسکے۔

(۲) اگر شرارت کرے گا فرمانبرداری نہ کرے تو باوجود عبادتوں کے دوگنا اجر نہ پائے گا۔

(۳) اشرفی اور روپیہ پیسہ کا یہی حکم ہے۔

اور ارشاد فرمایا: کافی ہے آدمی کے گناہ گار ہونے کے لئے یہ کہ ضائع کر دے اس شخص کو جس کا قوت[1] اس کے ذمہ ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

ف: غلام نوکر کا قاعدہ

اور غلام نوکر، خدمت گار بھی عیال کے حکم میں ہے ان کی مدارات[2] ومواسات بھی ضرور ہے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خادم سے کس قدر معاف کیا کروں فرمایا ہر روز ستر مرتبہ، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

مراد یہ کہ ہر بات میں اس پر سختی کرنا اور اس سے تنگ ہونا نہ چاہئے جس آدمی سے بہت سی راحت پہنچتی ہے اگر ایک آدھ تکلیف بھی ہو جائے تو صبر کرے اور اس کو معذور سمجھے۔ (فروع الایمان، ص: ۱۳۰)

پڑوسی کے حقوق

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اپنے پڑوسی کو نہ ستائے، روایت کی اس کو بخاری ومسلم نے، اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کرو اپنے پڑوسی سے ہو جاؤ گے تم ایمان والے، روایت کیا اس کو ترمذی نے، اور فرمایا یہ بات حلال نہیں کہ خود پیٹ بھر کر کھالیوے اور پڑوسی بھوکا رہے۔

عامۃ المسلمین کے حقوق

الحدیث: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سالم رہیں)۔

اب دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے کہ من سلم المسلمون جس سے مسلمان

---

(۱) روزی یعنی نفقہ وخرچہ جیسے بیوی، بچے، غلام، باندی، جانور کا خرچہ۔

(۲) تکلیف سے درگذر کر کے اچھا برتاؤ اور غمخواری کرنا۔

سالم رہیں کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلم کی رعایت ضروری نہیں، کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے "المؤمن من امن الناس بوائقة" (کہ مومن وہ ہے جس کے خطرات سے تمام آدمی امن میں رہیں) تو تمام لوگوں کی رعایت ضروری ہوئی خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر اور ان سب ہی کے حقوق بھی ہوئے، البتہ حربی اس حکم میں داخل نہیں تو یہاں صرف اس لئے مسلمون فرمایا کہ یہ موقع اسی کا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کتاب تو تصنیف فرمائی نہیں جس کے الفاظ کا عام ہونا ضروری ہو، بلکہ جس وقت جس امر کی ضرورت دیکھی زبان مبارک سے بیان فرمادی۔

اور مسلمون جو جمع کے صیغہ سے فرمایا تو جمع سے کبھی تو مجموعہ مراد ہوتا ہے اور کبھی ہر ہر واحد تو ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر ہر واحد مراد لیا جاوے کہ ہر مسلمان اس کی ایذا سے محفوظ رہے، اور اگر مجموعہ مراد ہوگا تو اس پر یہ شبہ ہوگا کہ مجموعہ مسلمین کو تکلیف نہ دی جائے، اگر بعض کو تکلیف دی جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان احکام میں سے ہے جہاں مجموعہ اور ہر ہر واحد کے حکم میں فرق نہیں ہوتا تو بصورت مجموعہ مراد ہونے کے یہی معنی ہوں گے کہ مجموعہ مسلمانوں کا ہر ہر واحد تکلیف سے بچا رہے، اب وہ شبہ جاتا رہا کہ اگر بعض کو تکلیف پہنچ جائے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ جب ایک مسلمان نہ بچا تو مجموعہ کہاں بچا، کیونکہ ایک جزء نکل جانے سے مجموعہ نہیں رہا، تو مطلب یہ ہوا کہ کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔

آگے فرماتے ہیں من لسانہ ویدہ (اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے) اس میں دو قسم کے حقوق کی طرف اشارہ ہے، گو یہ حقوق تروک (چھوڑانے کے) ہیں، تین قسم کے مالی جانی، عرضی جس کو اس حدیث میں صاف فرمایا۔

ان دمائکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا (تحقیق تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں مثل تمہارے اس دن کی حرمت کے)۔

یعنی نہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے نہ ناحق مال لے، نہ آبروریزی

کرے پس یہ تین قسم کے حق ہیں، مگر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال اور جان کے حقوق تو اکثر ہاتھ سے تلف ہوتے ہیں، اور عرضی اکثر زبان سے، مال کا حق مثلاً کسی کا مال لوٹ لیا یا کسی کو لکھ دیا لوٹنے کے لئے تو اسکا آلہ بھی یہی ہاتھ ہوگا، اب رہا جان کا حق یہ بھی ہاتھ ہی سے ہوتا ہے اور اگر کسی کو زبان سے کسی کے قتل کرنے کو کہا تو یہ بھی پورا تو ہاتھ ہی سے ہوگا اب رہی آبرو وہ کبھی ہاتھ سے تلف کی جاتی ہے اور اکثر زبان سے سو یہ حقوق گو تین قسم کے ہیں مگر ہیئت اضافہ کے اعتبار سے انہی دونوں صورتوں میں داخل ہیں من لسانه و یده (اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے) پس اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں حقوق کو جمع کر دیا اجمالاً، پس حاصل اس حدیث کا یہ ہوا کہ نہ جان کو تکلیف دے نہ مال کو نہ آبرو کو، اب ہر شخص کو دیکھ لینا چاہئے کہ کہاں تک اس پر عمل کرتا ہے اور کتنے حقوق ترک ہوتے ہیں۔

(کف الاذی ملحقہ مواعظ حقوق وفرائض، ص: ۲۸۶، ۲۸۹)

ازالة الرين عن حقوق الوالدين

حقوق والدین

مصنفہ

مجدد الملت حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

ناشر

ادارہ اسلامیات

کراچی ۔ لاہور

ازالۃ الرین عن حقوق الوالدین

(حقوق الوالدین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما بعد حمد وصلوۃ کے مؤلف رسالہ ہٰذا اپنے برادران اسلامی کی خدمت میں گذارش کرتا ہے کہ عرصے سے دیکھتا تھا کہ بعض اسلامی بھائی ادائے حقوق والدین میں اس قدر زیادتی اور مبالغہ کرتے ہیں کہ جس سے دیگر اہل حقوق کے حق ضائع ہوتے ہیں، اور حضرت ذوالجلال والاکرام کی نافرمانی ہوتی ہے اور پھر اس برتاؤ کو عمدہ شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت نے ہم کو اطاعت والدین اسی طرح سکھلائی ہے اور اپنی کج فہم کے موافق آیات واحادیث پیش کرتے ہیں سو اس ناشائستہ حرکت کو دیکھ کر دل دکھتا ہے، اب بفضل خالق اکبر ایک مضمون اس بارے میں لکھنے کا قصد کیا اور اپنے پیارے پروردگار رحیم وکریم سے اختتام رسالہ اور راہ صواب کی دعا کی، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو پورا فرمادے۔

آخر میں ایک مفید تذئیل اضافہ کی جائے گی، جس میں حقوق شوہر اور حقوق استاد کا مبالغہ بیان ہوکر امر حق واضح کیا جاوے گا، اصل مقصود رسالے سے امور مذکورہ ہیں، مگر ضمناً اور فوائد بھی بیان کئے جاویں گے، یہ خوب سمجھ لینا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہم کو حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے، اور مقصود اور مستقل بالذات ہمارے ذمہ اس خالق اکبر ہی کی تابعداری ہے اور باقی جن حضرات کی تابعداری ہمارے ذمہ اللہ پاک نے لازم کی ہے وہ مقصود بالغیر اور تابع ہے اور ظاہر ہے کہ اصل

تابع پر ہمیشہ اور مقصود ذریعہ پر دواماً مقدم ہوا کرتا ہے، اگر وسیلہ اور فرع کی اطاعت سے اصل اور مقصود کی تابعداری میں نقصان ہوگا تو وہ تابعداری مذموم اور ناجائز ہوگی، حسب قواعد عقلیہ ونقلیہ وعرفیہ، ورنہ اصل کا فرع اور فرع کا اصل ہونا لازم آئے گا اور یہ قلب موضوع ہے، جو باطل اور مقصود سے دور ہے، پس اس قاعدہ کلیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیات اور احادیث وغیرہ سے مقصود کو ثابت کرتا ہوں، خوب غور سے سمجھے، یہ رسالہ انشاء اللہ تعالیٰ عوام وخواص کی غلطی رفع کرے گا، بعض خواص بھی بوجہ عدم تدبر اس مغالطہ عظیمہ میں مبتلا ہیں، والله يقول الحق ويهدى السبيل اللهم تقبل منا انك انت السميع العليم۔

آغاز مقاصد کتاب

وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احساناً، اما يبلغن عندك الكبر احدهما او كلهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما، واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربيني صغيرا، ربكم اعلم بما في نفوسكم ان تكونوا صالحين فانه كان للاوابين غفورا، وات ذالقربى حقه والمسكين وابن السبيل ولا تبذر تبذيرا۔ (پارہ پندرہ : سورۃ بنی اسرائیل)

ترجمہ یہ ہے: اور قطعی حکم دے دیا تیرے رب نے کہ کسی کو نہ پوجو اس (اللہ) کے سوا اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو، اگر پہنچ جاویں بڑھاپے کو تیرے سامنے والدین میں کا ایک یا دونوں (بڑھاپے کی قید اہتمام کے لئے ہے کہ یہ حالت زیادہ تعظیم کے مقتضی ہے اور نیز اس حالت میں ان کو خدمت کی زیادہ حاجت ہے اور ایسی حالت میں اولاد کو بوجہ شفقت شدید غصہ آنے کا احتمال ہے ورنہ غیر بڑھاپے کی حالت کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ سورہ لقمان کی آیت۔ وصاحبهما في الدنيا معروفا (اور ان کا ساتھ دے دنیا میں عمدہ طور پر اس حکم کو مطلقا ثابت کرتی ہے، اس لئے کہ ایذائے

والدین ایسے ساتھ دینے کے خلاف ہے جس کا حکم ہے اور جس لفظ کا کہنا حالت بڑھاپے میں حرام کیا گیا وہ ایذا ہے خوب سمجھ لو) تو ان کو ہوں بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور کہے ان سے تعظیم کی بات اور جھکا دے ان کے آگے، عاجزی کا بازو (یعنی عاجزی کا برتاؤ کر) نیاز سے اور کہہ اے میرے پروردگار ان پر رحم فرما جیسا انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے، تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم سعادت مند ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے، (یعنی سعادت سمجھ کر والدین کی خدمت کرنا یا ایک بوجھ سمجھ کر نباہنا سب کچھ ہم خوب جانتے ہیں، البتہ اگر نیت نیکی پر ہو اور کسی وقت تنگی دل یا غصہ میں کچھ ناراض کر بیٹھو اور پھر توبہ کر لو تو ہم (اپنی نافرمانی کا گناہ) معاف کر دیں گے اور خود ان سے بھی کہ جن کا قصور کیا ہے، بحالت قدرت معافی مانگنا ضروری ہے، مجبوری میں ان کے لئے کثرت سے استغفار کرے، حق تعالیٰ قیامت میں معاف کرا دیں گے اور سعادت مند ہونے کی قید خصوصیت سے معافی کے لئے ہے ورنہ گناہ تو کسی طریق پر ہو چکی توبہ سے معاف کر دیا جاتا ہے، اور دے قرابت دار کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا بکھیر کر۔

(حق تعالیٰ نے حد اعتدال قائم رکھنے کو حقوق والدین کے متصل دیگر حقوق کا ادا کرنا بھی فرض کر دیا کیونکہ احتمال تھا کہ اس شد و مد کے ساتھ والدین کی اطاعت کا حکم دیکھ کر کوئی شخص کسی دوسرے کے ادائے حقوق کو محض معمولی بات خیال کر کے اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا، اور رضاء والدین کو مقدم کرتا، مثلاً والدین کہتے کہ تو اپنے اہل عیال کو ایذا دے، خورد و نوش واجب میں کمی کر تو یہ کرنے لگتا، پس رحیم وکریم نے بتلا دیا کہ ہر چیز کی حد ہے، والدین کی وجہ سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ کرو، یہ وجہ ربط ہے دونوں مضمونوں میں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اول والدین کا حق بیان کیا، پس اعلیٰ کو مقدم اور ادنیٰ کو مؤخر کیا)۔

فوائد

اس آیت سے والدین کو اف (یعنی ہوں) کہنا منع ثابت ہوا اور جو دوسرا لفظ

یا برتاؤ ایسا ہی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے) اور وجہ اس لفظ کے ممنوع ہونے کی حضرات فقہاءؒ نے ایذائے والدین بیان فرمائی ہے یعنی اس لفظ اور مثل اس کے دیگر الفاظ اور برتاؤ سے ان کو رنج پہنچتا ہے، کیونکہ یہ کلمہ ہتک اور بے عزتی کا ہے، پس قاعدہ کلیہ یہ ہوا کہ جس بات میں والدین کو واقعی ایذا ہو[1] (جو شریعت کے نزدیک معتبر ہے) وہ ہر برتاؤ قولی ہو یا فعلی ان کے ساتھ منع اور حرام ہوگا اور جس برتاؤ سے رنج مذکور بشروط مذکورہ نہ ہو وہ منع نہ ہوگا، اس علت اور حکم کا ہر جگہ خیال رکھئے، تمام احکام کا مدار اسی علت پر ہے، اور قرآن میں اسی آیت سے زیادہ کسی آیت میں حقوق والدین کی شدت نہیں بیان ہوئی، اگر یہ لفظ یا اس کے مثل کسی قوم میں بطور تعظیم بولا جاتا ہو تو اس کا اطلاق والدین پر جائز ہوگا، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے، چند مسائل اس علت پر مبنی کر کے بطور نمونہ ناظرین کو دکھلاتا ہوں، پھر جن احادیث سے لوگوں کو شبہ پڑا ہے ان کو نقل کر کے جواب معقول قلمبند کروں گا اور بعض احادیث جو غیر معتبر ہیں، اس باب میں وہ بھی اس کے بیان غیر معتبر کے ساتھ نقل کروں گا۔

کن چیزوں میں والدین کا حکم ماننا ضروری نہیں

۱۔ جو سفر (خواہ تجارت کا ہو خواہ حج وغیرہ کا بشرطیکہ وہ سفر فرض واجب نہ ہو) ایسا ہو جس میں غالب ہلاکی کا اندیشہ نہیں بغیر اجازت والدین درست ہے، اگر والدین

---

(۱) روی عن بعض التابعین انه قال من دعا لابویه فی کل یوم خمس مرات فقد ادی حقهما لان اللّٰه تعالیٰ قال ﴿ان اشکر لی ولوالدیك الیّ المصیر﴾ فشکر اللّٰه تعالیٰ ان یصلی فی کل یوم خمس مرات و کذالك الوالدین ان یدعو لهما فی کل یوم خمس مرات کذا قال الفقیه ابو اللیث قدس سره قال رسول اللّٰه ﷺ لو علم اللّٰه شیئا من العقوق ادنی من اف نهی عن ذالك فیعمل العاق ما شاء ان یعمل فلن یدخل الجنة ویعمل البار ما شاء ان یعمل فلن یدخل النار، رواه الفقیه الممدوح قلت انه ینبغی ان یتصدق عنهم اذا ادی الزکوٰة وغیرها وقال ﷺ لا یجزی ولد والدا الا ان یجده مملوکا فیشتریه فیعتقه، مروی مسند صحیح۔ ۱۲

اس سفر سے منع کریں تو ان کے کہنے سے سفر نہ کرنا ضروری نہیں، چنانچہ یہ مسئلہ درمختار، عالمگیری میں موجود ہے اور جو سفر فرض یا واجب ہو اس میں تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب والدین اپنی ضرورت خدمت کے محتاج نہ ہوں خواہ ان کو حاجت ہی نہ ہو یا ہو تو دوسرا کوئی خدمت کرنے والا موجود ہو، وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں والدین کو کوئی رنج وتکلیف واقعی اور قابل اعتبار نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ سب اس صورت میں والدین کے خلاف کام کرنا درست ہے نہ حرام نہ مکروہ۔

۲۔ اگر والدین کو ضروری حاجت کے لئے (جس کو شریعت نے ضروری کہا ہے مثلاً طعام ولباس وغیرہ ادائے قرض) خرچ کی ضرورت نہ ہو اور اولاد کے پاس اپنی ضروری حاجت سے روپیہ یا دوسری قسم کا مال زائد ہو اور والدین اولاد سے طلب کریں تو اولاد کو دینا ضروری نہیں۔

۳۔ والدین بغیر احتیاج خدمت نوافل پڑھنے کو منع کریں یا کسی دوسرے غیر ضروری کام کرنے سے روکیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں، ہاں اگر وہ خدمت ضروری کے محتاج ہوں اور نوافل وغیرہ میں مشغولی ان کو تکلیف دے اور کوئی دوسرا خادم نہ ہو تو اولاد پر ضرور واجب ہے کہ نوافل وغیرہ چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔

۴۔ اگر والدین حقہ نوش ہوں اور حقہ پینا بغیر مرض اور معذوری کے ہو اور اولاد سے حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں (حقہ پینا سخت مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر کوئی خاص حقہ ہو اور اس سے کسی ضرر اور بدبو منہ میں پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو یا کوئی ایسا مریض ہو کہ سوائے حقہ کے کسی وجہ سے دوسرا علاج ممکن نہ ہو تو شرعاً بلا کراہت اجازت ہے، صاحب مجالس الابرار نے نہایت تحقیق اور تفصیل سے حقہ کی مذمت ثابت کی ہے) تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایک فعل مکروہ کا مرتکب ہونا ہے جو شرعاً مذموم ہے اور ضرورت کی حالت میں جس کی تفصیل بیان ہو چکی اس فرمائش کی تعمیل

واجب ہے۔

۵۔اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہنچتا ہو خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت کو طلاق دے دے، اس کہنے کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے، طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بری چیز ہے فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہ تحریمی ہے، نکاح تو وصال کے لئے موضوع ہے یہ فراق بلاوجہ کیسے روا ہوسکتا ہے،[1] وفصله ابن الهمام رحمه الله في فتح القدير وحققه۔[2]

۶۔اگر والدین کسی گناہ کا حکم دیں کہ فلاں گناہ کرو مثلاً فرمائیں کہ اہل حق کی مدد نہ کرو یا زکوۃ نہ دو یا دینی تعلیم حاصل نہ کرو یا اور کوئی ایسی ہی بات کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا حرام ہے اور ان کی مخالفت فرض ہے جب کہ وہ کام ضروری ہو جس سے وہ روکتے ہیں۔

ہاں اگر ان کو کوئی (واقعی اور سخت) تکلیف ہو مثلاً وہ بیمار ہوں اور کوئی خادم نہ ہو اور نماز کا وقت ہے اگر ان کی خبر گیری نہ کی جائے تو سخت تکلیف کا اندیشہ ہے، پس

---

(۱) لا ترد علينا سيدنا حسن بن علي ﷺ بطلقات كثيرة لا زواجه كما هو مذكور في الكتب فانه لا يظن انه كان يفعله بغير سبب ولو فرضنا كذالك فهو قياس الصحابي ﷺ فلا يلزم علينا اتباعه ۔۱۲

(۲) قال الشيخ ابن الهمام في كتاب الطلاق من فتح القدير ولا يخفى ان كلامهم فيما سياتي من التعاليل بصرح بانه محظور لما فيه من كفران نعمته النكاح وللحديثين المذكورين وغيرهما وانما ابيح للحاجة والحاجة ما ذكرنا في بيان سببه فبين الحكمين منهم تدافع فالاصح خطره الا لحاجة الادلة المذكورة ويحمل لفظ المباح على ما ابيح في بعض الاوقات اعنى اوقات تحقق الحاجة المبيحه، انتهى الى لمنها كلامه ثم طول كلامه فان شئت فارجع اليه ۔۱۲

ایسی صورت میں اگر نماز قضاء کرنے کو کہیں تو قضا کردے، پھر کسی وقت قضاء پڑھ لے اور اگر کسی مستحب کام سے روکیں اور اپنی کسی ضروری حاجت (واقعی اور معتبر) کی وجہ سے روکیں تو ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے اور خواہ مخواہ روکیں تو واجب نہیں ہے۔

۷۔ اگر والدین کہیں کہ تم ہماری فلانی اولاد کو (کہ وہ صاحب حاجت نہیں ہے) اس قدر رقم دے دو تو باوجود گنجائش کے بھی یہ رقم دینا واجب نہیں (یہاں تک مع نظائر یہ بیان ہو گیا کہ کس کس جگہ والدین کے حکم کی تعمیل واجب اور کس مقام پر منع ہے، اور کس مقام پر جائز ہے غرض ہر جگہ اطاعت والدین ضروری نہیں)۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا صحیح مطلب

حدیث میں ہے کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا افضل ہے نماز سے اور روزہ سے اور حج سے اور عمرہ سے اور جہاد سے راہ خدا میں (یہ حدیث ثابت نہیں اس لئے قابل اعتبار نہیں اور اس کو حدیث کہنا روا نہیں جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے مختصر سے نقل کیا ہے فوائد مجموعہ میں اور قاعدہ شرعی کے خلاف ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا)۔

مشکوٰۃ باب البر والصلۃ: میں بروایت ترمذی مذکور ہے ''رضائے پروردگار رضائے والدین میں ہے'' (یعنی والدین اگر راضی رہیں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی رہے اور اگر وہ ناراض رہیں تو خدا بھی ناراض رہے اور ناخوشی پروردگار کی ناخوشی والدین میں ہے)۔

ف: یہاں سے وہم پیدا ہوتا ہے، کہ ہر کام والدین کی رضا پر لازم ہے ورنہ گناہ ہوگا حالانکہ یہ حکم نہیں پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جن امور میں اطاعت والدین شریعت سے لازم ہے ان امور میں اگر کوتاہی کرے گا تو ناراضی حق حاصل ہوگی اور نافرمان جب ہی ہوگا جب کہ حقوق ضروریہ ادا نہ کرے، پس یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ داخل ہے اس قاعدہ کلیہ میں جو ابتداً قائم کیا گیا ہے کہ جس بات کے کرنے سے والدین کو تکلیف ہو وہ کام نہ کرنا واجب ہے اور اس حدیث کا شان نزول خصوصیت بیان حقوق

والدین اور مراد مذکور پر دلالت کرتا ہے، جس کو "اشعۃ اللمعات" میں نقل کیا ہے اور راز یہ ہے کہ ہر امر میں اطاعت کا حکم دیا جاتا اور اسی طرح عورت کو ہر امر میں خاوند کی اطاعت کا حکم ہوتا تو بہت سے لوگ عبادت الٰہی سے جو پیدائش انسان سے اصلی مقصود ہے محروم ہو جاتے اور اپنے اصلی محبوب کی یاد سے اس کے ذکر کی حقیقی لذت اور کمالات عالیہ سے محروم رہتے جس کے بغیر طالب خالق اکبر کو چین ہی نہیں اور مقصود بھی وہی ہے جیسا کہ تمہید میں بیان کر چکا ہوں۔

انسانی پیدائش کا اصلی مقصد

قرآن مجید میں فرمایا ﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ (اور ہم نے جن وانسان کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے)۔

اور حدیث قدسی جو باعتبار سند ضعیف مگر ہمارے مقصود کو غیر مضر اور باعتبار تحقیق حضرات اہل کشف صحیح ہے اسی مضمون کو بتاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

''میں خزانہ میں پوشیدہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، سو پیدا کیا میں نے مخلوق کو...... پس معلوم ہوا کہ عبادت الٰہی اور معرفت محبوب حقیقی مقصود ہے، پیدائش مخلوق سے پس ہر جگہ اس کو مقدم رکھا جائے۔

والدین کے حکم کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے یا نہیں؟

۴۔ مشکوۃ کے مقام مذکور میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرد ان کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک بیوی ہے جس کو طلاق دینے کا میری ماں حکم کرتی ہے (آیا طلاق دوں یا نہیں؟) پس فرمایا اس سے حضرت موصوف نے میں نے حضرت رسول مقبول ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ باپ (اور ماں) افضل دروازہ بہشت کا ہے (یعنی سبب داخل ہونے جنت میں افضل دروازے جنت سے رضائے والد (اور والدہ) ہے، پس اگر تو چاہے تو حفاظت کر دروازے کی یا ضائع کر دے۔ اس کو یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس عورت سے اس مرد کی والدہ کو تکلیف (واقعی) پہنچتی تھی اس وجہ سے طلاق دلانا چاہتی تھی ورنہ خواہ مخواہ طلاق دلانا ظلم ہے اور ظلم پر مدد کرنا ظلم ہے، پس طلاق جو ظلم ہے بصورت مذکور میں حضرت ابوالدرداء ﷜ اس کی کیسے اجازت دے سکتے تھے، نیز یہی جواب ہے اس حدیث کا جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر﷜ چاہتے تھے کہ ان کے صاحبزادے اپنی بیوی کو طلاق دے دیں، صاحبزادے طلاق نہیں دینا چاہتے تھے تو انہوں نے جناب سرور عالم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا، آپ نے طلاق دینا ارشاد فرمایا، ظاہر ہے کہ حضرت عمر﷜ [1] جیسے مقبول صحابی کسی پر کیسے ظلم کرتے، اگر بفرض محال ایسا کرتے تو حضور سرور عالم ﷺ کیسے گوارا فرماتے اور ظلم کی کس طرح اعانت فرما سکتے تھے، اس حدیث کی تقریر قریب اسی تقریر کے حضرت امام الہمام غزالی قدس سرہ نے احیاء العلوم میں فرمائی ہے)۔

والدین کے حقوق ادا کرنے پر جنت کی بشارت

۵۔ حضرت ابن عباس﷜ سے مشکوۃ کے باب میں بروایت بیہقی روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول مقبول ﷺ نے جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ فرماں بردار ہو، حق تعالیٰ کا ماں باپ کے (حق ضروری) ادا کرنے میں تو وہ ایسے حال میں صبح کرتا ہے کہ دو جنت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو اور یہ برتاؤ اس کے ساتھ کیا جائے تو بطرق مذکور ایک دروازہ جنت کا اس کے لئے کھلا ہوتا ہے، اور اسی طرح جو صبح کرے اس حال میں کہ نافرمانی کرے اللہ تعالیٰ کی والدین کے حقوق (ضروریہ) میں، تو دو دروازے جہنم کے کھل جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے، ایک مرد نے عرض کیا کہ اگرچہ والدین اس پر ظلم کریں (یعنی باوجود ان کے ظلم وزیادتی کے بھی ان کی اطاعت ہی کرے، حضور اقدس ﷺ نے تین بار فرمایا کہ اگرچہ وہ دونوں اس پر ظلم کریں تب بھی اس کو اطاعت ہی

(۱) اس حدیث کو ترمذی نے اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔۱۲

چاہئے اورضرور ہے، واضح رہے کہ مطلب یہ ہے کہ والدین کے ظلم کرنے کی وجہ سے جو حقوق ان کے اولاد پرضرور ہیں ان کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ برائی کی ہم بھی ایسا ہی کریں۔

خدا کی نافرمانی کے لئے کسی کا حکم نہیں ماننا چاہئے

یہ غرض نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے کام کا حکم کریں جو شرعاً ظلم ہو اور اس میں ان کا کہنا مانے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (نہیں ہے کسی طرح کی تابعداری کسی مخلوق کی خالق کی نافرمانی میں یعنی کسی مخلوق کا کسی قسم کا حکم ماننا جو خالق کے حکم کے خلاف ہو ہرگز جائز نہیں) اور جملہ صورۃ خبر ہے اور مراد اس سے نہی ہے اور نہی بصورت خبر ابلغ ہوتی ہے خود نہی کے صیغہ سے، پس نہایت تاکید سے یہ امر ثابت ہوا کہ کسی مخلوق کا کوئی کہنا ماننا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، ہرگز جائز نہیں...... خوب سمجھ لو۔

ماں باپ کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے

۶۔ بیوی کے نفقہ کے سوا اور اہل قرابت کا نفقہ مرد کے ذمہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وہ اس قدر مال کا مالک ہو جس سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے، اور والدین بھی اسی حکم میں داخل ہیں اور بیوی کا نفقہ ہر صورت میں فرض ہے خواہ شوہر فقیر ہو یا امیر ہو (حاشیہ شرح وقایہ) پس معلوم ہوا کہ جب تک بقدر مال مذکور مرد کے پاس نہ ہو والدین کا نفقہ (ضروری خرچ) واجب نہ ہوگا، اس تقریر سے یہ غرض نہیں کہ انسان والدین سے بے رخی اور ان کے ادائے حقوق میں کوتاہی اور ان کی احسان فراموشی کرے کہ یہ تو بہت بری بات ہے، بلکہ غرض اس تمام تقریر سے یہ ہے کہ مبالغہ رفع کر دیا جاوے، وہ حقوق بھی بیان ہو جاوے جو واجب ہیں اور وہ بھی جو غیر ضروری مستحب یا مباح ہیں، والدین رب مجازی ہیں، ان کا بڑا لحاظ اور بڑی اطاعت کرنی چاہئے، اور چونکہ حقوق والدین مشہور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں، نیز یہ کتاب جو مبالغہ رفع

کرنے کے واسطے موضوع ہے وہ اس کا اصل مقصد ہے اور صورت مذکورہ میں مستحب موکدہ ہے کہ اگر کوئی خاص مجبوری نہ ہوتو باوجود اسی قدر مال نہ ہونے کے بھی ان کی خدمت کرے، اگر چہ خود کو تکلیف ہو۔

والدین کے حکم سے مشتبہ مال کھانا واجب نہیں

والدین کے فرمانے سے مشتبہ مال کھانا واجب نہیں ہوتا،(۱) اس لئے کہ اس میں والدین کو کوئی معتبر اور واقعی تکلیف نہیں، ہاں اگر اولاد مرنے لگے اور سخت تکلیف ہو اور والدین اصرار کریں کہ مشتبہ مال صرف کر اور حلال طیب مال پر ان کو قدرت نہ ہو تو ان کی فرمانبرداری کے لئے بقدر حاجت کھالے، ہاں اگر وہ کھانے والا صاحب قلب صافی اور بزرگ ہوتو، جب بھی نہ کھائے کہ ایسا مال ایسے شخص کو حسی اور ظاہری اور معنوی سخت نقصان دیتا ہے، جیسا کہ بندہ کا اور دیگر حضرات کا تجربہ ہے اور ایسی صورت میں والدین کی فرمانبرداری واجب نہیں، اس لئے اپنی ذات کو ازخود ہلاکت میں ڈالنا ممنوع ہے، اور اس میں نافرمانی خالق ہے، اور مخلوق کی اطاعت ناراضی خالق میں روانہیں اور ایسی صورت میں تکلیف سے اگر مر جائے اور خراب مال نہ کھائے تو بڑا ثواب ہوگا۔

جہاد میں کافر باپ کو قتل کرنا درست ہے

۸۔ لباب النقول میں ہے کہ جنگ بدر میں ادھر مسلمانوں کے لشکر خدائی گروہ میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح(۲) تھے، ادھر کفار کے لشکر شیطانی گروہ میں ان کے باپ جو مشرک تھے اپنے بیٹے کو جان سے مارنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا میرا باپ کافر مجھ کو میرے اسلام کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا ہے، ادھر ادھر بچے پھرتے رہے آخر کار موقعہ پا کر باپ کو مار ڈالا تو آیات نازل ہوئیں،

(۱) وبہ قال العلماء نقلہ الغزالی قدس سرہ قلت ان من افتی بذالک فھو کان محققا۔ ۱۲

(۲) یہ بڑے زاہد صحابی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے باپ ابو قحافہ (۱) نے کفر کی حالت میں سرورِ عالم ﷺ کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً طمانچہ کھینچ مارا اور وہ گر پڑے اور حضور ﷺ سے شکایت کی، سرورِ عالم ﷺ نے یہ قصہ حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسی بے جا کلمات پر گردن اڑا دیتا تو یہ آیات نازل ہوئیں (ان آیات کا شانِ نزول یہ دو سبب ہیں اور وہ آیتیں سورہ مجادلہ پارہ ۲۸ میں درج ہیں جن کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر کہ وہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے، گو وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبے کے، یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے، (یعنی خوب رچا دیا ہے) اور ان کی تائید کی فیضانِ غیبی سے اور ان کو داخل فرمائے گا ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ وہیں رہیں گے، اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ خدائی لشکر ہے۔

سنو جی! اللہ کے لشکر وہی فلاح پانے والے ہیں، یہاں سے بخوبی روشن ہوگیا کہ اللہ پاک کے حق کے سامنے والدین کے حق کی کیا وقعت ہے؟ اور ثابت ہوا کہ جہاد میں باپ کو خود قتل کرنا درست ہے، اور ہدایہ (۲) میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ جہاد میں اپنے باپ کے مارنے کو دوسرے کو اشارہ کردے خود نہ مارے، سو ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم مستحب ہے، ادبِ پدری ملحوظ رہے گا، اور مقصود بھی حاصل ہو جائے گا، اور یہ بھی جب کہ دوسرا

---

(۱) پھر یہ اسلام لے آئے تھے۔

(۲) یدل علیه ما رواه الزمخشری عن حذیفة انه استاذن النبی ﷺ فی قتل ابیه وهو فی صف المشرکین فقال دعه یلیه غیرك انتهی وقلت بالاستحباب تطبیقابین الا حادیث ولعل هذا الحدیث ثابت لکن لم اطلع علی وضعه ولا ثبوته فی غیر الکشاف والبیضاوی وتتبعت کتب الموضوعات۔ ۱۲

شخص موجود ہو ایسے موقع پر اس کو بخوبی مار سکے، کفر اور شرک کا انجام ذلت ہے پس ادب پدری پورے طور پر نہیں باقی رہ سکتا۔

فاسق والدین کو اچھے طریق سے نصیحت کرے

پس اگر والدین فاسق ہوں تو خوب اچھے طریق پر نصیحت کرے اور اگر ضرورت ہو اور جھڑک [1] دے، تاہم کچھ گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے، معاملہ دینی میں کسی کی رعایت جائز نہیں، لیکن حتی المقدور خاص طور پر ادب ملحوظ رکھے جہالت سے نہ پیش آوے، متانت اور ادب کا برتاؤ کرے، حدیث کے اندر خوب سمجھ لو، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے کافر باپ کو باوجود کفر اور نصیحت نہ ماننے کے کوئی تکلیف نہیں دی، سو اس وجہ سے کہ ان کو بظاہر امید تھی کہ یہ نرمی سے نصیحت قبول کریں گے اور اسی شفقت کی وجہ سے استغفار کرنے کا ان کے لئے وعدہ کیا تھا، مگر جب یہ امید منقطع ہوگئی اور معلوم ہوا کہ یہ دشمن خدا ہے اور استغفار بوجہ کفر ان کو مفید نہ ہوگی تب ان سے بیزار ہوئے۔

۹۔ احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جو خدا کا فرمان بردار نہ ہو اور والدین کا فرمان بردار ہو (تو بوجہ اطاعت والدین نامہ اعمال میں) وہ نیک لکھا جاتا ہے، اور جو اس کے خلاف ہو وہ بد لکھا جاتا ہے (یہ روایت اگر طریق معتبر سے ثابت ہو تو اس سے وہم ہو سکتا ہے کہ اطاعت خالق کا درجہ اور حقوق الٰہیہ کا مرتبہ ہر موقع پر والدین سے کم ہے مگر ایسا نہیں ہے، معنی حدیث کے یہ ہیں کہ جو شخص اطاعت والدین کرے ان امور میں جہاں ان کی اطاعت جائز ہے خواہ وہ اطاعت واجبہ ہو یا مستحبہ ہو تو اس برکت سے حقوق الٰہیہ کا ادا نہ کرنا معاف ہو جاتا ہے، اور جب کہ والدین کے ضروری حقوق ادا نہ کرے تو دیگر اعمال متعلق حقوق الٰہیہ ادا کرنے

(۱) جھڑکنے کی ممانعت قرآن کی نص صریح میں ہے اور محققین فقہاء نے ایسی صورت میں کہ والدین کسی گناہ میں مبتلاء ہوں سمجھانے پر بھی باز نہ آئیں یہ لکھا ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ ان کے لئے دعا پر اکتفا کریں جھڑکنے اور دل آزاری کے طریقے سے بچے۔ کذا فی خلاصۃ الفتاوی۔ محمد شفیع دیوبندی۔

سے یہ نافرمانی والدین معاف نہیں ہوتی، پس نافرمان لکھا جاتا ہے اس لئے حقوق العباد باوجود قدرت بغیر ادا کئے یا بغیر معافی اصحاب حقوق ساقط نہیں ہوتے کہ اللہ غنی اور بندہ محتاج ہے، یہ مطلب نہیں کہ والدین کا غیر ضروری حکم ماننے سے باوجود اطاعت حقوق الہیہ بندہ نافرمان لکھا جائے، خوب سمجھ لو۔

اولاد کو اچھی تعلیم دینا باپ پر فرض ہے

۱۰۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسی باپ نے اپنے بیٹے کی اس کو رنج وایذاء دینے کی شکایت کی آپ نے بیٹے سے وجہ دریافت کی اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا باپ کا حق بہت بڑا ہے انہوں نے کہا کہ موافق حکم حدیث میرے ان پر خاص طور پر تین حق تھے نام اچھا رکھنا، تعلیم کرانا، اپنی شادی اچھی جگہ (شرعی طور پر) کرنا کہ لڑکے کو طعنہ نہ دیں بوجہ ماں کے رذیل وخراب ہونے کے، انہوں نے کوئی حق ادا نہیں کیا (بغیر تعلیم کسی کا حق کیسے معلوم ہوسکتا ہے جو ادا کرے) پس حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے کوئی مطالبہ نہیں کیا اور فرمایا باپ سے کہ تو کہتا ہے، کہ میرا بیٹا ایذاء دیتا ہے بلکہ اس کے ایذاء دینے سے پہلے تو اس کو ایذا دے چکا ہے، میرے سامنے سے اٹھ جا، یہ حدیث امام فقیہ ابواللیث نے روایت کی ہے، مختصر کر کے نقل کیا ہے ہر شخص کے حقوق کا لحاظ شریعت میں کیا گیا ہے اور اسی کے موافق مطالبہ ہے، امام علامہ سیوطیؒ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن المسیب [1] (یہ بڑے درجہ کے تابعی ہیں علم میں کوئی تابعی اس درجہ کو نہیں پہنچا اور بزرگ تھے اور صاحب کرامت تھے) نے اپنے بیٹے سے علیحدگی اختیار کی اور بالکل چھوڑ دیا دینی وجہ سے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی (حضرت موصوف کی یا ان کے باپ کی) سبحان اللہ اللہ والے کسی کی رعایت نہیں کرتے، خالق اکبر کی مخالفت ان کو گوارا نہیں گو کوئی راضی ہو یا ناراض ہو۔

---

(۱) لفظ وسعید بن المسیب هجرا باه حتی مات و کان الثوری یتعلم من ابی لیلی فمات ابن ابی لیلی ولم یشهد الثوری جنازته وقد لقلته لان الاستاذ اب روحی لکن لا یبلغ درجته الاب الحقیقی فافهم ۱۲

۱۱۔ ذکر کرنا، والدین یا دیگر حضرات کی مالی خدمت و نیز دوسری غیر ضروری خدمتوں سے افضل ہے، اور علمی عبادت تو بطریق اولی افضل ہے، یہ مضمون حدیث سے ثابت ہے۔(۱)

الحمد للہ کہ یہاں تک بخوبی ثابت ہوگیا کہ خلاف شرع حکم والدین کا ماننا جائز نہیں اور وہ مقامات بھی معلوم ہوگئے جہاں اطاعت والدین فرض مستحب ہے، الغرض ہر حکم میں والدین کی تعمیل لازم نہیں اور معتبر حدیث میں ہے کہ "انزلوا الناس منازلھم" یعنی لوگوں کو ان کے درجوں پر قائم کرو نہ کسی کو حد سے زیادہ بڑھاؤ نہ حد سے زیادہ گھٹاؤ خود افضل البشر سید الانبیاء ﷺ نے اپنی حد سے زیادہ تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ آپ کا رتبہ والدین وغیرہ سب سے زیادہ ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین و صلی اللّٰہ علی سیدنا المرسلین و آلہ اجمعین و سلم۔

تذئیل مفید

استاد و مرشد اور زوجین کے حقوق

استاد و مرشد کا بڑا حق ہے لیکن والدین سے کم ہے،(۲) بعضے حضرات سے غلطی ہوئی ہے جنہوں نے استاد و مرشد کے حق کو والدین کے حق پر ترجیح دی ہے اور والدین کے حق کو استاد و مرشد کے حق سے کم فرمایا ہے اور شاید ان کی دلیل یہ ہوگی کہ والدین تربیت ظاہری و جسمانی کرتے ہیں اور یہ حضرات تعلیم باطنی و تربیت روحانی فرماتے ہیں

(۱) قد جاء فی فضل الذکر احادیث یدل علیه وان شئت شرحه فانظر فی شرح المشکوة لشیخ الدهلوی.

(۲) فلا تلتفت الی ما قال فی عالمگیریه ناقلا عن شرح شرعته الاسلام من تقدیم حقوق الاستاد علی الابوین فان لیس فیه نص ولا قیاس صحیح والاجماع ۱۲ منه۔

اور روح و باطن کا فضل جسم پر ظاہر ہے مگر یہ دلیل نہایت ضعیف قابل اعتماد نہیں کہ جزئی فضل ہے کلی فضل نہیں، پس ایک جہت سے بزرگی ہونا دوسری جہات سے افضل ہونے کے منافی نہیں اور نہ کہیں قرآن وحدیث میں اس قدر اہتمام کے ساتھ استاد و مرشد کے حقوق کا بیان ہے، جیسا کہ والدین کے حقوق کا اہتمام شدت سے فرمایا گیا ہے، استاد و مرشد میں فقط تعلیم کی وجہ سے حق قائم ہوتا ہے، والدین بے شمار سختیوں اور بے طمع محبت سے اولاد کی پرورش کرتے ہیں باوجود اولاد کی گستاخی اور سرکشی کے اپنی اضطراری محبت سے اولاد پر شفقت کرنے سے اعراض نہیں فرماتے اور جان و دل ان پر قربان کرتے ہیں بخلاف استاد پیر کے تھوڑی خفگی کی بھی اس قدر برداشت دشوار ہے جیسا کہ والدین بے شمار سختیوں کا تحمل کرتے ہیں، اور جزا بمقدار عمل ہوا کرتی ہے، پس چونکہ والدین کا عمل بہت بڑا ہے، لہٰذا درجہ بھی بڑا ہوا گو بطریق شذوذ وندرت (شاذ و نادر) بعض والدین میں شفقت مرشد و استاد سے کم پائی جائے اور بعض استاد و مرشد میں والدین سے زائد شفقت پائی جائے، پس اس کا اعتبار نہیں اس لئے کہ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے، مدار حکم یہ امر نہیں ہوسکتا مدار حکم وہی ہے، جو بیان ہوا خوب سمجھ لو اور مرشد و استاد کا حق دل و جان سے سعی کر کے ادا کرو کہ ان کے ذریعہ سے انسانیت اور رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے، مگر حد کو ملحوظ رکھو یہ مختصر مضمون اس موقع پر کافی ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ استاد کے حکم سے بیوی کو طلاق دینا ضرور ہے یہ غلط محض ہے اور ہر موقع پر تو والدین کا بھی اتنا حق نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا، سوائے عظمت و تکریم اور ضرورت کے وقت مثل خدمت دیگر حضرات ان کی خدمت کرنے کی مثل والدین کی اطاعت لازم نہیں ہاں قریب واجب ضرور ہے، اس موقع پر جہاں والدین کی اطاعت لازم ہے، خوب سمجھ لو اور استاد اگر فاسق یا کافر ہو تو بھی اس کی تعظیم اور ادائے حقوق میں کمی نہ کرے۔

بیوی کے ذمہ خاوند کے حقوق

بیوی کے ذمہ خاوند کی خدمت اور اس کی خواہش کو پورا کرنا لازم اور فرض ہے، وہ کوئی مباح کام ایسا نہیں کرسکتی جس میں خاوند کی خدمت وغیرہ میں خلل پڑے۔ دنیا میں بیوی پر خاوند کا جتنا حق ہے اتنا کسی کا کسی پر نہیں جیسا کہ حدیث مشکوۃ میں ہے کہ فرمایا جناب رسول کریم ﷺ نے ''اگر میں سجدہ کرنے کا غیر خدائے تعالیٰ کے لئے حکم کرتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے'' یہاں سے کس قدر عظمت شوہر کی ثابت ہوئی کہ عبادت جو مخصوصات خداوندی میں سے ہے اگر غیر خدا کے لئے روا ہوتی تو اس کا اہل شوہر کے سوا کوئی دوسرا نہ ہوتا، لیکن ہر حکم خاوند کا ماننا ضروری نہیں ہاں خاوند کا وہ حکم جس کے نہ کرنے سے اسے تکلیف ہو، اس کی خدمت کا حرج ہو یا کسی کام کے کرنے سے ایسا ہو پس ضرور ہے کہ ایسے امور میں بشرطیکہ وہ امور خلاف شرع نہ ہوں، خاوند کی تابعداری کرے اور اس کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے اور کسی طرح اس کے حقوق میں کمی نہ کرے، اور یہ مضمون والدین کے حقوق کے بارہ میں تفصیلی بیان ہو چکا ہے، بعینہ وہی حکم یہاں ہے، مگر یہاں زیادہ مؤکد ہے سمجھانے کے لئے چند مسائل نمونے کے طور لکھتا ہوں۔

بیوی اور شوہر کا مال شرعاً علیحدہ علیحدہ ہے

خاوند اور زوجہ کا مال شرعاً جدا جدا سمجھا جاتا ہے جس چیز کی فروخت اور ہر قسم کے تصرف کا حق زوجہ کو حاصل ہوگا وہ مال اس کا مملوک ہوگا اور جس مال پر اسی طرح زوج کا تصرف ہو وہ مال زوج کا ہے، خلط ملط اور گڑبڑ کرنے سے اگر مال حد نصاب کو پہنچ جائے تو زکوۃ وغیرہ ساقط نہ ہوگی، پس اگر خاوند کہے کہ میرا تیرا ایک ہی معاملہ ہے تو زکوۃ ادا نہ کر تو ہرگز اس کا کہنا نہ مانے کہ اس میں مخالفت خداوندی ہے اور کسی مخلوق کی اطاعت مخالفت الٰہی میں جائز نہیں، لوگ اس مسئلہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔

شوہر کے حکم سے فرض واجب اور سنت کو نہیں چھوڑا جا سکتا

اگر خاوند عورت کے مملوک مال جائز موقع میں صرف کرنے سے روکے تو عورت کو اس کے حکم کی تعمیل واجب نہیں جب کہ بغیر کسی وجہ شرعی کے روکے، ہاں یہ ضرور ہے کہ باہم فساد برپا کرنا اچھا نہیں حتی المقدور خوب موافقت سے رہنا چاہئے، بعضے شوہر چونکہ دین دار نہیں ہوتے اسی وجہ سے ایسے موقعوں پر مخالفت کرنے لگتے ہیں، ایسے فساد سے بچنے کے لئے جائز اور مکروہ تنزیہی امور میں اس کی اطاعت کرسکتی ہے، ہاں فرض وواجب وسنت مؤکدہ کو اس کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتی۔

بغیر اجازت شوہر کسی بزرگ سے بیعت ہونا جائز ہے، ہاں کسی فساد کا اندیشہ ہو تو اس فساد کو رفع کرنے کی وجہ سے یہ جائز ہے، کہ بیعت نہ ہو مثلاً خاوند منع کرے کہ تو بیعت نہ ہو اور وہ بیعت ہونا چاہتی ہے اگر باہمت ہو تو اللہ کے بھروسہ پر بیعت ہو جائے لیکن پھر کوئی رنج اس وجہ سے پیش آئے تو صبر کرے ناشکری نہ کرے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی ہیں آخرت میں ایسے لوگوں کا بڑا درجہ ہے اور یہی حکم ان کاموں کا ہے، جو مکروہ تنزیہی ہیں اور خاوند ان کے کرنے کو کہے۔

خاوند کی موجودگی میں نفلی عبادت کا حکم

اگر خاوند مکان پر موجود ہو تو نفلی روزہ نماز بغیر اس کی اجازت کے نہ پڑھے اس لئے کہ شاید اس کی خدمت میں اس وجہ سے کوتاہی ہو جائے ہاں اس کی اجازت سے پڑھے حدیث شریف میں مکان پر موجود ہونے کی قید آئی ہے اگر باہر ہو تو بغیر اجازت مضائقہ نہیں اور اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو امور خاوند کے حقوق میں خلل انداز ہوں ان کا کرنا بغیر اس کی اجازت جائز نہیں اور باقی سب کام شرع کے موافق کرنے درست ہیں، اگر شوہر کوئی جائز کام کسی اپنے قرابت دار یا کسی غیر کا عورت سے کروائے بغیر کسی مجبوری تو اس کا کرنا عورت کے ذمہ ضروری نہیں مثلاً کسی کے لئے روٹی پکوائے یا کپڑا سلوائے یا کوئی ایسا ہی کام کرائے اگر کسی مجبوری سے

کرائے تو چونکہ اس کام کے نہ کرنے میں خاوند کو تکلیف ہوگی اس لئے ضروری ہے کہ کردے۔

فائدہ جلیلہ

اگر عورت کسی غیر محرم کا بلاسخت مجبوری کپڑے سیئے تو اگر وہ شخص اچھا دیندار ہے اور کوئی فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو کوئی گناہ نہیں اور اگر وہ شخص بد دین ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو سینا درست نہیں، بعضے بدچلن لوگ سیون دیکھ کر لذت حاصل کرتے ہیں۔ بطور نمونہ یہ تھوڑا سا مضمون مبالغہ سے بچانے کے لئے لکھ دیا گیا تاکہ وہ مواضع معلوم ہوں کہ جہاں اطاعت شوہر ضروری اور جہاں غیر ضروری ہے ورنہ خاوند کی اطاعت شرع کے موافق جس قدر ہو بڑی عمدہ بات ہے، بڑا درجہ جنت میں ایسی عورت کو حاصل ہوگا، ہاں نوافل وغیرہ عبادت کا بھی خیال رکھے کہ اصلی مقصود پیدائش مخلوق سے طاعت الٰہی ہے اور اس کا تفصیلی حال کہ جس حالت میں ذکر اللہ والدین کی غیر ضروری اطاعت سے افضل ہے، پیشتر بیان کرچکے ہیں وہی حکم یہاں بھی ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جاہ ہے تماشا نہیں ہے

الحمد للہ تعالیٰ کہ تذئیل مفید تمام ہوگئی اللہ تعالیٰ مقبول اور نافع فرمائے بطفیل جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

تعدیل حقوق الوالدین

یعنی

والدین کے حقوق میں اعتدال

مصنفہ

مجدّد الملت حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

ناشر

ادارہ اسلامیات

کراچی - لاہور

تعدیل حقوق الوالدین

از جانب محشی بہشتی گوہر التماس ہے کہ یہ مضمون جو بعنوان ضمیمہ ثانیہ درج کیا جاتا ہے حضرت مولانا اشرف علی صاحب کا تحریر فرمودہ ہے جس میں والدین کے حقوق کی تحقیق و تفصیل کی گئی ہے، ہر چند کی بہشتی زیور حصہ پنجم میں بضمن حقوق والدین کا بھی اجمالی تذکرہ آچکا ہے، لیکن چونکہ وہ مشترک تھا عورتوں اور مردوں کے درمیان اور اس موجودہ مضمون کا تعلق زیادہ مردوں سے ہے، اس لئے بہشتی گوہر میں اس کا ملحق کرنا مناسب معلوم ہوا، پس اس کو حصہ پنجم بہشتی زیور کا تتمہ سمجھنا چاہئے اور مضمون مذکور یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ، قال الله تعالیٰ ان الله يامركم ان تودوا الامانات الى اهلها واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل، الآية (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کرو، اور جب تم لوگوں میں حکم کرو انصاف سے حکم کرو، اس آیت کے عموم سے دو حکم مفہوم ہوئے، ایک یہ ہے کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق واجبہ کا ادا کرنا واجب ہے، دوسرے یہ کہ ایک حق کے لئے دوسرے شخص کا حق ضائع کرنا ناجائز ہے، ان دونوں حکم کلی کے متعلقات میں سے وہ خاص دو جزئی مواقع بھی ہیں جن کے متعلق اس وقت تحقیق کرنے کا قصد ہے، ایک ان میں سے والدین کے حقوق واجبہ و غیر واجبہ کی تعین ہے، دوسرے والدین کے حقوق اور زوجہ یا اولاد کے حقوق میں تعارض و تزاحم کے وقت ان حقوق کی تعدیل ہے اور ضرورت اس تحقیق کی یہ ہوئی کہ واقعات غیر محصورہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح بعض بے قید لوگ والدین کے حق میں تفریط (کمی) کرتے ہیں اور ان کے

وجوب اطاعت کی نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے حقوق کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔

اسی طرح بعض دیندار والدین کے حق میں افراط (زیادتی) کرتے ہیں جس سے دوسرے صاحب حق کے حقوق مثلاً زوجہ کے یا اولاد کے تلف ہوتے ہیں اور ان کے وجوب رعایت کی نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے اتلاف حقوق کا وبال اپنے سر لیتے ہیں، اور بعض کسی صاحب حق کا حق تو ضائع نہیں کرتے لیکن حقوق غیر واجبہ کو واجب سمجھ کر ان کے ادا کا قصد کرتے ہیں اور چونکہ بعض اوقات ان کا تحمل نہیں ہوتا اس لئے تنگ ہوتے ہیں، اور اس سے وسوسہ ہونے لگتا ہے، کہ بعض احکام شرعیہ میں نا قابل برداشت سختی اور تنگی ہے، اس طرح سے ان بیچاروں کے دین کو ضرر پہنچتا ہے، اور اس حیثیت سے اس کو بھی صاحب حق کے حقوق واجبہ ضائع کرنے میں داخل کر سکتے ہیں اور وہ صاحب حق اس شخص کا نفس ہے کہ اس کے بھی بعض حقوق واجب ہیں "کما قال ﷺ ان لنفسك عليك حقا" (تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے) اور ان حقوق واجبہ میں سب سے بڑھ کر حفاظت اپنے دین کی ہے، پس جب والدین کے غیر واجب حق کو واجب سمجھنا مفضی ہوا اس معصیت مذکورہ کی طرف، اس لئے حقوق واجبہ وغیر واجبہ کا امتیاز واجب ہوا اس امتیاز کے بعد پھر اگر عملاً ان حقوق کا التزام کرے گا، مگر اعتقاداً واجب نہ سمجھے گا تو وہ محذور تو لازم نہ آئے گا، اس کی تنگی کو اپنے ہاتھوں کی خریدی ہوئی سمجھے گا، اور جب تک برداشت کرے گا اس کی عالی ہمتی ہے اور اس تصور میں بھی ایک گونہ حظ ہوگا کہ میں باوجود میرے ذمہ نہ ہونے کے اس کا تحمل کرتا ہوں اور جب چاہے گا سبکدوش ہو سکے گا۔

غرض علم احکام میں ہر طرح کی مصلحت ہی مصلحت ہے، اور جہل میں ہر طرح کی مضرت ہی مضرت ہے، پس اسی تمیز کی غرض سے یہ چند سطور لکھتا ہوں، اب اس تمہید کے بعد اول اس کے متعلق ضروری روایات حدیثیہ وفقہیہ جمع کر کے پھر ان سے جو احکام ماخوذ ہوتے ہیں ان کی تقریر کر دوں گا، اور اس کو اگر "تعدیل حقوق الوالدین" کے

لقب سے نامزد کیا جائے تو نازیبا نہیں، واللّٰہ المستعان وعلیہ التکلان۔

(نوٹ) عربی عبارت کا حاصل مطلب اردو میں عوام کے فائدہ کے لئے اس مرتبہ اضافہ کردیا گیا ہے ۱۲۔

فی المشکوٰۃ عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال کانت تحتی امرأۃ احبھا وکان عمر رضی اللّٰہ عنہ یکرھھا فقال لی طلقھا، فابیت فاتی عمر رسول اللّٰہ ﷺ فذکر ذلک لہ فقال لی رسول اللّٰہ ﷺ طلقھا۔ رواہ الترمذی، فی المرقاۃ، طلقھا امر ندب او وجوب ان کان ھناک باعث اخر، وقال الامام الغزالی فی الاحیاء ج ۲ ص ۲۶ کشوری فی ھذا الحدیث فھذا یدل علی ان حق الوالد مقدم ولکن لا یکرھھا لا لغرض فاسد مثل عمر رضی اللّٰہ عنہ۔

فی المشکوۃ عن معاذ رضی اللّٰہ عنہ قال او صانی رسول اللّٰہ ﷺ وساق الحدیث وفیہ لا تعصن والدیک وان امراک ان تخرج من اھلک ومالک الحدیث فی المرقاۃ، شرط للمبالغۃ باعتبار الاکمل ایضا اما باعتبار اصل الجواز فلا یلزمہ طلاق زوجۃ امراۃ بفراقھا وان تأذیا ببقاء ھا ایذاء شدیدا لانہ قد یحصل لہ ضرر بھا فلا یکلفہ لا جلھما اذمن شان شفقتھما انھما لو تحققا ذلک لم یا مرابہ فالزامھما لہ بہ مع ذلک حمق منھما ولا یلتفت الیہ، وکذلک اخراج مالہ انتھی مختصرا، قلت والقرینۃ علی کونہ للمبالغۃ اقترانہ لقولہ علیہ السلام فی ذلک الحدیث لا تشرک باللّٰہ وان قتلت أو حرقت فھذا للمبالغۃ قطعا والافنفس الجواز بتلفظ کلمۃ الکفر وان یفعل ما یقتضی الکفر ثابت بقولہ تعالی "من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ" الآیۃ فافھم۔

فی المشکوۃ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال رسول اللّٰہ ﷺ من اصبح مطیعا للّٰہ فی والدیہ (الحدیث) وفیہ قال رجل وان ظلماہ قال وان ظلماہ وان ظلماہ وان ظلماہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان، فی المرقاۃ

فی والدیه ای فی حقهما وفیه ان طاعة الوالدین لم تکن طاعة مستقلة بل هی طاعة الله التی بلغت توصیتها من الله تعالی بحسب طاعتهما لطاعته الی ان قال ویؤیده انه وردلا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق، وفیها وان ظلماه قال الطیبی یراد بالظلم ما یتعلق بالامور الدنیویة لا الا خرویة قلت وقوله ﷺ هذا وان ظلماه کقوله علیه السلام فی ارضاء المصدق "ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم" رواه ابو داؤد ولقوله ﷺ فیهم وان ظلموا فعلیهم ۔ الحدیث رواه ابو داؤد ومعناه علی ما فی اللمعات قوله وان ظلموا ای بحسب زعمکم او علی الفرض والتقدیر مبالغة ولو کانوا ظلمین حقیقة کیف یامرهم بارضأهم۔

فی المشکوة عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی ﷺ فی قصة ثلثة نفریتما شون واخذهم المطرفما لوا الی غار فی الجبل فانحطت علی فم غارهم صخرة فاطبقت علیهم فذکر احدهم من امره فقمت عند روسهما (ای الوالدین) الذین کانا شیخین کبیرین کما فی هذا الحدیث) اکره ان اوقظهما واکره ان ابدأ بالصبیة قبلهما والصبیة یتضاغون عند قدمی الحدیث متفق علیه۔ فی المرقاة تقدیما لا حسان الوالدین علی المولو دین لتعارض صغرهم بکبرهما فان الرجل الکبیر یبقی کالطفل الصغیر قلت وهذا التضاغی کما فی قصة اضیاف ابی طلحة قال فعلیهم بشئی ونومیهم فی جواب قول امرأته لما سئلها هل عندك شئی قالت لا الا قوت صبیانی ومعناه کما فی اللعمات قالوا وهذا محمول علی ان الصبیان لم یکونوا محتاجین الی الطعام وانما کان طلبهم علی عادة الصبیان من غیر جوع والا وجب تقدیمهم وکیف یترکان واجبا وقد اثنی الله علیهما، اه، قلت ایضا وما یؤید وجوب الاضطراری الی هذا التاویل تقدم حق الولد الصغیر علی حق الوالد فی نفسه کما فی الدر المختار باب النفقة ولوله

اب وطفل فالطفل احق به وقيل(بصيغة التمريض) يقسمهما فيهما۔

فى كتاب الاثار للامام محمد رحمه الله ص ١٥٤ عن عائشه رضى الله عنها قالت افضل ما اكلتم كسبكم وان او لادكم من كسبكم قال محمد لا باس به اذا كان محتاجا ان ياكل من مال ابنه بالمعروف فان كان غنيا فاخذمنه شيئا فهو دين عليه وهو قول ابى حنيفة، محمد قال أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال ليس للاب من مال ابنه شئى الا ان يحتاج اليه من طعام او شراب او كسوة قال محمد وبه ناخذ وهو قول أبى حنيفة، فى كنز العمال ج٨ ص ٢٨٣ عن الحاكم وغيره ان اولادكم هبة الله تعالىٰ لكم يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور فهم واموالهم لكم اذا احتجتم اليها اه(سنده صحيح ١٢ محشى) قلت دل قوله ﷺ فى الحديث اذا احتجتم على تقييد الامام محمد قول عائشة ان اولادكم من كسبكم بما اذا كان محتاجا ويلزم التقيد كونه دينا عليه اذا اخذ من غير حاجة كما هو ظاهر،

قلت وايضا فسر ابو بكر الصديق رضى الله عنه بهذا قوله ﷺ انت ومالك لا بيك" قال ابو بكر انما يعنى بذلك النفقة رواه البيهقى كذا فى تاريخ الخلفاء ٦٥ وفى الدر المختار لا يفرض(القتال) على صبى وبالغ له قبلها او احدهما لان طاعتهما فرض عين الى ان قال لا يحل سفر فيه خطر الاباذنهما ومالا خطر فيه يحل بلا اذن ومنه السفر فى طلب العلم فى رد المختار انهما فى سعة من منعه اذا كان يدخلهما من ذلك مشقة شديدة وشمل الكافرين ايضاً او احدهما اذا كره خروجه مخافة ومشقة والابل لكراهة قتال اهل دينه فلا يطيعه مالم يخف عليه الضيعة اذلو كان معسرا محتاجا الى خدمته فرضت عليه ولو كافرا وليس من الصواب ترك فرض عين لتوصل الى فرض كفاية، قوله فيه خطر كالجهاد وسفر البحر،

قوله وما لا خطر كالسفر للتجارة والحج والعمرة يحل بلا اذن الا ان خيف عليهما الضيعة(سرخسى) قوله ومنه السفر فى طلب العلم لانه اولى من التجارة اذا كان الطريق امنا ولم يخف عليهما الضيعة (سرخسى) اه قلت ومثله فى البحر الرائق والفتاوى الهندية وفيهما فى مسئلة فلا بدمن الاستيذ ان فيه اذا كان له منه بد، ج٦ ص٢٤٢ فى الدر المختار باب النفقة وكذا تجب لها السكنى فى بيت خال عن اهله وعن اهلها الخ وفى رد المختار بعد ما نقل الاقوال المختلفة ما نصه ففى الشريفة ذات اليسار لا بدمن افرادها فى دار ومتوسطة الحال يكفيها بيت واحد من دار واطال الى ان قال واهل بلادنا الشامية لا يسكنون فى بيت من دار مشتملة عليه اجانب وهذا فى او ساطهم فضلا عن اشرافهم الا ان تكون دارا موروثة بين اخوة مثلا فيسكن كل منهم فى جهة منها مع الاشتراك فى موافقها ثم قال لا شك ان المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان فعلى المفتى ان ينظر الى حال اهل زمانه وبلده اذ بدون ذالك لا تحصل المعاشرة بالمعروف۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی میں اس سے خوش تھا اور اس سے محبت رکھتا تھا، مگر حضرت عمرؓ میرے باپ اس سے ناخوش تھے، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اس عورت کو طلاق دیدے میں نے انکار کیا اس کے بعد حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ قصہ ذکر کیا، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس عورت کو طلاق دیدے، مرقاۃ میں لکھا ہے کہ یہ طلاق کا امر بطور استحباب کے تھا، یا اگر وہاں پر کوئی اور سبب بھی موجود تھا تو وجوب کے لئے تھا، امام غزالی احیاء میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ والد کا حق مقدم ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ والد اس عورت کو کسی غرض فاسد کی وجہ سے برا نہ سمجھتا ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ کسی غرض فاسد کی وجہ سے اسے برا نہ سمجھتے تھے۔

حضرت معاذ﷜ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کر اگرچہ وہ تجھ کو یہ حکم کریں کہ اہل وعیال اور مال سے علیحدہ ہو جا، مرقاۃ میں لکھا ہے کہ یہ مبالغہ اور کمال اطاعت کا بیان ہے ورنہ اصل حکم کے لحاظ سے لڑکے کے لئے والدین کے فرمانے کی بناء پر اپنی بیوی کو طلاق دینا ضروری نہیں اگرچہ ماں باپ کو بیوی کے طلاق نہ دینے سے سخت تکلیف ہو کیونکہ اس کی وجہ سے کبھی لڑکے کو سخت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے اور ماں باپ کی شفقت سے یہ بعید ہے کہ وہ بیٹے کی تکلیف کو جانتے ہوئے اس کا حکم کریں کہ وہ بیوی یا مال کو علیحدہ کر دے، پس ایسی صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مبالغہ کے لئے ہونے کا یہ قرینہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ خدا کے ساتھ شرک نہ کر اگرچہ تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے، اور یہ یقیناً مبالغہ ہے ورنہ کلمہ کفر ایسی مجبوری کی حالت میں کہنا اللہ تعالیٰ کے قول ﴿من كفر بالله بعد ايمانه﴾ سے ثابت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے ماں باپ میں اللہ کا مطیع ہوتا ہے تو اگر دونوں ہوں تو دو دروازے جنت کے کھل جاتے ہیں اور اگر ایک ہو تو ایک، اور اگر نافرمانی کرتا ہے تو اگر دونوں کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے لئے دو دروازے دوزخ کے کھل جاتے ہیں، اور اگر ایک کی نافرمانی کرتا ہے تو ایک کھل جاتا ہے۔

اسی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اگرچہ ماں باپ اس پر ظلم ہی کرتے ہوں، رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اگرچہ وہ دونوں ظلم ہی کرتے ہوں، مرقاۃ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ماں باپ میں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حقوق میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور ان کے حقوق ادا کرتا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ والدین کی اطاعت مستقل ان کی اطاعت نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر وصیت فرمائی ہے، اس لئے ان کی

اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھتے ہوئے کرنی چاہئے، یعنی جو بات وہ خدا کے حکم کے مطابق کہیں اس کو ماننا چاہئے اور جو اس کے حکم کے خلاف کہیں اسے نہ ماننا چاہئے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری نہیں، اور مرقاۃ میں لکھا ہے کہ ماں باپ کے ظلم سے مراد حدیث میں دنیوی ظلم ہے اخروی ظلم نہیں، یعنی دنیوی امور میں اگر چہ وہ زیادتی کریں تب بھی ان کی فرمانبرداری لازم ہے، اور اگر وہ دین کے خلاف کوئی بات کریں تو اس میں ان کی فرمانبرداری نہ کرنی چاہئے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر چہ وہ دونوں ظلم کریں ایسا ہے جیسا کہ آپ نے زکوۃ وصول کرنے والے کے متعلق فرمایا کہ اپنے زکوۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو اگر چہ تم پر ظلم کیا جائے، لمعات میں لکھا ہے، اس سے مقصود مبالغہ ہے، یعنی تمہارے خیال میں یا بالفرض اگر وہ ظلم کریں تب بھی تم ان کو راضی کرو کیونکہ اگر وہ واقعی ظلم کرتے تھے، تو آپ ان کو راضی کرنے کا حکم کیسے فرما سکتے تھے۔

مشکوۃ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے (ان تین آدمیوں کے قصہ میں) روایت کرتے ہیں جو کہیں چلے جارہے تھے اور بارش آگئی وہ ایک پہاڑ میں غار کے اندر چلے گئے اس کے بعد غار کے منہ پر ایک بڑا پتھر گر پڑا اور اس نے دروازہ بند کر دیا، انہوں نے آپس میں کہا کہ تم اپنے اپنے نیک اعمال دیکھو جو خالص اللہ کے واسطے کئے ہوں اور ان کا واسطہ دے کر دعا مانگو تا کہ اللہ تعالیٰ دروازہ کھول دے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے بچے بھی تھے، میں بکریاں چرایا کرتا تھا، اور شام کو جب گھر آتا تو بکریوں کا دودھ نکال کر اپنے ماں باپ کو اپنے بچوں سے پہلے پلاتا تھا، ایک دن میں بہت دور چلا گیا اور جب شام کو آیا تو میں نے اپنے ماں باپ کو سویا ہوا پایا، میں نے حسب معمول دودھ نکالا اور دودھ کا برتن لے کر ان کے سر کے پاس کھڑا رہا اور ان کو جگانا اچھا نہ سمجھا اور یہ بھی برا سمجھا کہ ان سے پہلے بچوں کو پلاؤں اور بچے میرے پیروں میں پڑے روتے چلاتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

میں کہتا ہوں کہ بچوں کا رونا چلانا ایسا ہی تھا جیسا کہ ابوطلحہ ﷺ کے مہمانوں کے قصہ میں ہے جب انہوں نے اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کے لئے ہے؟ بیوی نے کہا: نہیں صرف بچوں کی خوراک ہے تو ابوطلحہ ﷺ نے کہا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو، لمعات میں لکھا ہے کہ علماء نے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ وہ بچے بھوکے نہیں تھے بلکہ بلا بھوک مانگ رہے تھے جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے ورنہ اگر وہ بھوکے ہوتے تو ان کو کھلانا واجب تھا اور واجب کو وہ کیسے ترک کر سکتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابوطلحہ اوران کی بیوی کی تعریف کی۔

میں کہتا ہوں کہ اس تاویل کی ضرورت اس سے بھی ثابت ہوئی کہ والد سے چھوٹے بچے کا حق مقدم ہے جیسا کہ درمختار میں ہے کہ اگر کسی کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں تو خرچہ کے اعتبار سے بیٹا باپ سے زیادہ مستحق ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں پر تقسیم کردے، امام محمدؒ کی کتاب الاثار میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ سب سے بہتر روزی اپنی کمائی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں داخل ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب باپ محتاج ہو تو بیٹے کے مال میں سے کھانے کا مضائقہ نہیں، لیکن ضرورت کے مطابق خرچ کرے، فضول خرچی نہ کرے، اگر باپ مالدار ہے اور پھر بیٹے کا مال لیتا ہے، تو وہ اس پر قرض ہے یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے، اور یہ معمول بہ ہے، امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حمادؒ سے اور وہ ابراہیمؒ سے کہ باپ کے لئے بیٹے کے مال میں کوئی حق نہیں، مگر یہ کہ وہ کھانے، پینے، کپڑے کا محتاج ہو، امامؒ نے فرمایا کہ اسی پر ہم عمل کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

کنز العمال میں حاکم وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، جس کو چاہتے ہیں لڑکیاں دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں لڑکے دیتے ہیں، پس وہ اولاد اور ان کا مال تمہارے لئے ہے جب تم کو ضرورت ہو، میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کا یہ قول کہ (جب تم کو ضرورت ہو) اس مسئلہ پر دلالت کرتا ہے، جو مسئلہ ابھی امام محمدؒ نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے اخذ کیا تھا، نیز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی کہ ''تو تیرا مال اپنے باپ کے لئے ہے'' یہی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد نان نفقہ ہے، درمختار میں ہے کہ ایسے نابالغ اور جوان لڑکے پر جہاد فرض نہیں ہوتا جس کے ماں باپ دونوں یا ایک موجود ہو کیونکہ ان کی اطاعت فرض عین ہے، اور کوئی ایسا سفر کرنا جائز نہیں جس میں خطرہ ہو، مگر ان کی اجازت سے، اور جس میں خطرہ نہ ہو وہ بلا اجازت جائز ہے منجملہ اس کے علم حاصل کرنے کے لئے سفر بھی ہے، ردالمحتار میں ہے کہ ماں باپ کو اس سفر سے روکنے کی گنجائش ہے جبکہ اس کی وجہ سے وہ سخت مشقت میں مبتلاء ہوتے ہوں، اور کافر ماں باپ کا بھی یہی حکم ہے جبکہ اس کے سفر سے ان کو اندیشہ ہو اور اگر وہ اپنے اہل دین کے قتال کی وجہ سے روکتے ہوں تو ان کی اطاعت نہ کریں جب تک کہ ان کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ اگر وہ تنگدست اور اس کی خدمت کے محتاج ہوں تو اس پر خدمت فرض ہے اگر چہ وہ کافر ہوں، اور فرض عین کو فرض کفایہ کی خاطر ترک کرنا ٹھیک نہیں، وہ سفر جس میں خطرہ ہو جیسے جہاد اور سمندر کا سفر ہے، اور جس میں خطرہ نہیں جیسے تجارت، حج وعمرہ کے لئے سفر کرنا وہ بلا اجازت جائز ہے، مگر یہ کہ ہلاکت کا خوف اور علم کا سفر بھی اسی میں داخل ہے جبکہ راستہ مامون ہو اور ہلاکت کا خوف نہ ہو، بحرالرائق وفتاوی ہندیہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

اور فتاوی ہندیہ میں ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ والدین سے اجازت لینا ضروری ہے جبکہ ضروری کام نہ ہو، درمختار باب النفقۃ میں ہے کہ بیوی کے لئے ایسا گھر دینا جس میں بیوی یا شوہر کے اقارب میں سے کوئی نہ رہتا ہو واجب ہے، درمختار میں اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شریف مالدار عورت کے لئے متوسط درجہ کا ایک گھر دینا ضروری ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے شام کے شہروں میں متوسط درجہ کے لوگ بھی ایسے گھروں میں نہیں رہتے جن میں اجنبی لوگ رہتے ہوں چہ جائیکہ امیر اور شریف لوگ رہیں، مگر یہ کہ گھر چند بھائیوں کے درمیان مشترک اور موروث ہو تو ایسی صورت میں ہر ایک اپنے حصہ میں رہتا ہے اور گھر کے حقوق وضروریات مشترک

ہوتے ہیں، اس کے بعد کہا ہے کہ عرف زمان اور مکان کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے، مفتی کو زمان اور مکان پر نظر رکھنی ضروری ہے، بلا اس کے معاشرۃ بالمعروف حاصل نہیں ہوسکتی۔ (ترجمہ ختم ہوگیا)۔

ان روایات سے چند مسائل ظاہر ہوئے، اول جو امر شرعاً واجب ہو اور ماں باپ اس سے منع کریں اس میں اس کی اطاعت جائز بھی نہیں واجب ہونے کا تو کیا احتمال ہے، اس قاعدے میں یہ فروع بھی آ گئے مثلاً اس شخص کے پاس مالی وسعت اس قدر کم ہے کہ اگر ماں باپ کی خدمت کرے تو بیوی بچوں کو تکلیف ہونے لگے تو اس شخص کو جائز نہیں کہ بیوی بچوں کو تکلیف دے اور ماں باپ پر خرچ کرے اور مثلاً بیوی کا حق ہے کہ وہ شوہر سے ماں باپ سے جدا رہنے کا مطالبہ کرے، پس اگر وہ اس کی خواہش کرے اور ماں باپ اس کو شامل رکھنا چاہیں تو شوہر کو جائز نہیں کہ اس حالت میں بیوی کو ان میں شامل رکھے، بلکہ واجب ہوگا کہ اس کو جدا رکھے یا مثلاً حج وعمرہ کو یا طلب العلم بقدر الفریضۃ کو نہ جانے دیں تو اس میں ان کی اطاعت ناجائز ہوگی۔

دوم: جو امر شرعاً ناجائز ہو اور ماں باپ اس کا حکم کریں اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں مثلاً وہ کسی ناجائز نوکری کا حکم کریں یا رسوم جہالت اختیار کروائیں وعلی ہذا۔

سوم: جو امر شرعاً نہ واجب ہو اور نہ ممنوع ہو بلکہ مباح ہو بلکہ خواہ مستحب ہی ہو اور ماں باپ اس کے کرنے یا نہ کرنے کو کہیں تو اس میں تفصیل ہے، دیکھنا چاہئے کہ اس امر کی اس شخص کو ایسی ضرورت ہے کہ بدون اس کے تکلیف ہوگی، مثلاً غریب آدمی ہے پاس پیسہ نہیں بستی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں، مگر ماں باپ نہیں جانے دیتے، یا یہ کہ اس شخص کو ایسی ضرورت نہیں، اگر اس درجہ کی ضرورت ہے تو اس میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں اور اگر اس درجہ کی ضرورت نہیں تو پھر دیکھنا چاہئے کہ اس کام کے کرنے میں کوئی خطرہ یا اندیشہ ہلاک یا مرض کا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کے اس کام میں مشغول ہو جانے سے بوجہ کوئی خادم وسامان نہ ہونے کے خود ان

کے تکلیف اٹھانے کا احتمال قوی ہے یا نہیں؟ پس اگر اس کام میں خطرہ ہے یا اس کے غائب ہو جانے سے بوجہ بے سروسامانی تکلیف ہوگی تب تو ان کی مخالفت جائز نہیں مثلاً غیر واجب لڑائی میں جاتا ہے یا سمندر کا سفر کرتا ہے یا پھر کوئی ان کا خبر گیراں نہ رہے گا. اور اس کے پاس اتنا مال نہیں جس سے انتظام خادم ونفقہ کافیہ کا کر جائے اور وہ کام اور سفر بھی ضروری نہیں تو اس حالت میں ان کی اطاعت واجب ہوگی، اور اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں یعنی نہ اس کام یا سفر میں اس کو کوئی خطرہ ہے اور نہ اس کی مشقت وتکلیف ظاہری کا کوئی احتمال ہے تو بلاضرورت بھی وہ کام یا سفر باوجود ان کی ممانعت کے جائز ہے گو مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی اطاعت کریں۔

اور اسی کلیہ سے ان فروع کا بھی حکم معلوم ہو گیا کہ مثلاً وہ کہیں کہ اپنی بیوی کو بلاوجہ معتد بہ طلاق دیدیں تو اطاعت واجب نہیں،"و حدیث ابن عمر رضی اللّٰه عنهما یحمل علی الاستحباب او علی امر عمر کان عن سبب صحیح" اور مثلاً وہ کہیں کہ تمام کمائی اپنی ہم کو دیا کرو تو اس میں بھی اطاعت واجب نہیں اور اگر وہ اس چیز پر جبر کریں گے تو گنہگار ہوں گے،"و حدیث انت و مالك لا بیك محمول علی الاحتیاج کیف وقد قال النبی ﷺ لا یحل مال امرأ الا بطیب نفس منه" اور اگر وہ حاجت ضروریہ سے زائد بلا اذن لیں گے تو وہ ان کے ذمہ دین ہوگا جس کا مطالبہ دنیا میں بھی ہو سکتا ہے، اگر یہاں نہ دیں گے تو قیامت میں دینا پڑے گا، فقہاء کی تصریح اس کے لئے کافی ہے وہ اس کے معانی کو خوب سمجھتے ہیں، خصوصاً جبکہ حدیث حاکم میں بھی اذا احتجتم کی قید مصرح ہے، واللہ اعلم۔

کتبہ اشرف علی ۲۷ جمادی الاخری سنہ ۱۳۳۲ھ بمقام تھانہ بھون۔

إرشاد الهائم في حقوق البهائم

جانوروں کے حقوق

مصنفہ

مجدد الملت حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

ترتیب جدید مع اضافہ

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ

ناشر

ادارہ اسلامیات

کراچی ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جانوروں کے حقوق کے متعلق چالیس حدیثیں

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا وسندنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

اما بعد! حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی ایک کتاب ''ارشاد الہائم فی حقوق البہائم'' نظر سے گزری اس میں جانوروں کے حقوق تفصیل سے لکھے ہیں اور اس سلسلہ میں تیس (۳۰) حدیثیں مع ترجمہ وتشریح جمع فرمائی ہیں اور دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ''عجلت میں مضمون کم رہا ہے اگر کوئی صاحب اضافہ فرمادیں تو موجب اجر ہے'' اللہ جل شانہ کا بے انتہاء شکر ہے کہ اس نے مجھے اس خدمت کے لئے مقبول فرمایا اور رسالہ مذکورہ میں اضافہ کرنے اور از سر نو مرتب کرنے کی توفیق دی۔

چنانچہ رسالہ مذکورہ کا یہ ایڈیشن اسی جدید ترتیب اور اضافہ کے ساتھ شائع ہورہا ہے احقر نے اس سلسلہ میں جو ترمیم کی ہے وہ امور ذیل سے ظاہر ہے:
(۱) حضرت مولانا رحمہ اللہ نے صرف تیس حدیثیں جمع فرمائی تھیں میں نے دس حدیثوں کا اضافہ کرکے چہل حدیث بنادی ہے۔ (۲) اصل کتاب میں پہلے یک جا حدیثیں جمع فرمائی تھیں اور پھر سب کا نمبروار ترجمہ مع تشریح لکھا تھا، میں نے ہر حدیث کو اس طرح درج کیا ہے کہ ایک کالم میں حدیث اور دوسرے کالم میں ترجمہ لکھ دیا ہے، اور پھر اس کی تشریح درج کردی ہے۔ (۳) بعض جگہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی عبارت سہل کرنے کے لئے چند الفاظ یا پوری عبارت میں تغیر کردیا ہے اس سے پہلے بھی حضرت مولانا رحمہ اللہ کی بعض کتابوں کی تسہیلات شائع ہوچکی ہیں، مثلاً تسہیل قصد السبیل وغیرہ۔

(۴) بعض جگہ حاشیہ میں اور بعض جگہ بین القوسین عربی لفظ کا ترجمہ لکھ دیا ہے۔

(۵) حدیث نمبر ۳۰ جو حضرت مولانا رحمہ اللہ کے رسالہ کی آخری حدیث تھی اب بھی اس کو آخر میں رکھا ہے اور اب وہ حدیث نمبر ۴۰ ہوگئی اور دس حدیثوں کا اضافہ حدیث نمبر ۲۹ اور حدیث چالیس کے درمیان کیا ہے۔

بہت سی جگہ جو متن حدیث یا ترجمہ میں کتابت کی غلطی ہوگئی تھی اس کو درست کر دیا ہے اور ہر حدیث خود مشکوۃ شریف میں دیکھ کر لکھی ہے، حدیث نمبر ۴۰ کے علاوہ (جو پہلے نمبر ۳۰ تھی) سب حدیثیں مشکوۃ شریف سے لی گئی ہیں اس رسالہ سے جہاں جانوروں کے حقوق معلوم ہوں گے وہاں غیر مسلم قوموں کے اس الزام کا جواب بھی معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان جاندار پر رحم نہیں کھاتے اور اسے کچھ نہیں سمجھتے۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کو اور احقر کو اپنی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ آمین

محمد عاشق الٰہی بلندشہری عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سافرتم فی الخِصبِ فاعطوا الابل حقّها من الارض واذ سافرتم فی السنة فاسرعوا علیها السیر وفی روایة اذا سافرتم فی السنة فبادروا بها نقیها۔ رواہ مسلم

ترجمہ:-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ہرا بھرا جنگل ہونے کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو ان کا حق زمین سے دیا کرو (یعنی تھوڑی تھوڑی دیر میں ان کو چرنے کو چھوڑ دیا کرو) اور جب قحط سالی میں سفر کرو (کہ اس زمانہ میں راستہ میں گھاس والی زمین نہ ملے) تو ان پر سفر جلدی سے قطع کرلیا کرو۔ (مسلم)

ف:-یعنی راستہ میں بے ضرورت دیر نہ لگایا کرو تا کہ منزل پر جلدی پہنچ کر کچھ چارہ وغیرہ ان کو مل جائے کیونکہ منزل پر ان چیزوں کا اہتمام رہا کرتا ہے مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب تم خشک سالی میں سفر کیا کرو تو ان کا گودا ختم ہونے سے پہلے ان کو (منزل پر) جلدی پہنچا دیا کرو (یعنی بلا وجہ دیر مت لگاؤ یا کوئی زائد مشقت مت ڈالو کہ اس کا ست ہی نکل جائے)۔

اس حدیث سے سواری کے جانور کے یہ حقوق معلوم ہوئے جن میں یکہ وگاڑی کا گھوڑا بھی داخل ہے (۱) راستہ میں اس کو بقدر حاجت آرام دینا چاہئے آثار سے تھکن معلوم ہونے لگے تو اس کو دم دے دے، تھکنے پر جانور کا بدل ڈالنا بھی اس کا ایک اچھا طریق ہے (۲) راستہ میں اگر گھاس وغیرہ نہ ہو تو منزل پر پہنچنے میں فضول دیر نہ لگائے، مثلاً کسی دوست کے ملنے کو ٹھہر گئے اور وہ جانور غریب سوکھے منہ کھڑا ہے یا فضول سیر وسیاحت وتماشے کے لئے اس جانور کو لئے پھرتے ہیں (۳) منزل پر پہنچ کر جلد سے جلد جانور کی خبر لے اس میں بھی بے حد غفلت کرتے ہیں کہ منزل پر پہنچ کر جانور

کے گھاس دانہ کو بھول جاتے ہیں خاص کر اگر وہ جانور کرایہ کا ہو تو اور بھی زیادہ غفلت کرتے ہیں۔

۲۔وعنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہٖ وسلم قال لاتتخذوا ظهور دوابكم منا برفان اللّٰه تعالیٰ انّما سخرها لكم لتبلغكم الی بلدلم تكونوا بالغیه الا بشق الانفس و جعل لكم الارض فعلیها فاقضو حاجاتكم۔

رواہ ابو داؤد

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی سواری کے جانوروں کو منبر (کے مشابہ) مت بناؤ (یعنی اس طرح کہ راستے میں مثلاً کوئی دوست مل گئے اور سواری کو روک کر اسی پر بیٹھے بیٹھے گھنٹوں باتیں کر رہے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ جانور تمہارے تابع اس لئے کر دیئے ہیں کہ تم کو ایسے مقام تک پہنچا دیں جہاں تم بدون مشقت نفس کے پہنچنے والے نہ تھے پس اس پر بغیر قطع مسافت کے گھنٹوں بیٹھے رہنا اس کو ایک زائد تکلیف پہنچانا ہے اور اس کام کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین بنائی ہے سو اس پر اتر کر اپنی حاجتیں پوری کیا کرو (یعنی زیادہ دیر تک بات چیت کرنا ہو تو سواری کو چھوڑ دو زمین پر اتر کر بات چیت کرو)۔

ف:- بہت سے امراء اس بلا میں مبتلا ہیں کہ دونوں نے گھوڑے روک لئے اور چڑھے چڑھے گھنٹوں باتیں کر رہے ہیں اور جانور اکتاتا ہے گھبراتا ٹاپیں مارتا ہے مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور زمین پر اتر نا عار سمجھتے ہیں اور چڑھے چڑھے باتیں کرنے کو شان اور فخر سمجھتے ہیں البتہ اگر کوئی مختصر سی بات ہو اس کا مضائقہ نہیں۔

۳۔وعن انس رضی اللّٰه عنه قال كنّا اذا نزلنا منزلاً لانسبح حتی نحل الرحال ۔ رواہ ابو داؤد

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی منزل پر اترتے تھے تو نماز نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ کجاووں کو نہیں کھول لیتے

تھے (اور اونٹوں پر سے نہ اتار لیتے تھے)۔ (ابوداؤد)

ف:- سبحان اللہ حضرات صحابہ ﷺ جانوروں کی کتنی رعایت کرتے تھے کہ بے ضرورت اتنی تھوڑی دیر تک بھی ان کا لدا رہنا پسند نہ کرتے تھے۔

٤ـ وعن شداد بن اوس رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الله تبارك وتعالىٰ كتب الاحسان على كل شئى فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح وليحدّ احد كم شفرته وليرح ذبيحته ـ رواه مسلم

ترجمہ:- حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنے کو ضروری فرمایا ہے سو جب تم (کسی مجرم کو) قتل کیا کرو تو اچھے طریقے سے قتل کیا کرو اور جب تم (کسی جانور) کو ذبح کیا کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کیا کرو اور اس اچھے طریقے میں یہ بھی شامل ہے کہ تم میں جو شخص بھی اس کام کا کرنے والا ہو وہ اپنے چاقو کو تیز کرلیا کرے اور اپنے ذبیحہ کو راحت دے۔ (مسلم)

ف:- مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت تکلیف نہ پہنچائے، مثلاً مستحق قتل کو یا موذی جانور کو کوئی شخص تر سا تر سا کر قتل کرے جیسا کہ کبوتر باز بلی کو مارتے ہیں یا ذبح کرنے کا چاقو کند ہو، یا رگوں کے کٹنے کے بعد کھال حلق کی کاٹنے لگے یا اور کسی طریق سے تکلیف پہنچادے یا ذبح سے پہلے اس کو بھوکا پیاسا مارے جیسے اکثر قصاب کرتے ہیں، فقہاء نے اس کے متعلق بہت سے مسئلے لکھے ہیں یہاں تک فرمایا ہے کہ ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کرے، پیشہ ور لوگ ان امور میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ خود ذبح کرنا ہی راحت کے خلاف ہے، بات یہ ہے کہ مصلحت وضرورت سے اللہ تعالیٰ نے ذبح کی اجازت دی ہے اور مصلحت کے لئے قتل کرنے کو سب ہی جائز سمجھتے ہیں حتیٰ کہ جو لوگ ذبح حیوان پر خلاف رحم ہونے کا اعتراض کرتے ہیں امن قائم کرنے کی مصلحت سے مجرم اور قاتل کے قتل کرنے کو درست سمجھتے ہیں

حالانکہ یہ بھی خلاف راحت ہے اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ اس حدیث میں قتل و ذبح کو جو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے تو اس میں اسی اعتراض کو دفع کرنا مقصود ہے۔

٥۔ وعن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینھی ان تصبر بھیمۃ او غیرھا للقتل۔(متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ اس حرکت سے منع فرماتے تھے کہ کسی بہیمہ (چوپایہ) کو یا غیر بہیمہ کو (مثلاً انسان کو) قتل کے لئے باندھ کر کھڑا کیا جائے۔(بخاری ومسلم)

٦۔وعنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَیْئًا فِیْہِ الرُّوحُ غَرَضًا۔(متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جو ایسی چیز کو نشانہ بنادے جس میں روح ہو۔(بخاری ومسلم)

ف:- بعض لوگ محض نشانہ کی مشق کے لئے جانور کو باندھ کر کھڑا کرتے ہیں اور اس کو تیر لگاتے ہیں یہ وہی مضمون ہے۔ ع

ان کا تو کھیل ، خاک میں ہم کو ملادیا

سو اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

اسی حکم میں جانور کو شکار کا آلہ بنانا جیسے شیر کا شکار کرنے والے بکرا باندھ دیتے ہیں یا مچھلی کا شکار کرنے والے کانٹے میں زندہ خراطین لگادیتے ہیں نظیرہ فی الدر المختار یکرہ تعلیم البازی بالطیر الحی لتعذیبہ، بعض لوگ دوا بنانے میں زندہ جانور کھولتے پانی میں یا گرم روغن میں ڈال دیتے ہیں جو سراسر ظلم ہے۔

٧۔ وعن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال نھیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الضرب فی الوجہ وعن الوسم فی الوجہ۔(رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے چہرہ پر مارنے سے اور چہرہ پر نشان لگانے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

۸۔ وعنه ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم مر علیه حمار قد وسّم فی وجهه قال لعن اللّٰہ الذی وسمه۔ (مسلم)

ترجمہ:- نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک گدھا گذرا اور اسکے چہرے پر نشان کیا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اس کے چہرے پر نشان لگایا ہے۔ (مسلم)

ف:- نشان کرنا جانور کے کسی دھاردار آلہ سے جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ گوشت تک نہ پہنچے صرف حد جلد تک رہے دوسرے یہ کہ چہرہ پر نہ ہو حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا قول جو کراہت اشعار میں مذکور ہے بقول امام طحاوی وامام ابومنصور ماتریدی رحمہما اللہ مراد وہ اشعار ہے جو گوشت تک پہنچ جاتا تھا (شامی ص:۳۲۰، ج:۱) باقی گرم لوہے سے داغ دینا ایسے طریقے سے تو جائز ہے جس میں زیادہ ایذا نہ ہو (شامی عن الاتفاق جلد ۵، ص:۳۸۳) ورنہ درست نہیں۔ لاحادیث النهی عن تعذیب الحیوان عامة وعن الکی خاصة وهذا النهی مختص بزیادة التاذی۔

۹۔ وعن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من قتل عصفورا فما فوقها بغیر حقها سأله اللّٰہ تعالی عن قتله قیل یا رسول اللّٰہ! وما حقها قال ان یذبحها فیاکلها ولا یقطع راسها فیرمی بها۔ رواه احمد والنسائی والدارمی۔

ترجمہ:- کسی چڑیا کو یا اس سے بڑے جانور کو اس کے حق کے خلاف قتل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قتل کے متعلق اس سے باز پرس فرمائیں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا: یہ ہے کہ اس کو کھانے کے لئے ذبح کرے اور اس کا سر جدا کر کے پھینک نہ دے۔ (احمد، نسائی، اور دارمی)

ف:- مطلب یہ کہ فضول و بے کار قتل نہ کرے بلکہ جس جانور کا گوشت کھایا

جاتا ہو اگر اس کو کھانا منظور ہو تو باقاعدہ ذبح کرے اور جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو اگر وہ موذی ہے تو اس کو دفع ایذا کی غرض سے قتل کرنا درست ہے کہ یہ قتل کرنا بھی فضول نہیں ہے دفع ایذا خود مصلحت ہے اور اگر نہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہے نہ موذی ہے تو اس کا قتل کرنا بالکل جائز نہیں کہ وہ محض فضول ہی ہے، حدیث نمبر ۱۰ و ۱۳ جو آئندہ آتی ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ذبح کرنے سے سر جدا ہو جائے تو سر بھی حلال ہے اس کو پھینکا نہ جائے، نقله الشامی ایضا عن العنایة ج:۵، ص:۲۰۲، وسیاتی تحقیقة تحت الحدیث الآتی۔

۱۰۔ وعن ابی واقد اللیثی رضی اللّٰه عنه قال قدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم المدینَةَ وهم یَجُبُّونَ اَسنمَةَ الاِبلِ ویَقطَعُونَ اِلیَاتِ الغَنَم فقالَ مَاقُطِعَ مِنَ البَهیمَةِ وَهِیَ حَیَّةٌ فَهو مَیتَةٌ لاتُوکل۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

ترجمہ:- حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ایسے زمانہ میں تشریف لائے کہ لوگ اونٹوں کے کوہانوں کو اور دنبہ کی چکتیوں کو (ذبح کے قبل) تراش لیتے تھے اور اس کے بعد ذبح کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زندہ جانور سے جو عضو تراشا جائے وہ عضو مردار ہے کھایا نہ جائے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے)

ف:- اس کے منع ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس میں خواہ مخواہ جانور کو تکلیف دینا ہے کوہان اور چکتی ذبح کے بعد بھی حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا ذبح سے پہلے کاٹنا خواہ مخواہ جانور کو تکلیف دینا ہوا، شاید زندہ جانور کے کاٹے ہوئے چکتی اور کوہان میں ذرا بہت زیادہ لذت ہو مگر ذرا سے نفع کے لئے (اور وہ بھی جو یقینی نہ ہو) جانور کو تکلیف دینے کی اجازت نہیں ہے۔

اس ممانعت میں قصابوں کا یہ فعل بھی داخل ہے کہ ذرا سی کھال بڑھانے کے لئے اوپر سے ذبح شروع کر کے رگوں تک لاتے ہیں تو رگوں کے کٹنے سے پہلے پہلے جتنی دور سے کھال کاٹی گئی ہے وہ بلا ضرورت جانور کو تکلیف دینا ہے گو ایسا کرنے سے

گوشت حرام نہ ہوگا کیونکہ ذبح سے پہلے کھال یا اور کوئی عضو جدا نہیں ہوا ہے یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں جو زندہ جانور سے کاٹے ہوئے عضو کو حرام فرمایا ہے سو اس سے وہ جانور مراد ہے جو ذبح نہ کیا گیا ہو لہٰذا اگر جانور کو ذبح کرکے اس کی جان نکلنے سے پہلے اس کا عضو کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا اگرچہ ایسا کرنا گناہ ہے درست نہیں ہے مگر چونکہ ذبح کئے ہوئے جانور کو شریعت نے زندہ قرار نہیں دیا، اس لئے وہ عضو حلال ہوگا جو ذبح کے بعد جان نکلنے سے پہلے کاٹ لیا جائے گا۔ (صرح بہ فی الدرالمختار وردالمختار) حدیث نمبر ۹ کے ذیل میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے یہاں اسکی تحقیق ہوگئی۔

۱۱۔ وعن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم من التحریش بین البهائم۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں میں لڑائی کرانے سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی وابوداؤد)

ف:- مرغ بازی اور بٹیر بازی اور مینڈھے لڑانا اسی طرح کسی اور جانور کو لڑانا سب اس ممانعت میں داخل ہے اور سب حرام ہے کیونکہ اس میں خواہ مخواہ ان کو تکلیف دینا ہے اور اسی کے حکم میں ہے گاڑی بانوں کا بیلوں کو بھگانا کہ وہ بھی ہانپ جاتے ہیں اور بعض اوقات سواریوں کے بھی چوٹ لگ جاتی ہے اور تفاخر مقابلہ کے سوا اس میں کوئی مصلحت نہیں اور گھڑ دوڑ وغیرہ جب کہ اس میں جوا نہ ہو اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی مشاقی میں مصلحت ہے۔

۱۲۔ وعن زید بن خالد قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم لاتسبوا الدیك فانّه یوقظ للصلوٰۃ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:- حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرغ کو برا نہ کہو کیونکہ بیشک وہ نماز کے لئے جگاتا ہے۔

ف:- آگے حدیث نمبر ۲۱ و نمبر ۲۲ سے معلوم ہوگا کہ یہ ممانعت عام ہے تمام

غیر موذی جانوروں کو اور تمام حالات کو۔ پس مجموعہ احادیث سے ثابت ہوا کہ جانوروں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کو برا نہ کہا جائے اب غضب ہے کہ جانور سے تجاوز کر کے اس کے پالنے والے ہی کو گالیاں دیتے ہیں جیسا کہ بیلوں کو کہتے ہیں کہ تیرے بیچنے والے کی یوں، تو یہ فعل اور زیادہ حرام ہے۔ وتخصیص غیر الموذی لحدیث لعن اللّٰہ العقرب۔

۱۳۔ وعن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن قتل اربع من الدواب النملۃ والنحلۃ والھدھد والصرر۔

(رواہ ابو داؤد والدارمی)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا چیونٹی اور شہد کی مکھی اور ہدہد اور لٹورا۔ (ابوداؤد اور دارمی)

ف:- چار کا ذکر مثال کے طور پر ہے مطلب یہ ہے کہ جس کا نہ تو کھانا مقصود ہے اور نہ وہ موذی ہے اس کا قتل کرنا جان کا خواہ مخواہ تلف کرنا ہے، حدیث نمبر ۹ کے ذیل میں یہ بھی مضمون گذرا ہے یہ صورت بھی اس ممانعت میں داخل ہے جو بعض سنگ دلوں کی عادت ہے کہ ہاتھ میں بندوق لئے جاتے ہیں بندوق خالی کرنا ہے کوئی جانور سامنے آ گیا اور بلاوجہ اس کو نشانہ بنا دیا اور وہ بیچارہ بزبان حال یہ کہتا ہوا اور تڑپتا ہوا عدم کو سدھارا۔ ؎

لکھ کر ہمارا نام زمین پر مٹا دیا
ان کا تو کھیل، خاک میں ہم کو ملا دیا

یا ہاتھ میں بید ہلاتے ہوئے جارہے ہیں کوئی کتا، بلی سامنے پڑ گیا اور بلاوجہ اس کے ایک رسید کردی اور وہ غریب ٹائیں ٹائیں کر کے رہ گیا مگر: ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درحق بہر استقبال می آید[1]

١٤ ـ وعن عبد الرحمن بن عثمان رضی اللّٰہ عنہ ان طبیبا سأل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ضفدع یجعلھا فی دواء فنھاہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن قتلھا رواہ ابو داؤد وفی روایۃ للنسائی عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما مرفوعاً لاتقتلوا الضفادع فان نعیقھن تسبیح ۔

ترجمہ :- حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کے بارے میں سوال کیا کہ اس کو مار کر دوا میں شامل کرلوں ؟ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کو منع فرمایا ، اور نسائی کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ مینڈکوں کو قتل مت کرو کیونکہ ان کی آواز تسبیح ہے۔

ف :- اس ممانعت کی وجہ بھی وہی ہے جو حدیث نمبر ۹ و نمبر ۱۳ میں گذری ہے اور نسائی کی روایت میں جو حکمت فرمائی ہے وہ مستقل وجہ نہیں ہے بلکہ وجہ مذکورہ کا ضمیمہ ہے مطلب یہ ہے کہ یہ جانور بھی مثل دوسرے جانوروں کے ذاکر ہے تو اس کے قتل میں ذکر الٰہی کا توڑ دینا ہے اور کوئی مصلحت وضرورت ہے نہیں جس کے لئے اس کو گوارا کیا جائے اور دوا کی ضرورت کا اعتبار اس لئے نہیں کہ تداوی بالحرام (حرام کے ذریعہ دوا کرنا) جائز نہیں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے یا اگر اجازت ہے تو جو درجہ ضرورت کا اس اجازت کے لئے شرط ہے یعنی اس کا شدید ہونا اور دوسری دوا کا نافع نہ ہونا یہ شرط مینڈک کو استعمال کرنے میں نہ پائی جاتی ہوگی جیسا متاخرین کا فتویٰ ہے پس یہ قتل بے ضرورت رہ گیا لہٰذا ممنوع ہوا۔

---

(۱) مظلوم کی آہ سے ڈرو، کیونکہ جب وہ دعا کرتا ہے تو خدا کی طرف سے قبولیت اس کے استقبال کو آتی ہے۔۱۲۔

۱۵ ۔ وعن سعد بن مالك رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال لاهامة ولا عدوىٰ ولا طيرة وان تكن الطيرة فی شئی ففی الدار والفرس والمرأة رواه ابو داؤد قال فی المرقاة والمعنی ان فرض وجودها يكون فی هذه الثلاثة ويؤيده ماورد فی الصحيح بلفظ ان كان الشوم فی شئی ففی الدار والمرأة والفرس والمقصود منه نفی صحة التطير علی وجه المبالغة۔

ترجمہ:- حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ کھوپڑی سے کسی جانور کا نکلنا کوئی چیز ہے (جو اعتقاد تھا اہل جاہلیت کا کہ جس مقتول مظلوم کا انتقام نہ لیا جائے اس کی کھوپڑی سے ایک جانور پیدا ہوکر چلاتا ہے کہ مجھ کو پانی دو) اور نہ بیماری لگنا کوئی چیز ہے اور نہ بدشگونی کوئی چیز ہے اور اگر (بالفرض) بدشگونی کوئی چیز ہوتی تو گھر میں اور گھوڑے میں اور عورت میں ہوتی۔ (ابوداؤد)

ف:- ترجمہ میں لفظ بالفرض لکھنے کی وجہ حاشیہ مشکوۃ میں مرقاۃ سے منقول ہے جو اصل حدیث کی تشریح میں ذکر کی ہے جس کا یہی حاصل ہے اور اس کے آخیر میں ہے کہ مقصود اس سے بدشگونی کے وجود کی بطریق مبالغہ نفی کرنا ہے۔

ف:- اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بعضے جانوروں کی نسبت جو مطلقاً مثل الو وغیرہ کے یا خاص حالتوں میں مثلاً گھوڑے وغیرہ کے متعلق عوام کا اعتقاد ان کے منحوس ہونے کا ہے محض غلط ہے تو حیوانات کے حقوق میں سے ایک یہ امر بھی ہوا کہ ان کو منحوس نہ سمجھے اور اس کا حق ضائع کرنے سے اس کے دوسرے عملی حقوق بھی ضائع ہوجاتے ہیں کہ ان کی بے قدری کے سبب ان کے کھلانے پلانے میں کوتاہی و بے پروائی کی جاتی ہے۔

۱٦ ۔ وعن انس رضی الله عنه قال ان كان النبی صلی الله عليه وسلم ليخالطنا حتی يقول لاخ لی صغير يا ابا عمير ما فعل النغير وكان له نغير يلعب به فمات متفق عليه قال فی المرقات وفی الحديث اباحة لعب

الصبی بالطیور اذا لم یعذبہ۔

ترجمہ:۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بے تکلفی سے رہا کرتے تھے یہاں تک کہ میرے ایک چھوٹے بھائی سے فرماتے کہ اے ابوعمیر تمہارے لال کا کیا ہوا اور اس کے پاس ایک لال تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا اور وہ مرگیا تھا۔(بخاری ومسلم)

ف:۔معلوم ہوا کہ بچہ کو کھیلنے کے لئے پرندہ دینا درست ہے جب کہ اس کو بچہ تکلیف نہ دے، بہ شرط کہ جب اس کو تکلیف نہ دے اس کی دلیل حدیث آئندہ بھی ہے اور اس کے سوا اور بھی عام حدیثیں ہیں جن میں جاندار کو ایذاء دینے کی ممانعت آئی ہے۔

۱۷۔ وعن عامر الرامی رضی اللّٰہ عنه قال بین نحن عند النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اذ اقبل رجل علیه کساء وفی یدہ شئی قد التف علیه فقال یارسول اللّٰہ مررت بغیضة شجر فسمعت فیها اصوات فراخ طائر فاخذ تهن فوضعتهن فی کسائی فجاء ت امهن فاستدارت علی راسی فکشفت لها عنهن فوقعت علیهن فلففتهن بکسائی فهن اولاء معی قال ضعهن فوضعتهن وابت امهن الا لزومهن فقال رسول اللّٰہ اتعجبون لرحم أم الافراخ فراخها فوالذی بعثنی بالحق للّٰہ ارحم بعبادہ من أم الافراخ بفراخها ارجع بهن حتی تضعهن من حیث اخذ تهن وامّهن معهن فرجع بهنّ ۔(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:۔حضرت عامر رامی ﷺ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جس پر ایک کملی تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو اس نے لپیٹ رکھا تھا اس نے کہا یا رسول اللہ! میں درختوں کے ایک جھنڈ میں گذرا تھا میں نے وہاں کسی پرندے کے بچوں کی آواز سنی میں نے ان بچوں کو لے لیا اور ان کو اپنی کملی میں رکھ لیا پھر ان کی ماں آئی اور میرے سر پر چکر

کاٹنے لگی ، میں نے اس کے سامنے ان بچوں کو کھول دیا وہ ان پر گر پڑی میں نے ان سب کو کملی میں لپیٹ لیا اور وہ سب میرے پاس ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ان کو رکھ دے، راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان سب کو رکھ دیا اور ان کی ماں نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ ان بچوں کی ماں کی محبت سے جو اس کو بچوں کے ساتھ ہے تعجب کرتے ہو قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق دے کر بھیجا ہے واقعی حق تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحیم ہے، جس قدر یہ بچوں کی ماں اپنے بچوں پر پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو واپس لے جا اور جہاں سے لایا وہاں ہی رکھ آ، ماں بھی ان کے ساتھ رہی چنانچہ وہ شخص ان کو ان کی جگہ پر پہنچانے کے لئے واپس چلا گیا۔ (ابوداؤد)

ف:- ایک روایت میں ہے کہ ایک ایسے ہی موقعہ پر آپ نے ڈانٹنے کے لہجے میں فرمایا "من فجّع هذه بولدها" یعنی اس کی ماں کو کس نے دکھ دیا ہے اس کے بچے اس کو واپس دے دو، یہ روایت حدیث نمبر ۲۸ میں آ رہی ہے۔

ف:- اس سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو بلاضرورت دکھ دینا قابل زجر اور ممنوع ہے اور حدیث میں بھی امر کا صیغہ وارد ہے کہ ان کو واپس لے جا کر رکھ دے ظاہر امر کا وجوب ہے بشرطیکہ کوئی دلیل اس کے خلاف کی نہ ہو اور یہاں نہیں ہے اور اکثر وہ پرندے جو پنجرہ میں رکھے جاتے ہیں چونکہ وہ اصل فطرت سے بھی متوحش ہوتے ہیں اور پالنے کے بعد بھی متوحش رہتے ہیں اس توحش کے سبب بند کرنے سے ضرور دردناک ہوتے ہیں اسی طرح جب بچپن میں ان کو نکال کر لاتے ہیں جیسے طوطے کے بچوں کو بکثرت پکڑنے کی عادت ہے یہ بھی اور ان کے ماں باپ بھی دردمند ہوتے ہیں، اس لئے یہ فعل ضرور منع ہوگا چنانچہ "درمختار" کے اس قول کے تحت میں جس میں دل بہلانے کے لئے کبوتروں کے پالنے کی اجازت اور اڑانے کی ممانعت مذکور ہے علامہ شامی نے نقل فرمایا ہے کہ "مجتبیٰ" (۱) میں ہے کہ گھر میں پرندے اور مرغی رکھنے کا کچھ ڈر نہیں لیکن ان کو

(۱) یہ ایک فقہ کی کتاب کا نام ہے۔ ۱۲

کھانے پینے کو دیتا رہے، اور ''قنیہ'' میں ہے کہ بلبل کو پنجرے کے اندر محبوس کرلیا اور اس کو کھلاتا پلاتا بھی رہا تب بھی جائز نہیں اور غالباً حبس فی القفس (پنجرے میں بند کرنے) کی کراہت اس لئے ہے کہ وہ قید اور تعذیب ہے اور دوسرے طریقے پالنے کے ایسے نہیں اور اس سے تطبیق ہوگئی حبس کے جواز وعدم جواز میں، اور اس میں تصریح ہے کہ پالنے کے جس طریق میں جانور کو تنگ دلی اور پریشانی ہو اس طریق سے پالنا درست نہیں۔

پس پرند وغیرہ میں بعضے تو مانوس ہوجاتے ہیں جیسے کبوتر اور تیتر اور مرغی ان کا پالنا تو کچھ حرج نہیں اور بعضے مانوس نہیں ہوتے پس اگر ان کو آزادی کے ساتھ رکھا جائے جیسے سرکاری عجائب خانہ میں بڑا میدان لوہے کے جال سے گھیر دیا جاتا ہے اور کھانے پینے کا پورا انتظام ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی حرج نہیں اور اگر پنجرہ وغیرہ میں ان کو مقید کیا جائے جیسے عام عادت ہے تو یہ درست نہیں اور لال پالنا جو اوپر مذکور ہے یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پالنے کے وقت اطلاع نہیں ہوئی اور یا انہوں نے پنجرے میں بند نہ کیا ہوگا جب ایسے جانور کا پنجرہ میں رکھنا درست نہیں گو کھانے و پینے کا بھی انتظام رکھے تو اگر اس کا انتظام بھی نہ رکھے تو دو وبال ہوں گے اور اگر اس کو دھوپ وبارش سے بھی نہ اٹھائے تو تین وبال ہیں، شیر وغیرہ کو کٹ گھر میں رکھنا بھی ایسا ہی ہے۔

۱۸۔ وعن يعلى بن مرة الثقفى رضى الله عنه قال ثلثة اشياء رايتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم بينا نحن نسير معه اذ مررنا ببعير يسنى عليه فلما راه البعير جرجر فوضع جرانه فوقف عليه النبى صلى الله عليه وسلم فقال اين صاحب هذا لبعير فجاء ه فقال بعينه فقال بل نهبه لك يارسول الله وانه لاهل بيت مالهم معيشة غيره قال اما اذا ذكرت هذا من امره فانه شكى كثرة العمل وقلة العلف فاحسنوا اليه الحديث۔

(رواه فى شرح السنة)

ترجمہ:۔ حضرت یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے

تین واقعے عجیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھے (ان میں سے ایک یہ ہے) ہم آپ ﷺ کے ہمراہ چلے جارہے تھے کہ اچانک ہمارا گذر ایک اونٹ پر ہوا جس پر (آب پاشی کے لئے) آب کشی کی جاتی تھی، جب اونٹ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بلبلانے لگا اور اپنی گردن کا اگلا حصہ جھکا لیا (یہ شکل ہے نیاز مندی کی) آپ ﷺ اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ وہ حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ہاتھ اس کو بیچ ڈال اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نہیں، بلکہ ہم یہ آپ کو ہبہ کرتے ہیں اور یہ ایسے گھرانے والوں کا ہے کہ بجز اس کے ان کے پاس کوئی ذریعہ معیشت نہیں آپ ﷺ نے فرمایا سو اگر اس کا یہ قصہ ہے جو تو نے ذکر کیا تو (ہم اس کو لیتے نہیں، لیکن) اس نے کام زیادہ لینے کی اور خوراک کم دینے کی شکایت کی ہے سو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ (شرح السنۃ)

ف:- یعنی جانوروں سے کام لینے والے اس میں بہت ہی مبتلا ہیں ہل چلانے والے، یکہ گاڑی ہانکنے والے وغیرہ، اس حدیث کو خوب دھیان سے پڑھیں اور سنیں، ''درمختار'' میں بیل اور گدھے سے کام لینے میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ بغیر مشقت اور مارنے کے کام لیوے اور وجہ میں یہ لکھا ہے کہ جانور پر ظلم کرنا ذمی پر ظلم کرنے سے زیادہ سخت ہے اور ذمی پر ظلم کرنا مسلمان پر ظلم کرنے سے زیادہ سخت ہے آہ، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان پر ظلم کرنا جس کی وعیدیں حدیثوں میں سخت سخت آئی ہے جس قدر سخت ہے جانور پر ظلم کرنا اس سے دو حصہ زیادہ سخت ہے۔ ''ردالمختار'' میں ہے کہ اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ رکھے اور اس کے منہ اور اس کے سر پر نہ مارے اس پر سب کا اتفاق ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بالکل نہ مارے اگر چہ اس کی ملک ہو پھر شرارت پر تادیباً بقدر ضرورت مارنے کی اجازت لکھی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محض تیز دوڑانے کے لئے مارنا ہرگز جائز نہیں۔

۱۹۔ وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عـليه وسلم غفر لامرأة مومسة مرت بكلب على رأس ركی يلهث كا ديقتله

العطش فنزعت خفها فاوثقته بخمارها فنزعت له من الماء فغفر لها بذلك قيل ان لنا فی البهائم اجرا قال فی کل ذات کبد رطبة اجر۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک بدچلن عورت کی مغفرت ہوگئی جس کا گذر ایک کتے سے ہوا تھا جو ایک کنویں کے کنارے زبان لٹکائے ہوئے تھا پیاس کی وجہ سے مرنے کو ہو رہا تھا پس اس نے (رحم کھا کر) اپنا موزہ اتارا اور اس کو اپنے دوپٹہ سے باندھا اور اس کے لئے پانی نکالا (اور پلایا) سو اس سبب سے اس کی مغفرت ہوگئی عرض کیا گیا کہ کیا جانوروں کو کھلانے پلانے میں بھی ہمارے لئے اجر ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہر جانور کی خدمت میں اجر ہے۔

(بخاری ومسلم)

ف:- جن جانوروں کا قتل واجب ہے جیسے سانپ وغیرہ وہ اس سے خارج ہیں مگر ترسانا ان کو درست نہیں اور اس سے کوئی شخص کتے پالنے پر استدلال نہ کرے پالنا اور چیز ہے اور حاجت کے وقت اس کی امداد اور چیز ہے اور دیکھئے اس کتے سے اس نے کوئی کام نہیں لیا تو جو جانور کام دیتے ہیں ان کا تو اور زیادہ حق ہوگا۔

۲۰۔ وعنه وعن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قالا قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عذبت امرأة فی هرة امسکتها حتی ماتت من الجوع فلم تکن تطعمها ولا ترسلها فتاکل من خشاش الارض۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما و ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت کو ایک بلی کے سبب عذاب ہوا تھا کہ اس نے اس کو پکڑ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی سو نہ تو اس کو کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ حشرات الارض یعنی زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کرتی۔

ف:- ردالمختار میں ہے کہ جو بلی ایذا پہنچائے اس کو ضرب شدید نہ پہنچائی جائے بلکہ اس کو تیز چھری سے ذبح کر ڈالیں، لوگ جانوروں کو ستانے کی کچھ پرواہ ہی

نہیں کرتے اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایک عورت کو دیکھا جس کو ایک بلی کے معاملہ میں اس طرح عذاب ہورہا تھا کہ وہ بلی اس کو نوچتی تھی جب کہ وہ عورت سامنے آتی تھی اور جب وہ پشت کرتی تھی تو وہ بلی اس کے سرین کو نوچتی تھی۔ (باب الصلوۃ الکسوف)

۲۱۔ وعن ابی جری جابر بن سلیم رضی اللّٰہ عنہ فی حدیث طویل قال قلت یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم اعہد الیّ قال صلی اللّٰہ علیہ و سلم لا تسبن احداً قال فما سببت بعدہ حرّاً و لا عبدا و لا بعیر اً و لا شاۃ ۔ الحدیث (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:- ابی جری جابر بن سلیمؓ سے ایک حدیث طویل میں روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرمائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو برامت کہنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد کسی کو برانہیں کہا نہ آزاد کو نہ غلام کو نہ اونٹ کو نہ بکری کو۔ الحدیث۔ (ابوداؤد)

ف:- برا کہنے میں گالیاں دینا اور منحوس کہنا سب داخل ہوگیا، حدیث نمبر ۱۲، ۱۵ میں تفصیل ملاحظہ ہو۔

۲۲۔ وعن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما ان رجلاً لعن الریح عند النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال لاتلعنوا الریح فانہا مامورۃ وانہ من لعن شیئاً لیس لہ باھل رجعت اللعنۃ علیہ ۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب ۔

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوا کو لعنت کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہوا کو لعنت مت کرو کیونکہ وہ تو مامور ہے یعنی خدا کے حکم سے آتی ہے اور جو شخص ایسی شئی پر لعنت کرے جو اس کی اہل نہ ہو تو وہ لعنت اسی شخص پر لوٹتی ہے۔ (ترمذی)

ف:- اس چیز کے عموم میں جانور بھی داخل ہیں لہذا جانوروں پر بھی لعنت

درست نہیں۔

۲۳۔ وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكره الشكال فی الخيل والشكال ان يكون الفرس فی رجله اليمنى بياض وفی يده اليسرى وفی يده اليمنى ورجله اليسرى ، رواه مسلم قال فی اللمعات يمكن ان يكون قد جرب ذلك الجنس فلم يكن فيه نجابة۔

ترجمہ:-حضرت ابو ہریرۃ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑوں میں شکال کو پسند نہ فرماتے تھے اور وہ یہ ہے کہ اس کے داہنے پاؤں اور بائیں ہاتھ میں یا داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو (مسلم) لمعات میں ہے کہ ممکن ہے کہ تجربہ سے اس جنس میں نجابت (۱) نہ ہوتی ہو (اور اس ممکن کی تعیین وقوع (۲) سے ہوگئی ہو کہ حدیثوں میں نحوست کی نفی کی تصریح آئی ہے۔

۲۴۔ وعن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يمن الخيل فی الشقر (رواه الترمذی وابوداؤد) والشقرة الحمرة الصافية۔

ترجمہ:-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں میں مبارکی سرخ رنگ میں ہے۔(ترمذی)

ف:-برکت کا ثبوت تو اشیاء میں ہے مگر نحوست کا نہیں۔

۲۵۔ وعن عتبة بن عبد السلمی رضی الله عنه ان سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لاتقصوا نواصی الخيل ولا معارفها ولا

(۱) نجابت: نسل کا اچھا ہونا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ یہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی یہی ہے۔ پس یہ وجہ متعین ہوگئی صرف احتمال و امکان ہی نہ رہا اور دلیل اسی وجہ کی متعین ہونے کی وہ حدیثیں ہیں جن میں نحوست کی نفی آتی ہے، پس نحوست کی وجہ، اور کوئی وجہ محتمل نہ تھی جب ایک منفی ہے دوسری متعین ہوگئی۔ ۱۲۔منہ۔

اذنابها فان اذنا بها مذابها و معارفها دفائها و نو اصیها معقود فیها الخیر۔

(رواه ابو داؤد)

ترجمہ:- حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور ایال اور دم مت کاٹا کرو کہ دم تو ان کی مورچھل ہیں اور ان کی ایال گرمی کا سامان ہے اور پیشانی کے بالوں میں خیر متعلق ہے۔ (ابوداؤد)

۲٦۔ وعن ابی وهب الجشمی رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ارتبطوا الخیل وامسحوا بنواصیها واعجازها قال اکفالها وقلدوها ولا تقلدوها الاوتار۔ (رواه ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ:- حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے اپنے ہاں باندھا کرو اس میں ان کی قدر کا اظہار ہے اور نیز اس شفقت سے اس میں راحت ونشاط کا اثر پیدا ہوتا ہے اور فرمایا کہ ان کے گلے میں پٹہ ڈالا کرو تانت مت باندھا کرو۔ (ابوداؤد ونسائی)

ف:- ان دونوں حدیثوں سے صاف معلوم ہوا کہ جانور کو راحت پہنچانا چاہئے اور اس کی راحت کے کمی کے اسباب سے بچنا چاہئے پس اس کو اذیت وعقوبت پہنچانا کس قدر مذموم یعنی برا ہوگا، تانت باندھنے کی ممانعت کی وجہ آئندہ ملے گی۔

۲۷۔ وعن جابر رضی اللّٰه عنه قال ذبح النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین۔ الحدیث۔

(رواه احمد وابو داؤد وابن ماجه والدارمی)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن دو دنبے ذبح کئے جو سینگوں والے تھے اور دورنگے تھے اور خصی تھے۔

(احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ، دارمی)

ف:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مصلحت سے جانور کو بدھیا کرنا جائز

ہے۔ درمختار وردالمختار میں بھی اس کی تصریح ہے۔

۲۸۔ وعن عبد الرحمن بن عبد الله عن ابيه رضی الله عنه قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فی سفر فانطلق لحاجته فراينا حمرة معها فرخان فاخذنا فرخيها فجاء ت الحمرة فجعلت تفرش فجاء النبی صلى الله عليه وسلم فقال من فجع هذه بولدها ردوا ولدها اليها ورای قرية النمل قد حرقناها قال من حرق هذه فقلنا نحن قال انه لاينبغی ان يعذب بالنار الا رب النار۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ ﷺ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے آپ ﷺ اپنی حاجت کے لئے تشریف لے گئے ہم نے ایک لال مادہ دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے، ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا وہ لال مادہ آئی جو اپنے بچوں پر بچھی جاتی تھی اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا اس کو کس نے بچہ کی طرف سے دکھ دیا ہے، اس کے بچے اسی کو واپس کردو، اور آپ ﷺ نے ایک بھٹ (سوراخ) چیونٹیوں کا دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کس نے جلایا ہے، ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آگ سے سزا دینا آگ کے رب کے سوا اور کسی کو جائز نہیں۔ (ابوداؤد)

ف:۔ اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) جانور کے بچے کو پکڑنے کی اجازت نہیں کہ وہ خود بھی پریشان ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱۷ کے ذیل میں اس کی تفصیل گذری ہے اور ان کے ماں باپ بھی پریشان ہوتے ہیں جس کی بنا پر اس حدیث میں یہ حکم فرمایا کہ بچوں کو واپس کردو، پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس کی اجازت نہیں۔

(۲) جانور کو آگ سے جلانا جائز نہیں اگرچہ وہ موذی ہی ہو، اس میں وہ داغ دینا بھی آ گیا جس کا تحمل نہ ہو اور دوسرے طریقے بھی آ گئے جیسے کھٹملوں پر گرم پانی

چھوڑنا یا بھڑوں کا چھتہ جب کہ دوسری تدبیر بھی ممکن ہو جلانا یا پکے پانی میں کسی زندہ جانور کا روغن نکالنے کے لئے ڈال دینا جیسا طبیب لوگ بتلاتے ہیں ''طبی جوہر'' مصنفہ مولوی محمد مصطفیٰ صاحب میں اس کی کافی بحث ہے اور اس رسالہ میں تداوی بالحرام (۱) کی بھی خوب بحث کی ہے۔

اور فقہاء نے جو علاج کی مصلحت سے داغ لگانے کی اجازت دی ہے (کمافی ردالمختار) وہ مقید ہے تحمل کے ساتھ، یعنی داغ کا تحمل ہو، اس کی اجازت ہے اور دلیل اس کے جواز کی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم پر داغ دینا ہے اس طرح اگر موذی جانور کے دفع کی کوئی سبیل نہ ہو تو آگ کی تدبیر کی اجازت ہے جیسے غنیم کی مدافعت (دشمن کے دفاع) کے لئے بندوق سے کام لینا کہ وہ بھی احراق یعنی جلانا ہے اس جلانے کا جواز درمختار مع ردالمختار میں موجود ہے۔

۲۹۔ عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ مرفوعاً لعن اللّٰہ الخمر وشاربھا وساقیھا وبائعھا ومبتاعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا والمحمولۃ الیہ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اسکے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر اور اس کے بنانے والے پر اور اس کے بنوانے والے پر اور اسکے لے جانے والے پر اور اس پر بھی جس کے پاس لائی جائے۔ (ابوداؤد)

ف:- پلانا عام ہے جانور کے پلانے کو بھی اس سے معلوم ہوا کہ جانور کو کوئی حرام چیز کھلانا پلانا جائز نہیں جیسے بعض لوگ قوت کے لئے واہی تباہی چیزیں مرغ وغیرہ کو کھلا کر پھر اس کو ذبح کر کے خود کھاتے ہیں، ''درمختار'' میں تصریح ہے ''وحرم الانتفاع بھا یعنی بالخمر ولو لسقی دواب او الطین او نظر للتلھی او فی

(۱) حرام کے ساتھ دوا کرنا۔۱۲

دواء الخ "پس متن کی روایت تو مطلق ہے صرف بعض مشائخ کا قول شامی نے نقل کیا ہے کہ "لوقاد الدابة الی الخمر لاباس به ولو نقل الی الدابة یکره "مگر متن کو ترجیح ہوتی ہے ہاں اگر نجس چیز کو کہیں رکھی ہو اور جانور کھانے لگے اس کو روکنا واجب نہیں نہ یہ کہ قصداً اس کے کھلانے کا اہتمام ہے۔

۳۰۔ وعن سهل بن الحنظلية رضی اللّٰه عنه قال مر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ببعیر قد لحق ظهره ببطنه فقال اتقوا اللّٰه فی هذه البهائم المعجمة فارکبوها صالحة واترکوها صالحة ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ:- حضرت سہل بن حنظلیہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اونٹ پر گذر ہوا جس کی کمر (بھوک کی وجہ سے) پیٹ سے ملی ہوئی تھی آپ ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو لہٰذا مناسب طریقہ پر ان پر سواری کرو (اور ان کی بھوک پیاس کا خیال رکھو) اور مناسب طریقہ پر ان کو چھوڑ دو (یعنی تھکنے سے پہلے) سواری ختم کردو۔ (ابوداؤد)

ف:- جانور بے زبان ہیں وہ اپنی تھکن اور بھوک و پیاس کو ظاہر کرنے سے عاجز اور قاصر ہیں لہٰذا تم خود ہی ان کے حقوق کا خیال کرو اور ان کے کھانے پینے کا دھیان کرتے رہا کرو ان میں چلنے کی طاقت ہو تو استعمال کرو، استعمال کرتے کرتے ان کا ست ہی مت نکال دو بلکہ تھکنے سے پہلے پہلے ہی انہیں چھوڑ دو۔

۳۱۔ وعن ابن عباس رضی اللّٰه عنه انه دفع مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یوم عرفة فسمع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وراء ه زجراً شدیداً وضرباً للابل فاشار بسوطه الیهم وقال یا ایها الناس علیکم بالسکینة فان البر لیس بالایضاع ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں عرفہ کے دن (حج کے موقعہ پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا کہ آپ ﷺ نے پیچھے سے اونٹوں کے مارنے اور سختی سے ہانکنے کی آواز سنی، لہٰذا آپ ﷺ نے (پیچھے مڑکر)

لوگوں کی طرف اپنے کوڑے سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! اطمینان سے کام لو کیونکہ (سواری کا) دوڑانا نیکی نہیں ہے۔ (بخاری)

ف:- معلوم ہوا کہ جانوروں کو بلاضرورت دوڑانا اور خواہ مخواہ بلاضرورت ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر کے جانور کو پریشان کرنا (جیسا کہ تانگہ والے اور بیل گاڑی والے کیا کرتے ہیں) منع اور نادرست ہے۔

۳۲۔ وعن ابی بشیر الانصاری رضی اللّٰہ عنہ انہ کان مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی بعض اسفارہ فارسل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رسولا لاتبقین فی رقبۃ بغیر قلادۃ من وتر الاقطعت۔

(رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو بشیر انصاری ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس سفر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قافلہ والوں میں آواز دینے کے لئے ایک قاصد بھیجا) کہ کسی اونٹ کے گلے میں تانت بندھا ہوا نہ چھوڑا جائے۔ (بخاری ومسلم)

ف:- چونکہ تانت سخت ہوتا ہے اور ربسا اوقات کھال کاٹ کر اس کے گوشت میں گڑھ جانے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے اس کے باندھنے سے منع فرمایا ہے، بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنی داڑھی میں گرہ لگائی یا (جانور کے گلے میں) تانت باندھا یا چوپایہ کی لید سے یا ہڈی سے استنجاء کیا اس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بری ہے۔ (ابوداؤد)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی جانور کو اس طرح کس کر باندھنا کہ جس سے اٹھتے بیٹھتے اس کا گلا گھٹے درست نہیں۔

۳۳۔ وعن انس رضی اللّٰہ عنہ قال اتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بتمر عتیق فجاء یفتشہ ویخرج منہ السوس ۔(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:- حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں پرانی کھجوریں لائی گئیں تو آپ ﷺ ان میں سے دیکھ دیکھ کر کیڑے نکالنے لگے۔ (ابوداؤد شریف)

ف: -معلوم ہوا کہ اگر کسی پھل میں کیڑے پڑ جائیں تو ان کو صاف کر کے پھل کھانا چاہئے، کیڑے کھانا درست نہیں ہے، ہندوستان میں جو یہ رواج ہے کہ گولر کو بھنگوں سمیت کھا جاتے ہیں، درست نہیں ہے۔

٣٤۔ وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال بینما رجل یسوق بقرة اذا عیی فرکبها فقالت انا لم نخلق لهذا انما خلقنا لحراثة الارض فقال الناس سبحان الله بقرة تکلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فانی أومن به انا وابو بکر وعمر وما هما ثم۔ (رواه البخاری ومسلم) والحدیث طویل۔

ترجمہ: -حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بیل ہانک کر لیجا رہا تھا چلتے چلتے وہ شخص تھک گیا تو اس بیل پر سوار ہو گیا، اس بیل نے کہا کہ ہم اس لئے پیدا نہیں کئے گئے (کہ ہم پر سواری کی جائے) ہم تو صرف زمین کی کھیتی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، یہ ماجرہ دیکھ کر لوگوں نے (تعجب سے) کہا کہ سبحان اللہ بیل بھی (آدمیوں کی طرح) بولتا ہے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا تو اس پر ایمان ہے اور ابو بکر وعمر کا بھی (کہ اللہ کو سب کچھ قدرت ہے وہ جانوروں کو بھی زبان دے سکتا ہے) اور جس وقت آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت ابو بکر ﷺ اور عمر ﷺ وہاں موجود بھی نہ تھے (اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو ان دونوں حضرات سے بہت زیادہ تعلق تھا اور ان دونوں کے ایمان کو آپ ﷺ بہت ہی زیادہ قابل ذکر سمجھتے تھے)۔ (بخاری ومسلم)

ف: -اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ اللہ نے جس جانور کو جس مقصد کے لئے بنایا اس کو اسی میں استعمال کرنا چاہئے لہٰذا اگر کوئی بکری پر سوار ہونے لگے تو یہ فعل غلط اور بے جا ہوگا۔

٣٥۔ وعن ام کرز رضی الله عنها قالت سمعت رسول الله صلی

اللّٰہ علیہ و سلم یقول اقروا الطیر علی مکناتھا۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:- حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رہنے دو۔ (ابوداؤد)

ف:- معلوم ہوا کہ پرندوں کو گھونسلوں سے اور ان کے رہنے کی جگہوں سے ہٹانا اور اڑانا درست نہیں ہے اس سے عرب کے اس فعل کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے جو زمانہ جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) کیا کرتے تھے کہ جب کسی کام کو جانا ہوتا فال لینے کے لئے جانور کو گھونسلے سے اڑادیتا تھا اگر جانور سیدھی طرف آتا تو اس کو اچھا فال سمجھ کر کام کو چلا جاتا تھا اور اگر وہ جانور بائیں طرف کو اڑتا تو اس کو بدفال سمجھتا تھا اور کام سے رک جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرکیہ حرکت کی ممانعت فرمائی۔

۳۶۔ وعن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کفی بالمرء اثماً ان یضیع من یقوت وفی روایۃ کفیٰ بالرجل اثما ان یحلس عمن یملك قوتہ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے گنہگار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جس کی خوراک اس کے ذمہ ہو اس کو ضائع کردے یعنی اس کی خوراک روک لیوے جس سے اس کی قوت وطاقت یا جان ہی جاتی رہے۔ (رواہ مسلم)

ف:- دوسری روایت میں ہے کہ انسان کے گنہگار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو چیز اس کی ملک میں ہو اس کی خوراک روک لیوے، مطلب یہ ہے کہ ہر انسان میں ساری خوبیاں ہوں مگر اس میں یہ برائی ہو کہ جن کی خوراک اس کے ذمہ ہو مثلاً غلام، بیوی، جانور، اولاد تو اس کے گنہگار اور لائق گرفت ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ ان کی خوراک روک لیوے جیسا کہ بلی والی عورت اس وجہ سے دوزخ میں داخل کردی گئی

کہ اس کو باندھ کر کچھ کھانے پینے کو نہ دیا جس سے اس بے زبان کی جان جاتی رہی۔

۳۷۔ وعن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مامن مسلم یغرس غرساً أو یذرع زرعاً فیا کل منہ انسان او طیرا و بھیمۃ الا کانت لہ صدقۃ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی مسلمان کوئی پودا لگائے یا کھیتی بوئے پھر کوئی انسان یا پرندہ یا چوپایہ اس میں سے کھالیوے وہ تو اس کے لئے صدقہ ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

ف:- اس سے جاندار چیز کے کھلانے پلانے کا اجر معلوم ہوا اور جب مطلقاً ہر جانور کا کھلانا پلانا صدقہ ہے (بلکہ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اپنی بے خبری میں جو کھیت سے جانور اور چوپایہ کھا جائیں جیسا کہ چڑیا وغیرہ کھا جاتی ہے وہ صدقہ ہے تو جس جاندار کو اس نے پال رکھا ہو اور اس کی خوراک اپنے ذمہ کر رکھی ہو اس کے کھلانے پلانے میں کس قدر ثواب ہوگا۔

۳۸۔ وعنہ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ۔

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے سو اللہ کا سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے۔ (بیہقی)

ف:- مخلوق میں جانور بھی آ گئے لہٰذا جانوروں کو آرام سے رکھنا اور ان کی خیر و خبر رکھنا ان کو کھلانا، پلانا بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارا بننے کا عمل ہوا۔

۳۹۔ وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرصت نملۃ نبیا من الانبیاء فامر بقریۃ النمل فاحرقت فاوحی

اللّٰہ تعالی الیه ان قرصتك نملة احرقت امة من الامم تسبح۔

(رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبیوں میں ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے حکم دے کر چیونٹیوں کا بھٹ (بل) جلوا دیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ایک چیونٹی کے کاٹ لینے کی وجہ سے تم نے تسبیح پڑھنے والی ایک پوری جماعت کو جلا دیا۔

(بخاری ومسلم)

ف:- قرآن شریف میں آیا ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے (بنی اسرائیل) لہٰذا کسی چیز کی جان لینے میں ایک یہ بھی نقصان ہے کہ اس عالم میں ذکر الٰہی کی کمی ہو جائے گی جیسا کہ اللہ جل شانہ نے اس پر ایک نبی کی گرفت فرمائی جس کا اس حدیث میں ذکر ہے لہٰذا جو جانور موذی ہو یا جو حلال جانور ہو اور اس کا گوشت کھانے کا ارادہ ہو (محض تفریح مقصود نہ ہو) تو اس کے سوا کسی جانور کی جان لینا اللہ کی رضا مندی کے خلاف ہوا اور اگر چہ موذی اور وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں مگر انسانوں کی مصلحت اور ضرورت سے اللہ تعالیٰ نے حلال جانور کو کھانے اور موذی کو مارنے کی اجازت دی ہے۔

٤٠ ـ عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال يقضی اللّٰه بين خلقه الجن والانس والبهائم وانه يقيد يومئذ للجمّاء من القرناء حتی اذا لم يبق تبعة عند واحدة لاخریٰ قال اللّٰه كونوا ترابا فعند ذالك يقول الكفر يليتنی كنت ترابا۔ (رواه ابن جرير الطبری فی تفسيره)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرۃؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) اپنی مخلوق (یعنی) جن و انسان اور چوپایوں میں فیصلہ فرمائیگا اور اس روز بے سینگ والے جانور کو سینگ والے جانور سے (جس نے اس کو دنیا میں ناحق مارا ہوگا) بدلہ دلایا جائے گا یہاں تک کہ جب کسی جانور کا

دوسرے جانور سے کوئی مطالبہ نہ رہے گا اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا کہ سب مٹی ہو جاؤ اس وقت یہ (منظر دیکھ کر) کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہی ہو جاتا (تو جانوروں کی طرح ہمیشہ کے عذاب سے بچ جاتا۔ (تفسیر ابن جریر)

ف: -اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور پر ظلم کرنا اس قدر سخت بات ہے کہ اگر اس پر دوسرا جانور بھی ظلم کرے جو کہ شرعاً مکلّف نہیں قیامت میں اس کا بدلہ بھی لیا جائے گا تو اگر آدمی ظلم کرے گا جو کہ شرعاً مکلّف ہے اس سے کیونکر بدلہ نہ لیا جاوے گا؟

آخری گزارش

یہ کل چالیس حدیثیں ہیں جن سے جانور کے پالنے اور استعمال کرنے کے احکام معلوم ہو گئے عمل کرنے والوں کے لئے یہی بہت ہیں اور جن کو عمل نہ کرنا ہو ان کیلئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں، تمام مسلمانوں سے درخواست ہے کہ اس رسالہ کو خود پڑھیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

وما علینا الا البلاغ۔

حقوق حیوانات ومتعلقات آں

قمار کے لئے جانور پالنا

سوال (۳۲۹) مــاقـولـکـم رحـمکم اللہ اس بارے میں کہ اگر کوئی دو شخص مرغ کی یا بکرے کی لڑائی کرادیں اور پھر جب ان میں سے کسی ایک نے بازی جیت لی اور بازی میں جیتی ہوئی مرغ کو یا بکرے کو دوسرے کسی کے ہاتھ بیچ دے تو اب اس دوسرے کے ہاتھ میں سے کسی کو اس کا خریدنا جائز ہے یا ناجائز؟ فرض کرو کہ اس نے اس بکرے کو قصاب کے ہاتھ فروخت کردیا تو اب اس قصاب کے پاس سے گوشت اس کا خرید کر کے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب مفصل تحریر فرمائیں۔ فقط

الجواب:- بازی بدنا قمار ہے اور جو جانور قمار میں حاصل ہوا ہو وہ حرام ہے نہ اس کا ذبح کرنا جائز، نہ اس کا گوشت بیچنا جائز، نہ خریدنا جائز، نہ کھانا جائز، قال اللہ تعالیٰ وان تستقسموا بالازلام۔ یہ شاہ عبدالقادر صاحب مفسر دہلوی رحمہ اللہ ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''اور یہ کہ بانٹا کرو پانسہ ڈال کر اور بانٹا کرنا پانسوں سے یہ کافروں کا ایک جوا تھا کہ شرط بد کر ایک جانور دس شخص نے خریدا اور ذبح کیا اور دس پانسے تھے کسی پر لکھا آدھا کسی پر پاؤ، کم زیادہ، کوئی خالی، پھر بانٹنے لگے تو ہر ایک کے نام پر جو پانسہ آیا ہے وہی حصہ اس کو ملا یا خالی نکل گیا۔'' شرط بدنی تمام حرام ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔

موضح القرآن ۱۲

وھکذافی بعض التفاسیر، واللہ اعلم، ۲۵/ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۰ھ۔

(امداد، ج۲، ص:۱۳۵) (امدادالفتاویٰ ج:۴، ص:۲۶۲)

جانور کی پیشاب گاہ میں ہاتھ ڈال کر دودھ دوھنا

سوال (۳۳۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جس بھینس کا بچہ

مرجاتا ہے اس کوگدی گوڑتے ہیں یعنی اگلے پاؤں باندھکر فرج میں مع اس کی دم کے ہاتھ ڈالتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہیں بعدہ ہاتھ کو پاک کر کے دودھ نکالتے ہیں اس طریقہ سے جو دودھ حاصل کرتے ہیں اس دودھ کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ کوئی وجہ دودھ کی حرمت کی نہیں اس لئے دودھ کا کھانا حلال، جائز ہے۔ (۱) واللہ اعلم، (امداد، ج ۲،ص:۱۴۱)(امدادالفتاویٰ ج:۴،ص:۲۶۳)

جانورکوخصی کرنا

سوال (۳۳۱) خصی بنانا بکروں کا جائز ہے یا ناجائز ہے، برتقدیر ناجائز ہونے کے قربانی کیونکر جائز ہے؟

الجواب:-فی الدر المختار اول فصل البیع من کتاب الکراھیۃ وجاز خصاء البھائم، روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خصی بنانا بکروں کا جائز ہے، واللہ اعلم۔۲۳ ذی الحجہ سنہ۱۳۲۱ھ۔ (امداد، ج:۲،ص:۱۵۷)

کھٹمل کو مارنے کے لئے چارپائی میں گرم پانی ڈالنا

سوال (۳۳۲) چارپائی میں کھٹمل دفع ہونے کو اگر چارپائی میں گرم پانی ڈالے تو کیسا ہے؟

الجواب:- فی رد المختار کیفیۃ القتال من کتاب الجھاد تحت قول الدر المختار وحرقھم مانصہ لکن جواز التحریق والتغریق مقید کما فی الشرح السیر بما اذا لم یتمکنوا من الظفر بھم بدون ذلک بلا مشقۃ عظیمۃ فان تمکنوا افلا یجوز۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کھٹملوں کے دفع کا اور کوئی آسان طریقہ نہ ہوتب تو

---

(۱) اور یہ فعل بھی جائز ہے جیسا کہ خصی کرنا بعلۃ منافع للناس جائز ہے، وہ علت یہاں بھی موجود ہے، ھکذا قال استاذ العلام مدظلہ ۱۲۔

تو گرم گرم پانی ڈالنا ان پر درست ہے ورنہ ممنوع ہے۔ ۱۲ رجب سنہ ۱۳۲۲ھ۔

(امداد ج:۲،ص:۱۶۲) (امداد الفتاوی ج:۲،ص:۲۶۲)

زندہ کیڑوں کو آگ میں جلانا یا کسی جانور کو کھلانا

سوال (۳۳۳) برائے آختہ آسپ کرم زندہ رادر آتش دود کنانیدہ از دود بوئے سوختگی آں کرم اسپ آختہ می شود یا کرم زندہ رامی خورانند کہ اسپ شود شرارت نکند یا برائے لحاظ دوائے کرم زندہ را برائے اسپ یا دیگر جانور می خورانند، دریں فعل حکم شریعت چیست ایں ہمہ صورتہا دریں بلا درائج است؟

الجواب:- عن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان النار لایعذب بھا الا اللّٰہ رواہ البخاری وعن عبد الرحمن بن عبد اللّٰہ عن ابیہ رضی اللّٰہ عنھما فی حدیث طویل قال ورأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قریۃ نمل قد حرقنا ھاقال من حرق ھذہ فقلنا نحن قال انہ لاینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار، رواہ ابو داؤد ومشکوۃ باب قتل اھل الردۃ والبغاۃ بالفساد۔

ازیں حدیث مستفاد شد کہ کرم زندہ رادر آتش دود کردن حرام است۔

وعن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لاتتخذوا شیئا فیہ الروح غرضا رواہ مسلم مشکوۃ باب الصید والذبائح قال النووی ھذا النھی للتحریم وفی الدر المختار احکام الخمر من کتاب الاشربۃ وحرم الانتفاع بھا ولو لسقی دواب فی رد المختار قولہ، ولسقی الدواب قال بعض المشائخ لو قاد الدابۃ الی الخمر لاباس بہ ولو نقل الی الدابۃ یکرہ ۔اھ ۔

ازیں روایات معلوم می شود کہ کرم زندہ جانور خورانیدن بایں طور کہ کرم را پیش جانور بردہ شود جائز نیست کہ ہم دریں تعذیب اوست بلا ضرورت۔

لانہ یمکن قود الدابۃ الیھا کما فی الاصطیاد والذی فیہ ضرورۃ الانتفاع فشانہ اتخاذ الروح غرضاً لانھا لاتقدر ان تحرز نفسھا ، وہم نقل شی محرم است بسوئے دابہ فقط۔ (امداد الفتاوی، ج:۴،ص:۲۶۳،ص:۲۶۴) (تتمہ اولی ص:۳۱۳)

موذی کتے کو ہلاک کرنا اور اس کے ضمان کا حکم

سوال (۳۳۴) ہمارے محلے میں ایک شخص کا کتا ہے، اس کے سبب سے سخت تکلیف ہے برتن وغیرہ خراب کرجاتا ہے اور رات کے وقت بھی ہر کسی کو دق کرتا ہے تو اس کو کچلہ دے کر مار ڈالنا جائز ہے؟ مالک کتے کا کچھ بندوبست نہیں کرتا۔

الجواب:- اس کا ہلاک کرنا تو جائز معلوم ہوتا ہے مگر اس کے دام مالک کو دینا ہوں گے خواہ کسی بہانہ سے، ۲۴ رمضان سنہ ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثانیہ،ص:۸۷)

دوا کی غرض سے جانور کو مارنا

سوال (۳۳۵) طلاء کے نسخہ میں جو کیچوے و کچھوے و بیر بہوٹی وغیرہ مار کر ڈالی جاتی ہے مرض کے لئے ان چیزوں کی جان کھونا جائز ہے یا نہیں؟ یا کوئی شخص اپنی بکری (یعنی فروخت) کے لئے طلا تیار کرے اور ان چیزوں کو ڈالے تو ان کا مارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ شرع میں یہ ضرورتیں معتبر ہے اس لئے جائز ہوگا ہاں تکلیف زائد از ضرورت دے کر مارنا جائز نہیں۔

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۴ھ (امداد ج:۲،ص:۱۷۹) (امداد الفتاوی ج:۲،ص:۲۶۴)

جانوروں کا کانجی ہاؤس میں داخل کرنا

سوال (۳۳۶) نیلام کانجی ہاوس سے جانور خریدنا اور اس کی قربانی کرنا اور جانوروں کا کانجی ہاؤس بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- فی الدر المختار وان غلبوا (ای اھل الحرب) علی

اموالنا واحرزوها بدراهم ملکوها ،اور عملہ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکار کی ہو جائے گا، لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے اور جب یہ بیع صحیح سے ملک میں داخل ہو گیا تو قربانی بھی اس کی درست ہے البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے اس لئے بلاضرورت بدنام بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا۔

اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے اس جانور کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہے اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے اس مقدار تک کانجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے۔

کما صرحوا فی الدر المختار آخر باب جناية البهيمة ادخل غنماً او ثورا او فرسا او حمارا فی زرع او کرم ان سائقا ضمن مااتلف والالا وقيل يضمن وقال الشامی مرجحاً للقول الثانی اقول ويظهر ارجحية هذاالقول لموافقته لما مر اول الباب من انه يضمن مااحدثته الدابة مطلقاً اذا ادخلها فی ملك غيره بلااذنه لتعديه واما لو لم يدخلها ففی الهداية ولو ارسل بهيمة فافسدت زرعا علی فورها ضمن المرسل وان مالت يميناً او شمالا وله طريق آخر لايضمن لما مر۔

(امداد الفتاویٰ ج:۴،ص:۲۶۴) ۵ محرم سنہ ۱۳۲۳ھ (حوادث اول ص ۴۷)

موذی جانوروں کو مجبوری کے وقت آگ میں جلانا

سوال (۳۳۷) جنگل کا ایک جانور بنام سیہ ہے وہ کھیت کو نقصان بہت پہنچاتی ہے اور ان کی تدبیر سوائے زمین کو آگ دینے کے اور نہیں ہو سکتی تو ان کو آگ

دے کر مار دیا جاوے یا نہیں؟

الجواب:- اگر وہ کسی اور طریق سے دفع نہ ہو تو پھر مجبوری کو آگ دینا جائز ہے اور اگر کسی اور طریق سے ہلاک ہو جاوے یا وہاں سے اور جگہ دفع ہو جاوے تب جلانا جائز نہیں۔ ۱۰ ربیع الآخر سنہ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص:۲۱) (امداد الفتاویٰ ج:۲، ص:۲۶۵)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ

اور

حقوق العباد کی ادائیگی

ترتیب

محترم جناب محمد اقبال قریشی صاحب

ناشر

ادارہ اسلامیات

کراچی۔ لاہور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ادائیگی حقوق العباد سے متعلق چند قابل تقلید واقعات

آج کل رسالہ اشرف الارشاد فی حقوق العباد زیر ترتیب ہے زیر نظر مضمون میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خود حضرت رحمہ اللہ کا اس پر کتنا عمل تھا ورنہ: ؎

توبہ فرمایاں چوں اکثر توبہ کمتری شوند

بندہ محمد اقبال قریشی خادم مجلس صیانۃ المسلمین ہارون آباد۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات مبارکہ وصال مبارک کے وقت "اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَت اَیمَانُھُم" (یعنی نماز اور جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھو) رواہ البیہقی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، چنانچہ اس کامل متبع سنت، حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا آخری ملفوظ بھی یہی تھا جو اپنے خلیفہ خاص عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ سے دو تین دن قبل ارشاد فرمایا کہ "مجھے دو چیزوں کا بہت خیال ہے نماز کا اور حقوق کا"۔ (دیکھئے سیرت اشرف ج:۲، ص:۳۸۵، خاتمہ السوانح ص:۶۱)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا آخری عمل "امانتوں کی سپردگی"

عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں "عصر کی نماز کے بعد جناب مولانا شبیر علی صاحب مہتمم مدرسہ وخانقاہ وبرادر زادہ

حضرت اقدس کو یاد فرمایا مولانا شبیر علی صاحب حضرت اقدس کے لئے دوائیں لینے سہارنپور تشریف لے گئے تھے پیرانی صاحبہ کو خیال ہوا کہ اگر سہارنپور جانا معلوم ہوگا تو شاید حضرت کو تکلیف ہو، اس لئے یہ عرض کردیا کہ اچھا بلاتی ہوں کچھ دیر بعد پھر یاد فرمایا مگر پھر بھی الجھن سے بچانے کے لئے اسی طرح عرض کردیا، جب کئی مرتبہ یاد فرمایا تو مولانا شبیر علی صاحب کی اہلیہ صاحبہ نے پیرانی صاحبہ سے کہا کہ حضرت کو اس بار بار دریافت کرنے سے الجھن ہورہی ہوگی وہ سوچتے ہوں گے کہ میں بلارہا ہوں وہ آتے کیوں نہیں؟ اس لئے بتادیا جائے کہ سہارنپور آپ کی دوا لینے گئے ہیں تب پیرانی صاحبہ نے اطلاع کی کہ وہ آپ کی دوائیں لینے سہارنپور گئے ہیں اور انشاء اللہ رات کی گاڑی سے آجائیں گے اسکو سن کر بہت افسوس فرمایا اور فرمایا کہ خانقاہ کے متعلق مجھے ان سے کچھ کام تھا اس پر پیرانی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھ سے فرمادیجئے تو فرمایا کہ تمہاری سمجھ میں نہ آوے گا۔

پھر مولانا شبیر علی صاحب کی عدم موجودگی پر افسوس فرمایا اس پر پیرانی صاحبہ نے اصرار فرمایا کہ حاضرین میں سے کسی کو سمجھا دیا جاوے ان کے اصرار پر خاموشی اختیار فرمائی، پھر پیرانی صاحبہ نے ان کی الجھن ختم کرنے کے لئے مولوی جمیل احمد صاحب کو بعد نماز مغرب فوراً بلوا کر پھر عرض کیا کہ مولوی جمیل حاضر ہیں ان کو سمجھا دیا جائے تو غالباً بات کو ختم کرنے کے لئے امانتوں کا صندوقچہ منگوایا چونکہ اس میں مدرسہ کی کوئی امانت تھی ہی نہیں اور حضرت والا کے حواس اس قدر درست اور بجا تھے کہ یہ کسی طرح سمجھا نہیں جاسکتا کہ باوجود مدرسہ کی امانت اس میں نہ ہونے کے ویسے ہی صندوقچہ منگا لیا ہوگا بلکہ اس وقت بات کو ختم کرنا ہی مقصود معلوم ہوتا تھا، چنانچہ عرض کیا کہ مولوی جمیل اور مولوی ظفر کو سمجھا دیجئے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔

یہ باتیں سن کر گھر کی لڑکیاں رونے لگیں، چھوٹی پیرانی صاحبہ نے عرض کیا کہ دیکھئے لڑکیاں رو رہی ہیں ایسی مایوسی کی باتیں آپ کیوں کررہے ہیں؟ ایسی کیا جلدی ہے؟ صبح جب سانس کی تکلیف جاتی رہے اس وقت سمجھا دیجئے گا، فرمایا کہ رونے

والیاں تو باؤلی ہیں میں مایوسی سے تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں حقوق العباد کا معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے سب امانتوں کا سمجھا دینا ضروری ہے، پھر مغرب کی نماز لیٹے لیٹے ادا کرنے کے بعد چھوٹی پیرانی صاحبہ سے یہ بھی پوچھا کہ میں دونوں کو ماہوار خرچ دے چکا ہوں انہوں نے تسلی دی ہمیں بہت کچھ مل چکا ہے ہمارے پاس خرچ بہت کافی موجود ہیں آپ دے چکے ہیں بے فکر رہیں۔

پھر لفافوں سے امانتوں کی رقمیں نکلوائیں ایک میں چودہ آنے نکلے، فرمایا پندرہ آنے ہوں گے مکرر دیکھنے پر ایک اکنی اور اسی لفافہ میں مل گئی، پھر دوسرے لفافہ کی رقم نکلوالی گئی پانچ پانچ روپیہ کے چھ نوٹ تھے، اور کچھ ریز گاری تھی، ان نوٹوں کو خود ہاتھ میں لے کر گننے کی کوشش کی اور کچھ کہا بھی مگر زبان لڑکھڑا چکی تھی کچھ سمجھ میں نہ آیا، اتنے میں غشی طاری ہوگئی اور نوٹ سینہ پر بکھر گئے دونوں ہاتھ سینہ پر رہے، بس امانت سپرد کرنا لعد سمجھانا ہی آخری عمل تھا، حالانکہ کوئی بات ایسی سمجھانے کی تھی نہیں کیونکہ حسب معمول لفافہ پر لکھا تھا کہ اس مد کی رقم ہے اور اندر بھی پرچہ رکھا ہوا تھا جس میں ضروری باتیں ہر رقم کے متعلق لکھی ہوئی تھیں، مگر چونکہ طبیعت میں حقوق العباد کا غایت درجہ اہتمام تھا اس لئے آخر وقت بھی اسی کے خیال کا غلبہ رہا''۔ (خاتمہ السوانح ص:۶۰،۶۱)

حضرت حکیم الامت کو ادائیگی حقوق العباد کی اس قدر فکر تھی کہ وصال سے تقریباً اٹھارہ سال قبل ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۴ھ کو اہل حقوق کی خدمت میں معذرت نامہ بعنوان ''العذر والنذر'' شائع فرمایا جس میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ احقر افقر اذل ارذل کام کا اشرف نام کا اشرف تمام ان حضرات کی خدمت میں جن کا کوئی حق میرے ذمہ ہو خواہ وہ حق مالی ہو جس کا احتمال ضعیف و قلیل ہے بجز ایک حق کے کہ بعض خطوط میں جواب کے لئے ٹکٹ آتے ہیں اور کاتب کا پورا پتہ نہیں ہوتا انتظار کے بعد میں ان ٹکٹوں کو مصارف لقطہ میں صرف کر دیتا ہوں، مگر نیت ہے کہ اگر ٹکٹ والے اس صرف کرنے کو جائز نہ رکھیں تو ٹکٹ مجھ سے لے لیں حاضر کروں گا یا اس کے علاوہ کوئی اور حق ہو جو مجھ کو یاد نہ ہو اس کے ادا کرنے کے لئے بھی

حاضر ہوں اور ہر حال میں یہ شرط کہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جاوے، اور خواہ وہ حق غیر مالی ہو جیسے کسی کو ناحق کچھ کہہ لیا ہو خواہ روبرو یا پس و پشت اور خواہ ابتداً ایسا ہوا ہو یا انتقام میں حد مساوات سے تجاوز ہو گیا ہو یا کسی کو ناحق بدنی ایذاء پہنچائی ہو (اور ایسے غیر مالی حقوق کا احتمال قوی اور کثیر ہے) ان سب اہل حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت اور سماجت سے درخواست کرتا ہے کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے عوض لے لیں بشرطیکہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جاوے اور خواہ حسبۃً للہ (اللہ کی رضا کی خاطر) معاف فرمادیں میں دونوں حالتوں میں ان کا شکر گذار ہوں گا کہ مجھ کو محاسبہ آخرت سے بری فرمایا اور معافی کی صورت میں دعا بھی کرتا رہوں گا کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔

بامید عفو خداوندی (اللہ تعالیٰ کی معافی کی امید پر) میں اپنے حقوق غیر مالیہ جو کسی کے ذمہ ہوں بلا استثناء سب کو معاف کرتا ہوں (اور اس قسم کا اعلان اس کے قبل بھی زمانہ تحریکات میں کر چکا ہوں) اور حقوق مالیہ میں غیر مستطیع کو اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے خاص طور پر گفتگو کرے انشاء اللہ تعالیٰ کوئی سبیل سہل نکال دوں گا خواہ معافی خواہ تخفیف خواہ مہلت یا اور کچھ''۔ (اشرف السوانح، ج:۳،ص:۱۴۲،۱۴۳)

گنوں کے کرایہ کی ادائیگی

مخدوم الصلحاء حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جارہے تھے، کچھ گنے ساتھ تھے جن کو محصول ادا کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تلوانا چاہا، لیکن کسی نے نہیں تولا، بلکہ ازراہ عقیدت ریلوے کے غیر مسلم ملازمین نے بھی کہہ دیا کہ آپ یوں ہی لے جائیے، ہم گارڈ سے کہہ دیں گے، حضرت نے فرمایا گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا غازی آباد تک، فرمایا غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا ''پھر آگے کیا ہوگا؟ بس وہ کانپور تک جائے گا اور وہاں آپ کا

بسفر ختم ہو جائے گا'' فرمایا نہیں وہاں سفر ختم نہ ہوگا آگے ایک اور سفر آخرت بھی ہے وہاں کیا انتظام ہوگا؟ یہ سنکر سب دنگ رہ گئے اور بے حد متاثر ہوئے (یہ ہے احتیاط، خوف خدا اور فکر آخرت)۔

(اشرف المقالات ج:۱، ص:۲۵۲، مطبوعہ مجلس صیانۃ المسلمین لاہور وحسن العزیز ج:۳، ص:۴۱۹)

والد مرحوم کے ترکہ سے ان کے چاروں ازواج کی ادائیگی حقوق مہر

ایک طالب علم نے حضرت والا سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ان کے والد مرحوم نے دو نکاح کئے تھے، لیکن کسی زوجہ کا بھی مہر ادا نہ کیا تھا کیونکہ ادائے مہر کا عموماً دستور نہ تھا، بلکہ مستورات مہر وصول کرنے کو عموماً برا سمجھتی تھیں، تو یہ پوچھا تھا کہ مرحوم کے ترکہ میں سے ادائیگی مہر واجب ہے یا نہیں؟ اس سے حضرت والا کا فوراً ذہن منتقل ہوا کہ ہمارے والد مرحوم صاحب نے بھی تو یکے بعد دیگرے چار نکاح کئے تھے اور کسی کا مہر ادا کرنا معلوم نہیں نہ معافی معلوم، نہ ترکہ میں سے ادا کرنے کا کسی کو خیال آیا، حضرت والا ان طالب علم کے بہت ممنون ہوئے کہ ان کے بدولت ایک ایسے مسئلے کی طرف ذہن منتقل ہوا جس کا اتنے عرصہ دراز تک کبھی خیال تک نہ آیا تھا اور ادائیگی حقوق کی کوشش میں ہمہ تن مشغول ہو گئے دوسرے علماء سے استفتاء کیا کیونکہ اپنے معاملہ میں خود اپنے فتویٰ پر عمل کرنا خلاف احتیاط سمجھا، گو بناء بر رسم غالب برائے مہر علماء نے اکثر فتوے یہی دیا کہ ترکہ سے ادائیگی واجب نہیں۔

پھر بھی چونکہ رسم کا واقع ہونا متیقن نہ تھا حضرت والا نے احتیاط اس میں سمجھی کہ جو والد مرحوم کا ترکہ میرے حصہ میں آیا ہے اس کے تناسب سے والد صاحب کی چاروں ازواج کے ورثاء کو مہر کا روپیہ حصہ رسد ادا کروں گا چنانچہ نہایت اہتمام سے ورثاء کی تحقیق کی جو دور دراز مقامات، بلکہ دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے تھے تقریباً دو سال اسی تحقیق میں گذر گئے، جوابی خطوط بھیج بھیج کر احباب واعزہ سے تفتیش حالات

کرکر کے جملہ مستحقین کے نام اور پتے دریافت کیے اور بعض مقامات پر ایک اہل علم کو بھی تحقیق ورثاء کے لئے بھیجا اور پھر از روئے فرائض ان کی حصہ کشی کرائی، چونکہ فرائض کا بہت طویل مسئلہ تھا اور حضرت والا اپنے کسی خادم سے بھی اس قسم کا کوئی کام بلا اجرت نہیں لیتے لہٰذا حصہ کشی میں غالبا چودہ پندرہ روپیہ اور مدت طویل صرف ہوئی پھر تقسیم میں بھی بہت طوالت کرنی پڑی، کیونکہ بعض کے حصہ میں ایک ایک آنہ بلکہ ایک ایک پیسہ تک آیا تھا اور بعض ان میں بہت متمول (مالدار) تھے جن کو ایک آنہ کی رقم دیتے ہوئے بھی سخت حجاب ہوتا تھا لیکن چونکہ ادا کرنا واجب تھا ان کو یہ لکھ کر بھیجا کہ آپ ادائے حقوق میں اگر میری اعانت کریں گے میں ممنون ہوں گا چنانچہ انہوں نے نہایت خوشی سے قبول کیا اور گو بعضوں نے بڑی بڑی رقوم لے کر پھر حضرت والا ہی کی خدمت میں پیش کر دیا، لیکن حضرت والا اپنی طرف سے اس پر آمادہ تھے کہ چاہے جتنی بڑی رقم میرے ذمہ نکلے (کیونکہ مہر ہر ایک کا پانچ پانچ ہزار تھا جس میں سے حضرت والا کے ذمہ ایک ہزار یا کچھ زائد نکلا تھا) انشاء اللہ تعالیٰ ادا کروں گا، چاہے عمر بھر ادائیگی ہی میں صرف ہو جائے حضرت والا نے بعد ادائیگی فرمایا کہ گو نہایت دشوار امر تھا لیکن حق تعالیٰ نے ایسی دستگیری فرمائی کہ بلا کسی خاص پریشانی کے سبکدوشی نصیب ہوگئی۔

(اشرف السوانح ج:۳، ص:۲۵۲)

مصارف یتیم خانہ کے لئے تین مکانوں کی رجسٹری

حضرت کے خلیفہ حکیم نور احمد صاحب کانپوری رحمہ اللہ نے مرض الموت میں اپنے تین مکان بذریعہ تحریری وصیت حضرت کے نام تملیک کرکے اس کی باضابطہ رجسٹری کرادی، حضرت تھانوی چونکہ ان ایام میں تھانہ بھون رہتے تھے اس لئے ان کو اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا، اور نہ وہ بوجہ بعد مسافت اور تنگی وقت حضرت کو اس امر سے آگاہ کر سکے جب حضرت کو کانپور جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں پہنچ کر یہ واقعہ بھی معلوم ہوا چونکہ حقوق العباد کا معاملہ تھا اس لئے حضرت نے بڑے اہتمام سے مرحوم کے ورثاء کی

نسبت تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا، البتہ یہ سنا کہ ان کے کوئی عزیز تھے جو مفقود الخبر ہیں۔

علت تملیک پر جب حضرت نے غور فرمایا تو وہ ذوقاً اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر مرحوم کو گنجائش ملتی تو وہ کسی وارث کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ رقم مصارف خیر میں ہی وقف کرتے لیکن چونکہ ان کو کوئی قابل اعتماد آدمی نہ ملا اس لئے ان کو خیال ہوا کہ میرے نام وصیت لکھ دیں کہ وہ ان مکانات کی آمدنی مصارف خیر میں صرف کریں گے، حالانکہ اس امر کی تائید میں وصیت نامہ میں ایک حرف بھی موجود نہ تھا بلکہ انہوں نے وہ مکان مطلق تملیک کئے تھے جنہیں اپنے مصرف میں لے لینے میں کوئی امر مانع نہ تھا مگر حضرت کے تقویٰ واستغناء سے یہ برداشت نہ ہو سکا، اور آپ نے غایت احتیاط کی بناء پر وہ تینوں مکان اپنی ملک میں رکھنے کے بجائے اس شرط کے ساتھ یتیم خانہ کان پور کے نام وقف کر کے رجسٹری کرادیئے کہ:

''مرحوم کے کسی شرعی وارث کی مجھ کو تحقیق نہیں ہوئی، سو اگر واقع میں ایسا ہی ہے تب تو یہ مکانات کل وقف ہیں اور اگر کوئی شرعی وارث حجت شرعیہ کے موافق ثابت ہو جائے تو اگر وہ اس وقف کو جائز رکھے (اور شرعاً جائز رکھنے کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے) تب بھی کل وقف ہے اور اگر وہ جائز نہ رکھے یا اس کا جائز رکھنا کسی عارض کے سبب جائز نہ ہو تو مجموعہ مکانات کا ایک ثلث وقف ہے اور دو ثلث اس وارث کا حق ہے اور اب سے لے کر اس کی میراث شرعی ملنے تک حساب سے جو کچھ اس وقف کی آمدنی ہو اس کا دو ثلث بھی اس وارث کو واپس کیا جائے اور اگر وقف۔ مذکورہ کی آمدنی میں اس وقت اس قدر رقم موجود نہ ہو تو اس دو ثلث کی آمدنی کو بقیہ ایک ثلث کی آمدنی سے اول پورا کیا جاوے اس کے بعد مصارف یتیم خانہ میں صرف کیا جائے۔''

جب یہ وقف نامہ بغرض رجسٹری پیش ہوا تو اس کو دیکھ کر سب رجسٹرار بڑا ہی متاثر ہوا اور بے حد تحسین کی کہ اس سے قبل اس قسم کا وقف اور ایسا وقف نامہ جو مختصر اگر واضح اور ہر پہلو سے مکمل ہو، میں نے نہیں دیکھا حالانکہ حضرت قانون دان نہ تھے۔

اعلان عام

آپ نے صرف یہ وقف نامہ رجسٹری کرادینے اور وارث کے حقوق کا بندوبست کردینے کا ہی اکتفانہ کیا بلکہ اس امر کے متعلق مفصل اعلان رسالہ ''تنبیہات وصیت'' کے ضمیمہ خامسہ تتمہ سابعہ کے مضمون رابع میں بھی شائع فرمایا تا کہ:

الف: کسی طرح مرحوم کے مفقود الخبر عزیز کواس بات کا علم ہو جائے۔ یا

ب: ممکن ہے ان کا کوئی وارث اور شرعی وارث موجود ہوتو وہ باخبر ہو جائے۔ نیز یہ کہ

ج: میرا کوئی وارث رائج الوقت انگریزی قانون کی بناء پراس کا دعویٰ نہ کر بیٹھے، اس سلسلہ میں مزید احتیاط واہتمام یہ کیا کہ:

''اس وقف نامہ کی رجسٹری عدالت کانپور کا پورا پتہ لکھے دیتا ہوں تا کہ حق دار کو حاجت کے وقت اس کی نقل لینا سہل ہو جائے''۔ (سیرت اشرف ج:ص:۱۱۸،۱۱۹)

ہندو بزاز کے زائد رقم کی واپسی

ایک ہندو بزاز کے یہاں سے کپڑا منگایا اس نے بل ساتھ بھیجا خود حساب لگایا تو چند پیسے کم کا تھا حضرت رحمہ اللہ نے وہ رقم اور زائد پیسے بھیج دیئے اس نے لینے سے انکار کر دیا کہ میرا حساب ٹھیک ہے پھر حساب جانچا تو غلط تھا، پھر بھیجا، اس نے پھر لینے سے انکار کر دیا حضرت رحمہ اللہ نے اس کے بعد پھر بھیجے اور یہ کہلا بھیجا کہ میرے حساب میں یہ پیسے زائد ہوتے ہیں میں واپس نہیں لوں گا تم لے لو، نہیں رکھتے ہوتو کسی غریب کو دیدو اور لے جانے والے کو فرمادیا کہ ''واپس مت لانا''۔

(اشرف المقالات ج:۱ص:۱۳۲ بروایت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ)

ریلوے کے لالٹین کی واپسی

سفر میں ایک اسٹیشن پر گاڑی بدلنے کے لئے ٹھہرنا پڑا، کئی آدمی ساتھ تھے

سردی تھی گودام خالی تھا اس میں ہوا سے بچاؤ ہو سکتا تھا اسٹیشن ماسٹر سے اجازت لے کر اس میں قیام کیا اسٹیشن ماسٹر لالٹین جلا کر لایا اور رکھ دی فرمایا:

''یہ لے جائیے یہ ریلوے کی لالٹین ہے ریلوے کا تیل ہے ہم مسافروں کے لئے نہیں'' اور واپس کر دی اندھیرے میں گذارہ کیا۔ (اشرف المقالات ج:۱،ص:۱۳۳)

مدرسہ کی سیڑھی کا کرایہ جمع کرانے کی ہدایت

نیا مکان حضرت رحمہ اللہ کا بن رہا تھا، حافظ صاحب جو حضرت رحمہ اللہ کا مکان بنوا رہے تھے آکر دریافت کیا کہ سیڑھی کی ضرورت ہے مدرسہ کی سیڑھی لے لی جائے فرمایا کہ مکان سے کرایہ لے لیا جائے، حافظ صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ کے کام کے لئے بھی تو اور جگہ سے ایسی چیزیں عاریۃً لے لی جاتی ہیں فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا تبرع ہے ان کو اختیار ہے کہ وہ نہ دیا کریں لیکن مدرسہ کی چیزیں وقف ہیں میں ان کا اس طرح استعمال ناجائز سمجھتا ہوں۔ (اشرف الاحکام مبوب ص:۳۳۶، بحوالہ حسن العزیز)

تقریظ نہ لکھنے کی صورت میں کتاب واپس کرنے میں عمل احتیاط

فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ تقریظ کے لئے جو کتاب آتی ہے اگر میں اس پر تقریظ نہیں لکھتا ہوں تو واپس کر دیتا ہوں گو اس نے ہبہ ہونا ظاہر کیا ہو کیونکہ بھیجنے والے کا مقصود تقریظ ہے جب وہ حاصل نہیں ہوا تو کتاب کا رکھنا، نہ دینا درست نہیں۔

(اسعد الابرار ص:۱۱۲، ملفوظ، ص:۴۹، اشرف الاحکام مبوب، ص:۲۹۱)

چکی سے اپنی گندم ہی کا آٹا پسوانے کا حکم

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ملازم گندم لے کر چکی پر گیا اور جلد ہی آٹا لے کر واپس آگیا، فرمایا ''یہ کیسے جلد ہو گیا'' عرض کیا اس نے گندم رکھ لئے اور آٹا دے دیا، فرمایا'' اسے واپس کر آؤ، (یہ جائز نہیں) وہ آٹا دوسرے کا ہے اس کا نہیں، اسے حق نہیں۔

(اشرف المقالات ج:۱،ص:۱۳۱)

اسی کے بارے میں خود ارشاد فرمایا شام کے وقت اپنے ملازم کو گھر سے گیہوں دیئے گئے کہ جلال آباد جا کر مشین میں پسوالائے ، وہ خلاف معمول جلدی سے آٹا لے کر چلا آیا ، میں نے اظہار تعجب کیا کہ جلدی واپس آ گئے اس نے کہا کہ رات ہونے والی تھی اور مجھے دوڈھائی میل چل کر واپس آنا تھا اس لئے مشین والوں نے میری رعایت سے مجھ کو پسا ہوا آٹا دے دیا ، اور اس کے بدلے میں پسائی کے پیسے اور گیہوں رکھ لئے ، میں نے کہا کہ یہ معاملہ تو ناجائز ہوا ، اگر یہ آٹا کھایا جائے گا تو سب کو سود کا گناہ ہوگا ۔ (اشرف السوانح ج:۲،ص:۴۵۵)

کتاب کی واپسی کے ساتھ مصارف ڈاک بھی ارسال فرمانا

ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کتاب اعلام الموقعین عاریۃً برائے مطالعہ کسی تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں ڈاکٹر عبد العلی صاحب کے توسط سے طلب فرمائی چنانچہ بعد فراغت کتاب کے ساتھ مصارف ڈاک بھی ارسال فرمائے چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں ''الحمد للہ آج اس کو واپس کر کے سرخ رو ہوتا ہوں ایک خط میں آمد کا محصول و مصارف ۷۰ آنہ لکھا تھا اس لئے ۸ آنہ بصورت ٹکٹ روانہ خدمت ہے ۔'' (اشرف المقالات ج:۱،ص:۲۷۰)

ڈاک ٹکٹوں کے معاملہ میں غایت احتیاط

حضرت حکیم الامت کا معمول یہ تھا کہ اگر ڈاک خانہ والے ٹکٹوں یا لفافے پر مہر لگانا بھول جائیں تو آپ فوراً اسے چاک فرمادیتے تاکہ دوبارہ استعمال میں نہ آسکیں ۔

ایک مرتبہ آپ نے مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ کو کوئی ضروری خط لکھا تو بجائے رجسٹری کے دو پیسے کا بیرنگ کر دیا ، اور ان دو پیسوں کا بوجھ بھی مکتوب الیہ پر ڈالنا گوارہ نہ فرمایا بلکہ لفافہ کے اندر دو پیسے کے ٹکٹ رکھ کر تحریر فرمایا '' میں نے خط کو حفاظت کے لئے ۱؍ (ایک پیسہ) بیرنگ کر دیا ہے اگر ڈاک والے لیں تو ٹکٹ حاضر

ہے اگر ذہول سے نہ لیں ان ٹکٹوں کو چاک کر دیجئے (تا کہ محصول ہمارے ذمہ بقایا نہ رہے) اگر چاک کرنے کو دل گوارہ نہ کرے تو کسی خط میں جو خاص اس غرض کے لئے نہ بھیجا جائے مجھ کو اطلاع کر دی جائے میں خرید کر چاک کر دوں گا''۔

(سیرت اشرف ج:۱ص:۳۲۸، بحوالہ حکیم الامت ص:۴۶۳)

محترم حکیم عبدالحمید بیگ صاحب تحریر فرماتے ہیں

زمانہ وہی جواب سے تقریبا پچاس سال پیشتر، اس وقت لفافہ ایک آنہ کا تھا، اور پوسٹ کارڈ دو پیسے کا، جب کسی ضرورت کے لئے حضرت اقدس مجدد ملت تھانوی قدس سرہ کو خط لکھا جاتا تو ایک لفافہ اپنے پتہ کا بھی لکھ کر اندر دیا جاتا تا کہ مکتوب الیہ پر جواب میں باقی بار نہ پڑے، احقر نے ایک مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حضرت علیہ الرحمۃ کو لفافہ لکھا اور ایک لفافہ اپنے پتہ کا بھی رکھ دیا (مگر اب لفافہ ۵ پیسے کا ہو گیا تھا اور چونکہ ڈاک خانہ سے ابھی ۵ پیسے کے لفافے جاری نہیں ہوئے تھے لہٰذا ایک آنہ کے لفافے پر ایک پیسہ کا مزید ٹکٹ لگانا پڑتا ہے) جواب حسب معمول تھانہ بھون سے بریلی چوتھے دن آ گیا، حضرت نے مسئلہ کا جواب لکھ ہی دیا تھا مگر بالکل اوپر یہ فقرہ بھی تحریر تھا''۔ر کا ٹکٹ نہ ہونے سے میں پریشان ہوا''یعنی ایک پیسے کا ٹکٹ (۔ر یہ علامت ہے ایک پیسے کی) میں سمجھ گیا کہ جو لفافہ میں نے اپنے پتہ کا لکھ کر رکھا تھا اس پر میں ایک پیسہ کا ٹکٹ لگانا بھول گیا تھا تو حضرت نے خود اپنے پاس سے ایک پیسے کا ٹکٹ لگا کر میرے پاس جواب بھیج دیا، میں نے خیال کیا کہ اب جو آئندہ کبھی حضرت کو خط لکھوں گا تو ایک پیسہ کا ٹکٹ بھی بھیج دوں گا۔

پھر ایک مدت تک خط بھیجنے کا اتفاق نہیں ہوا، کافی مدت کے بعد جب مجھے ایک مسئلہ کی ضرورت ہوئی اور حضرت کو خط لکھا تو یاد آیا کہ مجھے ایک پیسہ کا ٹکٹ بھی بھیجنا ہے لہٰذا میں نے ایک پیسہ کا ٹکٹ بھی اس مرتبہ رکھ دیا، اور معذرت بھی لکھ دی ساتھ ہی یہ بھی کیا کہ حضرت کی تحریر (جس کا حوالہ اوپر دے چکا ہوں کہ ایک پیسہ کا ٹکٹ نہ ہونے

سے میں پریشان ہوا) بھی رکھ دی تا کہ حضرت اپنی تحریر دیکھ کر یہ ٹکٹ لے لیں جواب حسب معمول چوتھے دن آیا اس میں سوال کا جواب تو تھا ہی مگر میرا ٹکٹ کا ایک پیسہ بھی واپس فرما دیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ ''چونکہ مجھ کو یاد نہیں اس لئے واپس ہے'' مجھے بڑا تعجب ہوا کہ میں حضرت کی تحریر بھی بھیج چکا ہوں، مگر حضرت لکھتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں، اس لئے واپس ہے جب کہ حضرت کی تحریر ہی میں نے منسلک کر دی تھی، میں اسی دن دفتر الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ، مدیر الفرقان کے پاس گیا (اس وقت رسالہ الفرقان مولانا نعمانی کی ادارت میں بریلی سے شائع ہوتا تھا) جو بہترین مناظر بھی تھے اور حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے وکیل مناظر بھی تھے (حضرت علیہ الرحمۃ نے لاہور کے معاملہ میں مولانا نعمانی کی استدعاء پر مولانا نعمانی کو اپنا وکیل مناظرہ بنا دیا تھا) غرض مولانا نعمانی کو حضرت کی تحریر اور جواب دکھایا، مولانا نعمانی نے فرمایا کہ حضرت ان جزئیات تک پر بھی عمل فرما لیتے ہیں جہاں تک ہم لوگوں کی نظر نہیں پہنچتی، بھئی مسئلہ یہ ہے اور حضرت نے بھی یہ مسئلہ غالباً صفائی معاملات کتاب میں لکھا ہے کہ تمہارے سامنے اگر کوئی تحریر تمہاری پیش کی جائے تو اس پر اس وقت تک عمل نہ کرو جب تک کہ تم کو اس کا لکھنا یاد نہ آجائے، لہذا تم نے حضرت کی تحریر ضرور بھیج دی مگر اتنے عرصے کے بعد حضرت کو اس کا لکھنا یاد نہ آیا اس لئے واپس فرما دیا۔

(ماہنامہ جریدہ الاشرف کراچی، ص: ۴۵، ۴۶، جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۸ھ)

اپنے وصیت نامہ کے نمبر ۹ میں تحریر فرماتے ہیں

میرے بعد میرے نام کے خطوط خواہ لفافے میں ہوں یا کارڈ اور جوابی ہوں یا غیر جوابی، اسی طرح منی آرڈر بھی وصول نہ کئے جاویں، بلکہ ان پر کیفیت لکھ کر واپس کر دیئے جاویں، البتہ اگر کوئی منی آرڈر کوپن سے مدرسہ کا معلوم ہو تو ڈاک والے اگر وعدہ کریں کہ مرسل کا خط دیکھ کر ہم دیدیں گے تب تو جس قدر قانون سے گنجائش ہو ڈاک خانہ میں امانت رکھوا کر مرسل کے پاس خط بھیج کر دریافت کر لیا جاوے اور اس

خط کا محصول میرے اس ربع سے دیدیا جاوے جس کا ذکر نمبر۴ میں گذر چکا ہے پھر وہ خط اہل ڈاک کو دکھلا کر منی آرڈر وصول کرلیا جاوے اور اگر اس طرح وصول کرنا خلاف قواعد ڈاک خانہ کے ہوتو ابتداءً ہی میں واپس کردیا جائے۔ (اشرف السوانح ج:۳،ص:۱۲۶)

کاپی نویس کو ترمیم کی اجرت الگ عطا فرمانا

احقر (حضرت حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری رحمہ اللہ) نے دیکھا ہے کہ خوش نویس سے حضرت والا رحمہ اللہ نے کوئی کاپی لکھوائی تو حسب قاعدہ جو غلطیاں کاتب سے ہوئیں ان سے بنوائیں اور بعض جگہ ایک دو لفظ تصنیف میں بڑھائے تو ان کی اجرت علیحدہ دی حالانکہ یہ بہت ہی ذرا سا کام ہے کہ کوئی راہ چلتا بھی کاتب سے اتنا لکھوائے تو اصلا بار نہ ہو۔ (مجالس الحکمت ص:۱۰۳)

اپنے عاشق خلیفہ و مرید کو نقل کی اجرت عطا فرمانا

عارف باللہ سیدی حضرت حاجی محمد شریف صاحب نواں شہر ملتان والے فرماتے تھے کہ مجھ سے حضرت نے کچھ عبارت نقل کروائی تو اس کی اجرت دی اور فرمایا کہ اس کے بغیر میں کام نہ کراؤں گا۔ (ماہنامہ الصیانۃ لاہور ستمبر سنہ۱۹۹۴ء ص:۲۱)

گڑیا توڑنے پر قیمت ارسال فرمانا

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اپنی ربیبہ کو گڑیا سے کھیلتے دیکھا تو خلاف شرع ہونے کی بناء پر غصہ کی حالت میں اسے توڑ دیا بقیہ واقعہ خود حضرت کی زبانی سنئے، فرمایا کہ آج جو مکان پر گیا تو رشیدہ (حضرت رحمہ اللہ کی ربیبہ) مٹی کی ایک گڑیا سے کھیل رہی تھی مجھے برا معلوم ہوا، میں اس سے لے کر باہر چلا آیا، اور دیوار پر مار کر توڑ دی، اس کی والدہ کا بیان ہے کہ وہ پرائی تھی، مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے ان کے پاس دو آنے بھیج دیئے اور کہلا بھیجا اگر خلاف شرع نہ ہوتا تو گڑیا خرید کر بھیجتا، مگر چوں کہ یہ خلاف شرع ہے اس لئے یہ تو نہیں ہوسکتا اس لئے قیمت بھیجتا ہوں، پھر فرمایا کہ ایسی

چیزوں کا ضمان تو ہے نہیں مگر چوں کہ ہمارا ان پر کچھ زور نہیں اس لئے میں نے ان پر سے ناگواری ہٹائی ہے کیوں کہ اس صورت میں اگر آئندہ شرع کی بات بھی کروں گا تو قبول نہ کریں گے میں نے پیسے بھیج کر تبلیغ بھی کردی اور کام بھی ہو گیا چنانچہ ان لوگوں نے پیسے واپس کردیئے اور کہلا بھیجا کہ آپ کو ہر طرح کا حق ہے پھر فرمایا یہ بڑوں کی خطا ہے جو گڑیوں کے کھیلنے سے منع نہیں کرتے، اگر وہ بچے سانپ بچھو جمع کریں تو وہ منع کریں گے یا نہیں؟ (حسن العزیز، ج:۲، ص:۲۲۲)

نواب بہاول پور کے خلعت کی واپسی

فرمایا کہ ریاست بہاول پور علم کے قدرداں ہے اکثر علماء جاتے آتے رہتے ہیں، مجھے گو اس قسم کا شوق نہیں مگر ایک مرتبہ مولوی رحیم بخش صاحب مدار المہام کے اصرار سے جانا پڑا، مولوی صاحب اہل علم سے نہایت محبت رکھتے تھے بڑی خاطر سے پیش آئے مولوی صاحب نے نواب صاحب سے ملایا، ریاست کا دستور ہے کہ جب کوئی نواب صاحب سے ملے تو خلعت اور دعوت ملتی ہے مجھے بھی ڈیڑھ سو روپے خلعت کے اور اکیس روپے دعوت کے دئے گئے اور مولوی صاحب نے مجمع عام میں دیئے اور یہ بھی کہا کہ آئندہ کے لئے انتظام کردیا ہے کہ جب آپ تشریف لاویں یہ روپیہ ملا کرے، میں نے بایں خیال کہ واپس کرنے میں ریاست کی توہین ہوگی وہ روپیہ لے لیا، کہا گیا کہ رسید لکھنی پڑے گی میں نے رسید بھی لکھ دی، بعد ازاں تنہائی کے وقت ایک صاحب کے ہاتھ جو وہاں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے وہ روپیہ مولوی صاحب کے پاس بھیجا، نہایت شرمندہ ہوئے اور لے لینے کے واسطے اصرار کیا مگر میں نے نہ مانا، فرمایا پھر جناب نے اسی وقت کیوں نہ واپس کردیا تھا میں نے کہا اس کو میں نے ریاست کے لئے باعث توہین سمجھا، فرمایا یہ تو آپ کی توہین ہوئی، اور ہم کسی طرح گوارا نہیں کرسکتے، میں نے کہا میری توہین تو جو کچھ ہونا تھی ہو چکی، ریاست کی توہین تو نہ ہوئی اور میری توہین کیا ہے؟ توہین تو اس کی ہو جو شاندار آدمی ہو ازالہ شان کا نام توہین ہے جب شان ہی نہیں ازالہ

کس چیز کا ہوگا؟ اس وقت واپس نہیں کیا، اب واپس لے لیجئے، میں اس کو اپنے واسطے جائز نہیں سمجھتا، ریاست کا خزانہ بیت المال ہے اس میں مساکین کا حق ہے یا قریب کے علماء کا جو یہاں کے لوگوں کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔ (کمالات اشرفیہ ص: ۵۲۶)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کو نواب ڈھاکہ نے بلایا اور سفر خرچ کے لئے سو روپے بھیجے

میں نے تیسرے درجہ میں سفر کیا جب وہاں پہنچا تو صرف چالیس روپے خرچ ہوئے تھے باقی واپسی کے لئے رکھے، نواب صاحب نے واپسی کے لئے خرچ دینا چاہا کیونکہ ان کو یقین نہیں آیا کہ کل اتنا ہی خرچ ہوا ہے میں نے مفصل حساب لکھ کر دکھلا دیا اور وجہ کمی کی یہ تھی کہ میں نے تیسرے درجہ میں اکثر حصہ سفر کا قطع کیا، نواب صاحب حیرت میں تھے پھر جب وطن واپس آچکا تو پھر بھی چالیس ہی روپے خرچ ہوئے اور بیس روپے بچ گئے، میں نے واپسی کو نواب صاحب کی اہانت سمجھا اس لئے بعد میں خرچ کر کے ان کو اطلاع دیدی۔ (کمالات اشرفیہ ص: ۵۳۰)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بقیہ رقم کے مسجد کے وضوء کی جگہ ٹین کے سائبان بنوا دیئے تھے۔

میاں بیوی کے درمیان انصاف

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ زوجیت کے جو حقوق ہیں ان میں قومیت کی وجہ سے کوئی فرق نہیں مثلاً ایک بی بی جولاہی ہو اور دوسری شریف، تو بھی برابری ہوگی حقوق میں جیسا اسے کھلائے پلائے ویسا ہی اسے بھی۔

(حسن العزیز ج: ۳، ص: ۳۹۸)

جس وقت نیا عقد ہوا تو فرمایا کہ میں ایک کی باری میں دوسری کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتا ہوں کہ اس سے اس کی طرف توجہ میں کمی ہوگی جس کی باری ہے اور یہ

اس کی حق تلفی ہوگی۔ (اشرف السوانح ج:۳،ص:۲۰۳)

اسی سلسلہ میں ایک بار فرمایا کہ ''دو بیویوں کو نباہنا سلطنت کے چلانے سے زیادہ مشکل ہے اس لئے کہ سلطنت کے انتظام محض ضابطے سے ہوتے ہیں اور میاں بیوی کے معاملہ میں تعلق دل کا بھی ہوجاتا ہے اس لئے اس کو سنبھالنا سلطنت کے سنبھالنے سے نازک تر اور دشوار تر ہے۔ (نقوش وتاثرات ص:۲۸۰) اس لئے آپ کے چند واقعات دونوں بیویوں کے مابین مساوات اور عدل کے ذکر کئے جاتے ہیں۔

میٹھی روٹیوں کے دونوں ازواج میں تقسیم کا واقعہ

حضرت مولانا شیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے گھونگی والوں سے فرمایا کہ میں ایک دفعہ اپنے وطن کا تحفہ دو میٹھی روٹیاں بطور ہدیہ لے کے حاضر خدمت ہوا دیکھ کر فرمایا کہ ایک چھوٹی ہے ایک بڑی ہے میں اپنی دو بیویوں میں کیسے تقسیم کرسکتا ہوں؟ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ تم خود ایک ایک روٹی اپنی طرف سے دونوں کو ہدیہ دے دو کیونکہ برابری کی تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ (آفتاب تھانہ بھون کی چند کرنیں، ماہنامہ الصیانہ ستمبر سنہ ۹۴،ص:۲۰)

شال کی تقسیم کا واقعہ

خود خانقاہ میں ایک ترازو رکھی رہتی تھی (جس کو مزاحاً میزان عدل فرماتے تھے) جو چیزیں گھروں میں بھیجنی ہوتی تھی، تول کر برابر کر کے بھیجی جاتی، اگر کپڑا ہوا تو برابر نصف، نصف ہوسکا تو کردیا ورنہ فروخت کرا کر قیمت برابر تقسیم کردی، ایک دفعہ تحفہ میں ایک شال آئی تھی، اس کے دو ٹکڑے کرنے چاہے، گھر والیوں نے کہا کہ دو ٹکڑے ہوکر وہ کسی کے بھی کام کی نہ رہے گی اور پسند تھی تو فروخت کرانے کو بھی پسند نہ کیا طے یہ ہوا کہ بازار سے اس کی قیمت لگوادی جائے اور ہر ایک کو اختیار ہو کہ نصف قیمت دے کر لے سکے۔ (اشرف القالات ج:۱،ص:۱۶۳)

آم اور گھی برابر تول کر دونوں گھروں میں بھیجنا

ایک شخص حضرت کے لئے آم اور گھی ہدیہ میں لائے چونکہ حضرت معاملہ میں

زوجین کے درمیان پورا عدل فرماتے ہیں حضرت والا نے اپنے ملازم سے تراز و منگائی اور یہ فرمایا کہ جو صاحب لائے ہیں وہی نصفاً نصف کر دیں تو مناسب ہے پھر فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی چیز میرے ایک مکان پر جائے اور وہاں سے تقسیم ہو کیونکہ میں ایک کو محتاج اور دوسرے کو محتاج الیہ بنانا نہیں چاہتا، اور اگر یہ صورت کروں کہ دونوں میں سے کبھی کوئی اور کبھی کوئی نمبروار تقسیم کیا کریں تو اس کا یاد رکھنا مشکل ہے، اس لئے تقسیم لانے والے کے ذمہ اور یہ عدل کے خلاف ہے کہ ایک کو محتاج اور دوسرے کو محتاج الیہ بناؤں لوگوں نے نکاح ثانی کو آسان سمجھ لیا ہے مناسب ایک ہی ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں "ذلك ادنی الا تعولوا" میں زیادہ پسند کو مروج کرنا چاہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ نکاح ثانی نہ کریں چنانچہ میں نے اپنے رسالہ "الغلوب المذیبه" میں لکھوا دیا ہے من نہ کردم شما حذر بکنید۔ (کمالات اشرفیہ ص:۴۶۶)

حضرت پیرانی صاحبہ رحمہ اللہ کے چھت سے گرنے کے سبب سنتوں کی نیت توڑ دینا

ایک بار حضرت بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا چھت پر سے گر پڑیں اس وقت حضرت والا خانقاہ میں فجر کی سنتیں پڑھ رہے تھے اسی دوران میں اطلاع ہوئی حضرت والا نے فوراً نیت توڑ دی اور گھر تشریف لے جا کر ان کی تیمارداری فرمائی، جب سب ضروری انتظامات فرما چکے اس وقت واپس تشریف لا کر نماز فجر ادا کی، ایسی حالت میں نیت توڑ دینا شرعاً واجب تھا، کما فی الدر المختار باب ادرك الفريضة ويجب القطع لنحو انجاء غريق او حريق فی رد المختار قوله ويجب ای يفترض۔

ف:- قلت ولا شك ان الواقعة المذكورة نحو الانجاء المذكور لاشتراك كل منهما فی كونه صونا عن الاهلاك ۔

آہ سبحان اللہ کیا ادائے حقوق اور حفظ حدود ہے ورنہ زاہدان خشک تو نماز

تو درکنارا ایسے مواقع پر وظیفہ چھوڑنا خلاف زہد سمجھتے جو سراسر حدودشرعیہ سے تجاوز ہے۔
(اشرف السوانح ج:۳،ص:۱۱۰)

دونوں ازواج محترمات کے حقوق مہرادافرمانا

اپنی وصیت نمبر۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں ''خداتعالیٰ کے فضل وکرم سے اس وقت میرے ذمہ بالکل کسی کا قرضہ نہیں اور حق تعالیٰ کا جو معاملہ فضل اس ناکارہ کے ساتھ ہے اس سے امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس سے محفوظ رہے گا اور اگر ایسا اتفاق ہوا کسی کی امانت میرے پاس ہوئی تو اس کی یادداشت زبانی یا تحریری حاضر کردی جائے گی اس کے ضمن میں یہ امر بھی قابل اطلاع ہے کہ مہر اہلیہ کا بھی میں ادا کر چکا ہوں، مکان مسکونہ اور بعض دوسرے اموال ملا کر یہ سب مہر میں دیدیا، اس وقت وہ مکان خالص ان کی ملک ہے وہ اس میں جو چاہیں تصرف کریں اور اسی طرح اثاث البیت (گھر کا سامان) اکثر ان کی ملک ہے اور بعض جو مشترک یا خالص میری ملک ہے وہ ہم دونوں کو یاد ہے ہر ایک کا قول اس میں انشاءاللہ تعالیٰ قابل تصدیق ہے۔
(اشرف السوانح ج:۲،ص:۱۱۷،۱۱۸)

دوتربوز ہم وزن ہونے کے باوجود کاٹ کر تقسیم فرمانا

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے حضرت پیرومرشد حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ ان کی خدمت میں ایک شخص دوتربوز لایا، حضرت نے فرمایا دو کیوں لایا؟ کیا ضرورت تھی؟ ایک ہی لے آتے، اس نے کہا کیا تیرے دو بیویاں نہیں ہے (اپنی بولی میں بول رہا تھا) کیا تیرے دو بیویاں نہیں ہیں؟ یوں دو لایا، ایک، ایک کے لئے، اور ایک ایک کے لئے، فرمایا ٹھیک ہے، لیکن اگر ایک کا وزن زیادہ ہوا اور ایک کا کم ہوا تو ایک کے پاس زیادہ وزن والا گیا اور ایک کے پاس کم وزن والا گیا تو یہ عدل وانصاف کے خلاف ہوگا، برابری تو ہوئی نہیں، اور حکم ہے برابری کا مگر چونکہ حضرت اس معاملہ میں معروف ومشہور تھے اس

لئے وہ گاؤں کا کاشتکار کہتا ہے کہ میں تجھے جانوں ہوں ان دونوں تربوزوں کو تلوا کر لایا ہوں یہ تیرا کانٹا (ترازو) رکھا ہوا ہے اس میں تول کر دیکھ لے، اگر تجھے یقین نہیں حضرت کے ہاں ترازو رکھی ہوئی تھی، ہر چیز دونوں کو تول تول کر دی جایا کرتی تھی، اگر کوئی چیز رسی سے بندھ کر آتی ہے تو اسکو بھی کاٹ کر تقسیم فرماتے تھے فرمایا نہیں تم مسلمان ہو اور جب تم کہہ رہے ہو کہ کانٹے میں تول کر دیکھ لے دونوں کا وزن برابر ہے تو ظاہر ہے کہ برابر ہی ہوگا، لیکن صاحب ایک بات اور ہے وہ بھی پوچھ لوں کہ اگر ایک تو ہو کم میٹھا اور ایک ہو زیادہ میٹھا تو ایک کے پاس تو زیادہ میٹھا گیا اور ایک کے پاس کم میٹھا گیا، تو انصاف کہاں ہوا؟ برابری کہاں ہوئی؟ تو وہ گاؤں والا کہنے لگا کہ میں ان کے اندر گھسا نہیں، مجھے کیا پتہ کون سا زیادہ میٹھا ہے اور کون سا کم میٹھا؟ اسے تم دیکھ لو۔

حضرت والا نے فرمایا ان دونوں کو اٹھا کر ترازو کے پاس لے چلو اس کاشت کار نے جب دونوں تربوز وہاں جا کر رکھدیئے تو حضرت نے چاقو نکالا اور وہاں پہنچ گئے دونوں کا اندازہ کر کے دونوں پر بیچوں بیچ نشان لگایا، نشان لگانے کے بعد چاقو سے اس کو کاٹا ان کے دو ٹکڑے کئے اس کا ایک ٹکڑا دوسرے کے ساتھ دوسرے کا ٹکڑا اس دوسرے کے ساتھ ملا کر ترازو کے پلڑے میں رکھا دونوں برابر ہو گئے، چوہدری صاحب وہ کم میٹھا تھا یا زیادہ وہ اسکے ساتھ مل گیا اور وہ اسکے ساتھ مل گیا، کانٹے میں تول کر برابر ہو گئے میٹھے اور کم میٹھے کے اندر بھی دونوں برابر ہو گئے، اب تو ٹھیک ہوا؟ چوہدری صاحب بولے کہ توں تو بہت ہی باریک کاتے ہے، یعنی بڑی محنت مشقت اٹھاتا ہے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے حضرت والا نے فرمایا چوہدری صاحب! یہاں کی یہ تکلیف کوئی تکلیف نہیں آخرت کے مقابلہ میں۔

دیکھا آپ نے تقویٰ اور خوف وخشیت کا اثر "انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء" انما حصر کے لئے ہے "یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء" عمل کر کے دکھا گئے کہ خوف کسے کہتے ہیں؟ خشیت کسے کہتے ہیں۔

(خطاب بموقع اجتماع سالانہ ہشتم مطبوعہ مجلس لاہور صیانۃ المسلمین ص:۳۹،۴۰)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اپنے دونوں گھروں کی راحت وعافیت کا بہت زیادہ خیال رکھتے

چنانچہ دونوں کو بیماریوں کے علاج کے لئے متعدد بار ہر قسم کی تکلیفیں اور اخراجات برداشت فرما کر دور دور کے شہروں میں خود اپنے ہمراہ لے گئے اور بعض دفعہ زنانے شفاخانوں میں ٹھہرا کر ان کا علاج کرایا اور خود باہر میدان میں خیمہ نصب کر کے اس میں قیام فرمایا۔ (اشرف السوانح ج:۳،ص:۱۰۹)

حضرت حکیم الامت ایک مرتبہ پیرانی صاحبہ رحمہ اللہ کو علاج کے لئے ہمراہ میرٹھ لے گئے ہوئے تھے کہ ایک عورت نے حضرت حکیم الامت کی ایک مریدنی سے کہا کہ میرے پیر ومرشد نے تو پچاس سال سے اپنی بیوی کا منہ تک نہیں دیکھا، یہ تمہارے پیر کیسے ہیں کہ اپنی بیوی کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں، اس پر اس مریدنی نے اس عورت سے کہا کہ پھر تو تمہارے پیر سے ہرگز بیعت نہ ہوں گی وہ تو پچاس برس سے خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہے کہ بیوی بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتا میں تو ان ہی سے مرید ہوں گی۔ (وعظ تواصی بالصبر)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کو حقوق العباد کی ادائیگی کا اس قدر اہتمام تھا کہ وصال سے چند گھنٹے قبل مغرب کی نماز لیٹے لیٹے ادا کرنے کے بعد چھوٹی پیرانی صاحبہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ میں دونوں کو ماہوار خرچ دے چکا ہوں؟ اس پر انہوں نے تسلی دی کہ ہمیں بہت کچھ مل چکا ہے ہمارے پاس خرچ بہت کافی موجود ہے آپ دے چکے ہیں بے فکر رہیں۔ (خاتمہ السوانح ص:۶۱)

دونوں گھروں میں مساوی القیمت تھان عطا فرمانا

ایک صاحب ایک تھان سنگی کا ہدیہ میں لائے، اس سے قبل حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک تھان خرید کر دونوں گھروں میں نصف نصف دے چکے تھے چونکہ دوسرا تھان آ گیا تھا تو اب ایک ایک پورا پورا تھان دونوں گھروں میں دیا جا سکتا تھا وہ

تھان والے مبصر بھی تھے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے یہاں تک احتیاط کی کہ وہ دونوں تھان ان کو دکھائے کہ ان دونوں تھانوں میں کوئی کم قیمت تو نہیں تاکہ اگر کسی تھان کی قیمت کم ہو تو اتنی رقم دے کر کمی پوری کردی جائے مگر وہ دونوں تھان مساوی القیمت نکلے پھر بھی حضرت نے احتیاطاً دوسرے مبصر کو بھی دونوں تھان دکھلاکر تسلی فرمائی۔

(حسن العزیز ج:۳،ص:۱۲۶، مطبوعہ تھانہ بھون۔)

دونوں گھروں میں یکساں خطوط لکھنے کا معمول

حضرت والا جب سفر میں گھر کو خط لکھتے تو دو لکھتے اہل خانہ قدیم کو اور جدید کو، چنانچہ آج بھی دو خط لکھے، اور فرمایا آج بڑے لمبے لمبے لکھنے پڑے، اصل میں ایک خط لمبا لکھنا تھا اس میں میں نے سفر کے کل حالات تفصیل کے ساتھ لکھے ہر ہر مقام پر پہنچنے اور روانگی وغیرہ کو مفصل لکھا ہے کیونکہ ایک کو میں بہت غمگین چھوڑ آیا تھا، منتظر کی تسلی بلا تفصیل کے نہیں ہوسکتی، اور دوسری کو مفصل اس واسطے لکھا کہ عدل قائم رہے پہلے خط کو بجنسہ نقل کردیا، چلتے وقت جدیدہ نے لفافے کارڈ مانگے میں نے دیئے اور اتنے ہی قدیمہ کو جاکر دیئے حالانکہ انہوں نے مانگے نہیں، مفتی صاحب نے پوچھا دونوں کو خط یکساں لکھنا بھی عدل میں داخل ہے فرمایا نہیں، مگر دلشکنی کا زیادہ خیال رکھتا ہوں پھر فرمایا میرے جیسے قلب والے کو تعدد ازواج مناسب نہیں احقر نے عرض کیا یہ الٹی بات ہے میرا خیال ہے کہ دوسرا کوئی نہیں کرسکتا۔ (مجالس الحکمۃ)

اپنے متعلقین کو ادائیگی حقوق العباد کی تعلیم

جس طرح حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ خود ادائیگی حقوق العباد کا کما حقہ اہتمام فرماتے اسی طرح اپنے متعلقین کو ادائیگی حقوق العباد کے بارے میں سخت تنبیہ فرمایا کرتے، چنانچہ ارشاد فرمایا کرتے ''حقوق العباد کا ادا کرنا اوراد و وظائف سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے اس کے ترک سے مواخذہ ہوگا اور ترک وظائف سے کچھ مواخذہ نہیں،'' یہ تو مستحب ہے لوگ ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام اختیار کرتے

ہیں۔(مقالات حکمت ص:۱۷)

اسی طرح فرماتے ہیں ”لوگ اہل وعیال کے حقوق کی بالکل پرواہ نہیں کرتے ،بس حکومت کرنا جانتے ہیں یہ خیال نہیں کرتے کہ جن پر حکومت کرتے ہیں ان محکوموں کا بھی کوئی حق ہمارے ذمہ ہے یا نہیں“۔(الافاضات الیومیہ ص:۴۰)

مسجد کا لوٹا مصروف رکھنے پر تنبیہ

مسجد میں حضرت رحمہ اللہ کے وضوء کے لئے کسی صاحب نے لوٹے میں پانی بھر کر رکھ دیا ،مسواک اس پر لے جا کر رکھ دی ،حضرت رحمہ اللہ ذرا دیر میں تشریف لائے تو لوٹا ،مسواک دیکھی فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے؟ وہ صاحب حاضر ہوئے عرض کیا: میں نے ،فرمایا: ”مسجد کا لوٹا سب کے لئے وقف مشترک ہے دیر تک روک کر رکھ دینا کہ دوسرا استعمال نہ کر سکے درست نہیں ،جب خدمت کا سلیقہ نہیں تو خدمت کے لئے کہا کس نے ہے“۔(اشرف القالات ج:۱،ص:۱۳۳)۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے ایک بار ایک شخص سے سوختہ لیا اور کہا پانچ روپے کا پچیس من تم دے دو، میں فلاں درخت کٹوا رہا ہوں تم کو پانچ روپے کا پچاس من گیلہ سوختہ دے دوں گا ،یا نقد پانچ روپیہ جو تم چاہو گے ،کسی نے حضرت رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اس نے پچیس من خشک سوختہ پچاس من تر سوختہ کے عوض ادھار لیا ہے یعنی دو ربا ہو گئے ہم جنس میں دوگنا ہے اور ادھار ہے میں حاضر ہوا تو فرمایا تم نے سوختہ کس طرح لیا ہے اس اطلاع دینے والے کی بات پر وثوق نہیں فرمایا مجھ سے دریافت فرمایا میں نے صورت مذکورہ عرض کر دی فرمایا ہاں یہ تو جائز ہے مجھے کسی نے غلط خبر دی کہ پانچ من کا دس دینا کر کے لیا ہے“۔(اشرف القالات ج:۱،ص۱۳۲)

فرمایا کہ ایک صاحب یہاں بغرض تعلیم وتلقین آئے ، میں نے ان سے دریافت کیا کہ بیوی کا کیا انتظام کر آئے ہو جواب دیا کہ اپنے میکے میں موجود ہیں آخر کار کھلتے کھلتے معلوم ہوا کہ آپس میں نا اتفاقی ہے اور بیوی طلاق کی خواستگار ہے میں

نے کہا کہ پھر اس کو کیوں مقید کر رکھا ہے اس کا فیصلہ کرنا ضروری ہے آپ جائیے اور معاملہ صاف کیجئے تب آیئے یا تو وہ آپ کے پاس رہنا قبول کرے ورنہ اس کو طلاق دیجئے چنانچہ وہ گئے اور طلاق دے کر آئے پھر وہ کہتے تھے کہ جیسی یکسوئی سے میں نے اب کام کیا ہے ویسا پہلے ہرگز نہ ہوتا، پھر فرمایا کہ مقصود تو شریعت ہے شریعت نہ ہوئی تو طریقت کیا چیز ہے؟ حقوق العباد زیادہ سخت چیز ہیں حقوق اللہ سے بھی۔

(کمالات اشرفیہ ص:۵۰۱،۵۰۲)

طلباء کو پہلے ادائیگی حقوق کا حکم

ایک بار چند طالب علموں نے خانقاہ میں مستقل قیام کرنا چاہا،تو دریافت فرمایا کہ کسی کے حقوق تو ذمہ نہیں اور جب معلوم ہوا کہ ہیں تو فرمایا کہ پہلے جا کر ان کو ادا یا ابراء معاف کرا آؤ، چنانچہ ایک صاحب طالب نے جو غیر مستطیع تھے تھانہ بھون سے الہ آباد تک کا لمبا سفر محض اس غرض سے پاپیادہ کیا اور بعد صفائی معاملات پاپیادہ ہی واپس آکر تھانہ بھون میں مقیم خانقاہ ہوئے اور اخیر وقت تک مقیم رہے۔

(سیرت اشرف ج:۲،ص:۲۵۲)

ایک چور کا معافی نامہ لکھوا کر پیش کرنا

ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ایک ایسا غریب شخص آیا جو کسی زمانہ میں چوری کی واردات کا مرتکب ہو چکا تھا آپ نے اس کی تعلیم وترتیب کے لئے یہ شرط لگائی کہ پہلے سب سے معافی لکھوا کر آؤ، چنانچہ وہ سب سے معافی لکھوا کر لایا ان معافی دہندگان میں ایک ایسا ہندو بنیا بھی تھا جس کے اس نے ریل میں پانچ سو روپے چرائے تھے، اسے جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت تھانوی کی زیر تربیت آنا چاہتا ہے اور اب آئندہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا طالب صادق ہے تو اس نے بھی اس عنوان سے معافی نامہ لکھ دیا کہ میں نے حسبتاً للہ معاف کیا، چنانچہ آپ نے طریق کے مطابق معافی ناموں کی تصدیق کرانے کے بعد اپنی تعلیم وتربیت سے اس چور کو متقی بنا دیا۔

یہ تو دوسروں سے معاملہ تھا حضرت کی اپنی حالت اور عادت یہ تھی کہ اگر کبھی تھوڑا سا بھی مسجد کا گرم پانی وضوء سے بچ جاتا تھا تو آپ اس کو بھی سقاوہ میں ڈال آتے تھے تاکہ مسجد کا اتنا سا مال بھی ضائع نہ ہو اس سے آپ کی احتیاط کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (سیرت اشرف ج:۲،ص:۳۵۳)

ایک زمیندار کو مزدور کو کھانے پینے کے لئے کچھ دینے کی نصیحت

ایک زمیندار صاحب نے گاؤں سے بارش کے دن حضرت والا کی خدمت میں کھیر مٹی کے گھڑے میں ایک مزدور پر رکھوا کر بھیجی وہ آدمی بیچارہ قریب تھانہ بھون کے آکر کیچڑ کی وجہ سے گر گیا کھیر بھی سب گر گئی، وہ بیچارہ کیچڑ ملی ہوئی کھیر لے کر آیا اور پرچہ جو زمیندار صاحب نے دیا تھا پیش کیا حضرت والا نے بہت افسوس فرمایا کہ غریب کے چوٹ بھی لگی اور کھیر بھی رخصت ہوئی ایسے میں تنہا چلنا مشکل ہے نہ کہ بوجھ لے کر چلنا تو سخت ہی دشوار ہے ایسی بارش میں بھیجنا سخت بے رحمی ہے پھر فرمایا کہ زمینداری میں کچھ قساوت ہو ہی جاتی ہے پرچہ میں انہوں نے رسید مانگی تھی، حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ بجائے رسید کے نصیحت بھیجتا ہوں کیونکہ کھیر تو گر کر ختم ہو گئی پھر دوسرے دن اسی شخص کو دوبارہ کھیر دے کر بھیجا حضرت والا نے اس مزدور سے دریافت فرمایا کہ کھانے کو کچھ پیسے دیئے ہیں یا نہیں اس نے جواب دیا نہیں دیئے، حضرت والا نے اس مزدور کو اپنے پاس سے پیسے دیئے اور ان زمیندار صاحب کو تحریر فرمایا کہ اس بیچارے کے کھانے کا بھی خیال نہیں کیا۔ (کمالات اشرفیہ ص:۵۰)

تیسرے درجہ کے ٹکٹ والے کو زائد کرایہ کی ادائیگی کا حکم

فرمایا کہ ایک سفر میں میرے ایک ملنے والے جن کے پاس تیسرے درجہ کا ٹکٹ تھا تھوڑی دیر کے لئے اونچے[1] درجہ میں جا بیٹھے تو میں نے کہا اتنی دور کا کرایہ جو

---

(۱) اسی درجہ میں ایک انگریز بھی سوار تھا، اس نے کہا کہ مذکورہ شخص تھوڑی دیر کے لئے اونچے درجے میں آبیٹھا تو مجھے مسرت ہوئی کہ چلو اتنی دیر غریب کو آرام ملا، مگر حضرت نے جب زائد کرایہ کے ادائیگی کو فرمایا تو اس انگریز نے کہا کہ میری خوشی بے ایمانی کی خوشی تھی۔

زائد ہوا ہے حساب کر کے ادا کر دینا، برابر میں ایک عالم بھی بیٹھے تھے بولے اس کا کرایہ ان کے ذمہ واجب نہیں کیونکہ یہ اس میں غاصب ہیں اور منافع مغضوب کے عدم ضمان کی تصریح فقہ میں موجود ہے مثلاً کسی کا گھوڑا کوئی چھین لے اور دن بھر چڑھا پھرے تو اس پر چڑھنے کا کرایہ واجب نہ ہوگا، مجھے افسوس ہوا کہ قطع نظر صحیح ہونے نہ ہونے سے یہ فتویٰ بے محل دیا گیا اس سے بڑی بڑی گنجائش نکالی جائیں گی، میں نے ان (عالم) سے کہا کہ مجھ کو یاد ہے کہ فقہ میں معد للاجارہ (جو چیزیں کرایہ پر دینے کے لئے ہوں) کو مستثنیٰ کیا ہے مثلاً اگر سواری کا گھوڑا اچرایا اور سواری کی تو کرایہ دینا نہ ہوگا اور اگر کرایہ کا گھوڑا چرایا اور سواری کی تو کرایہ دینا ہوگا۔

ریل معد للکراء (یعنی کرایہ ہی کے لئے بنائی گئی ہے) پھر فرمایا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ فی نفسہٖ گو صحیح ہوں مگر مفضی (پہنچانے والا) ہو جاتے ہیں مفاسد کی طرف عوام کو ان کی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہوئیں، میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے اور فرمایا کہ علماء کو نہ چاہئے کہ اپنے یا اپنے متعلقین کے لئے تو کتابوں میں روایتیں چھانٹ کر آسانی نکال لیں اور دوسروں پر جن سے کہ تعلق نہیں ہے دین کو تنگ کریں بلکہ علماء کو مناسب ہے کہ اس کے برعکس عمل کریں یعنی دوسرے کے عیب میں تو حتی الامکان فقہ سے گنجائش نکالیں اور اپنے نفس پر تنگی کریں خصوصاً ان کاموں میں جن میں دین کا یا دنیا کا کوئی مفسدہ مرتب ہو جانے کا اندیشہ ہو اسی وجہ سے بدعات مروجہ سے مطلقاً اہل علم کو روکا جاتا ہے کہ اس میں دوسروں کے بگڑنے کا اندیشہ ہے گو فی نفسہٖ ان کو ضرر نہ ہو اور اسی جنس سے یہ ہے کہ میں خطوط کے بارہ میں بہت احتیاط کرتا ہوں کوئی بات خلاف قواعد ڈاک نہیں کرتا ہوں بہت سوں میں تو حقوق اللہ ہیں اور بہت سوں میں دنیاوی فتنہ کا احتمال ہے مثلاً ٹکٹ ذرا مشکوک ہو جاتا ہے تو میں نہیں لگاتا ہوں یا بہت سے لفافے کارڈ ایسے آ جاتے ہیں کہ ان پر ڈاک خانہ کی مہر نہیں لگی ہوتی ہے میرا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ان کو چاک کر دیتا ہوں گو میں ان کو اگر دوبارہ استعمال کروں تو کسی ثبوت سے کوئی گرفت نہیں ہو سکتی، لیکن اس کی

دیانۃً اجازت نہیں ہے علماء کو چاہئے خود دین و دنیا دونوں کی آفات سے بچیں، بعض اوقات گنجائش پر عمل کرنے سے دین کی یا دنیا کی بڑی آفت کھڑی ہو جاتی ہے۔

(کمالات اشرفیہ، ص: ۵۳۰، ۵۳۱)

متعلقین حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ میں اہتمام ادائیگی حقوق العباد

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی اسی عملی تعلیم اور تنبیہات کا اثر تھا کہ حضرت حکیم الامت کے متعلقین و منتسبین سلسلہ کو ادائیگی حقوق العباد کا خاص اہتمام تھا اور الحمد للہ اب بھی ہے چنانچہ عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''واقعی حضرت والا کے اکثر منتسبین کی بفضلہٖ تعالیٰ یہی شان ہے چنانچہ عرصہ ہوا فتح پور میں ایک معمار کے متعلق خود احقر سے وہاں کے ایک فہیم اہل علم وصلاح نے جو حضرت سے متعلق بھی نہیں ہیں کہا کہ جب سے یہ مرید ہوا ہے اس کو اس امر کی بڑی احتیاط ہو گئی ہے کہ امانی میں بھی ویسی ہی تیز دستی سے کام کرنا چاہئے جیسا کہ ٹھیکہ میں کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ان صاحب نے کہا ہے کہ مولانا کا یہ اثر تو ہم نے دیکھا کہ جس کو مولانا سے تعلق ہو جاتا ہے اس کو جائز و ناجائز کی بہت فکر پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح الہ آباد کے ایک صاحب نے وہاں کے ایک نائی کا احقر سے ذکر کیا جس نے حضرت والا سے مرید ہونے کے بعد اپنا پیشہ محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ اس میں اکثر مسلمانوں کی داڑھی مونڈنی پڑتی تھی اب وہ بجائے حجامت بنانے کے لوگوں کے یہاں تقریبات کے موقعوں پر دعوتوں کے کھانے پکایا کرتا ہے جس میں وہ پہلے سے بہت زیادہ کمالیتا ہے اور ہمیشہ دعوتوں کے عمدہ قسم کے کھانے بھی اس کو نصیب ہوا کرتے ہیں اور بوجہ اپنی ہوشیاری دینداری اور دیانت داری کے بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر ایک طالب علم نے اس وقت تک تو مسجد میں بیٹھے

ہوئے مسجد کے چراغ سے کتابوں کا مطالعہ کیا جس وقت تک مسجد میں چراغ جلانے کا معمول تھا اس کے بعد فوراً اس کو گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلا لیا اس پر ایک دیکھنے والے عالم نے جو وہاں مدرس تھے اور اس کو پہچانتے بھی نہیں تھے اوروں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے اس کو مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے تعلق ہے چنانچہ تحقیق کے بعد یہ بات صحیح نکلی۔

اسی طرح حضرت والا کے ایک خادم کا قیام مدرسہ دیوبند میں ایک صاحب کے پاس ہوا تو جب لالٹین آئی تو اس کے متعلق انہوں نے یہ تحقیق کی کہ آیا یہ مدرسہ کی تو نہیں اس پر بھی ایک بہت معمر اور اکابر کی زیارت کئے ہوئے اور صحبت پائے ہوئے بزرگ نے پوچھا کیا تم کو مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے تعلق ہے۔

(اشرف السوانح ج:۲،ص:۳۵۶،۳۵۷)

ایک طالب علم کو ادائیگی کرایہ کا حکم

ایک دفعہ ایک طالب علم حضرت کی زیارت کے لئے تھانہ بھون آیا آپ اس وقت سفر پر جارہے تھے اس لئے وہ تنگی وقت کی وجہ سے گارڈ کو کہہ کر بلا ٹکٹ حضرت کے ساتھ سوار ہو گیا، اور دوسرے اسٹیشن ناتوتہ پر گارڈ کو کرایہ دینے لگا تو اس نے کہا کہ معمولی کرایہ ہے تم غریب آدمی ہو جاؤ، اس نے آکر حضرت سے کہا کہ معاملہ یہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ گارڈ ریلوے کمپنی کا ملازم ہے ریل کا مالک نہیں ہے اس لئے یہاں تک کا کرایہ برابر تمہارے ذمہ ہے داموں کا ٹکٹ لے کر اسے پھاڑ دو تا کہ کمپنی کا حق ادا ہو جائے اور تم حق العباد سے بری ہو جاؤ، اس ڈبے میں ایک انگریزی خواں آریہ مبلغ بھی بیٹھا تھا، اس نے یہ ساری گفتگو سن کر کہا کہ میں تو خوش ہوا تھا کہ اس نے غریب پر ترس کھایا ہے مگر آپ کی تقریر سن کر محسوس کرتا ہوں کہ میری خوشی بے ایمانی کی تھی۔

(بیس بڑے مسلمان)

بہانہ زیارت سے دوسرے کے کرایہ پر آنے والے کو واپس فرمانا

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہم، مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف)

تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا کے یہاں معاملات کے بارے میں جو باریک بینی اور دوررسی پائی جاتی ہے وہ اسی بناء پر ہے کہ ہر معاملے کے لئے حضرت کے یہاں جو معیار مقرر تھا وہ شرعی نقطہ نظر سے تھا، اور شریعت وطریقت کے باب میں طالبین سے اخفاء جائز نہیں لہٰذا حضرت کی گرفت بروقت اور سخت ہوتی تھی چنانچہ اس باریک بینی اور شرعیات کے باب میں داروگیر کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک صاحب حضرت کے یہاں آئے، حضرت نے پوچھا کہ کیسے تشریف لانا ہوا؟ کہا فلاں صاحب نے بھیجا ہے کہ تم جا کر حضرت کو لے آؤ، حضرت نے فرمایا کہ شاید آپ کو میرے عذر کی خبر نہیں کہا مجھ کو تو خبر ہے پوچھا پھر کیوں آئے؟ کہا اس خیال سے کہ اس بہانے زیارت ہوجائے گی، اس پر حضرت نے ناراضگی سے فرمایا کہ کرایہ ان کا اور زیارت تم کرو یہ جائز ہے؟ یہ تو خیانت ہے آپ کو مشورہ دینا چاہئے تھا کہ اس کو آنے میں عذر ہے حضرت کو ان کی اس حرکت پر اس قدر ناگواری ہوئی کہ فرمایا کہ آپ کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں واپس تشریف لے جائیے۔ (ماہنامہ الرشید، لاہور مئی سنہ ۹۹ء)

اضافہ بر

اشرف الارشاد فی حقوق العباد

یعنی

حقوق العباد

(حصہ دوم)

از افادات

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ

ترتیب

مولانا شفیع اللہ صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

ناشر

ادارہ اسلامیات

کراچی - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کو جس طرح دین کے مختلف شعبوں میں نمایاں، بلکہ تجدیدی کارنامے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی تھی وہ محتاج بیان نہیں، خصوصاً معاشرت ومعاملات کو (جو انسان کی افضلیت کی بنیاد ہے) آپ نے جگہ جگہ خوب واضح فرمایا ہے چنانچہ خود ایک موقع پر فرمایا:

''مجدد ملت تو خیر (ہوں یا نہ ہوں) مگر مجدد معاشرت ضرور ہوں''۔

مگر چونکہ یہ مضامین مختلف کتابوں اور رسائل میں بکھرے ہوئے تھے، اس لئے ان سے استفادہ آسان نہ تھا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے ہمارے محترم ومکرم جناب محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم کو، کہ انہوں نے مختلف مضامین ورسائل کو یکجا فرما کر ان سے استفادہ آسان فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ نے احقر کو یہ سعادت بخشی کہ اس کتاب کی طباعت کے بعض کام انجام دینے کا موقع ملا، اس دوران میرے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہم نے فرمایا کہ اس موضوع سے متعلق اگر اور بھی مواد جمع ہو جائے تو مناسب ہے، احقر نے اس کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھا اور عجلت میں (کہ اصل کتاب چھپنے کے لئے تیار تھی) سرسری مطالعہ سے جو کچھ مناسب سمجھا اور ممکن ہوسکا اسے جمع کردیا۔

اگر کوئی صاحب فرصت کے اوقات میں گہری نظر سے حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے مواعظ ورسائل اور کتابوں کا مطالعہ کریں تو امید ہے کہ ان کو اس موضوع پر

اور بھی بہت کچھ مواد ملے گا۔

اس اضافہ میں بعض باتیں ضمناً آپ مکرر دیکھیں گے (جو کہ بہت کم ہیں) لیکن ان شاء اللہ ان کا فائدہ آپ خود بھی محسوس فرمائیں گے۔

قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اخلاص کے ساتھ دینی کام کے لئے موفق بنائے اور حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم کی خدمت کے ساتھ احقر کی اس معمولی محنت کو بھی قبول فرما کر اس کے نفع کو عام و تام فرمائے۔

بندہ شفیع اللہ عفا عنہ اللہ

جامعہ دار العلوم کراچی، کورنگی

شوال ۱۴۲۰ھ

مسلمانوں کے حقوق کا خاص خیال رکھ کرادا کرنا

آیت (نمبر۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ایمان والے (سب آپس میں ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہیں۔ (آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے۔ (آگے ارشاد ہے) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے، (یعنی جس سے دوسرے کی تحقیر ہو، آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو! کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں، اور (کسی کے عیب کا) سراغ مت لگایا کرو! اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

حدیث (نمبر۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کو (بلاوجہ) برا بھلا کہنا، بڑا گناہ ہے، اور ان سے (بلاوجہ) لڑنا (قریب) کفر (کے) ہے۔ (بخاری ومسلم)

(نمبر۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص (لوگوں کے عیوب پر نظر کر کے اور اپنے کو عیوب سے بَری سمجھ کر بطور شکایت کے) یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے، تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے (کہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے)۔ (مسلم)

(نمبر۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے چغل خور (قانونا بدون سزا) جنت میں نہ جاوے گا۔

(بخاری ومسلم)

(نمبر۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے بدتر (حالت میں) اس شخص کو پاؤ گے جو دورویہ ہو، یعنی جو ایسا ہو کہ ان کے منہ پر ان جیسا، ان کے منہ پر ان جیسا۔ (بخاری ومسلم)

(نمبر۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ) اپنے بھائی (مسلمان) کا ایسے طور پر ذکر کرنا کہ (اگر اس کو خبر ہو تو) اس کو ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا کہ یہ بتلایئے کہ اگر میرے (اس) بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں (یعنی اگر میں سچی برائی کرتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے، تب تو تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تو کہتا ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ (مسلم)

(نمبر ۶) حضرت سفیان بن اسد حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) کو کوئی ایسی بات کہے کہ وہ اس میں تجھ کو سچا سمجھ رہا ہے اور تو اس میں جھوٹ کہہ رہا ہے۔ (ابوداؤد)

(نمبر ۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کو کسی گناہ سے عار دلاوے اس کو موت نہ آوے گی جب تک کہ وہ خود اس گناہ کو نہ کرے گا، یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے، اگر کسی خاص وجہ سے ظہور نہ ہوا اور بات ہے۔ اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے کا کچھ ڈر نہیں۔

(ترمذی)

(نمبر ۸) حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی (کسی دُنیوی یا دینی بُری) حالت پر خوشی مت ظاہر کر۔ کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرماوے اور تجھ کو مبتلا کر دے۔ (ترمذی)

(نمبر ۹) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندگان خدا میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں الخ۔ (احمد و بیہقی)

(نمبر ۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے نہ (خوامخواہ) بحث کیا کرو اور نہ اس سے (ایسی) دل لگی کر (جو اس کو ناگوار ہو) اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جس کو تو نہ پورا کرے۔ (ترمذی)

ف: - البتہ اگر کسی عذر کے سبب پورا نہ کر سکے تو معذور ہے۔ چنانچہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس وقت وعدہ پورا کرنے کی نیت تھی مگر وعدہ پورا نہیں کر سکا۔ اور (اگر آنے کا وعدہ تھا تو) وقت پر نہ آ سکا (اس کا یہی مطلب ہے کہ کسی عذر کے سبب ایسا ہو گیا) تو اس پر گناہ نہ ہو گا۔

(نمبر ۱۱) عیاض مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے، اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے، (کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے)۔ (مسلم)

(نمبر ۱۲) حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم)

(نمبر ۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بیوہ اور غریبوں کے کاموں میں سعی (کوشش) کرے وہ (ثواب میں) اس شخص کے مثل ہے جو جہاد میں سعی کرے۔ (بخاری و مسلم)

(نمبر ۱۴) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کو اپنے ذمے رکھ لے، خواہ وہ یتیم اس کا (کچھ لگتا) ہو اور خواہ غیر کا ہو، ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا، اور دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی کر دیا (کیونکہ نبی اور غیر نبی میں فرق تو ضروری ہے، مگر حضور ﷺ کے ساتھ جنت میں رہنا کیا تھوڑی بات ہے)۔ (بخاری)

(نمبر۱۵) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی محبت اور باہمی شفقت میں ایسا دیکھو گے جیسے (جاندار) بدن ہوتا ہے کہ جب اس کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بدخوابی اور بیماری میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(نمبر۱۶) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کے پاس کوئی سائل یا کوئی صاحب حاجت آتا تو آپ (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرماتے کہ تم سفارش کردیا کرو تم کو ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے حکم دیدے (یعنی میری زبان سے وہی نکلے گا جو اللہ تعالیٰ کو دلوانا ہوگا، مگر تم کو مفت کا ثواب مل جاوے گا۔ (اور یہ اس وقت ہے جب جس سے سفارش کی جاوے اس کو گرانی نہ ہو، جیسا یہاں حضور ﷺ نے خود فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

(نمبر۱۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو خواہ وہ مظلوم ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم ہونے کی حالت میں تو مدد کردوں مگر ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو ظلم سے روک دے۔ یہی تمہاری مدد کرنا ہے اس ظالم کی۔

(بخاری ومسلم)

(نمبر۱۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری ومسلم)

(نمبر۱۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں یہ فرمایا: آدمی کے لئے یہ شر کافی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھے

(یعنی) اگر کسی میں یہ بات ہو اور کوئی شر کی بات نہ ہو تب بھی اس میں شر کی کمی نہیں) مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو (یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز اور نہ اس کے مال کا نقصان کرنا اور نہ اس کی آبرو کو کوئی صدمہ پہنچانا، مثلاً اس کا عیب کھولنا، اس کی غیبت کرنا وغیرہ)۔ (مسلم)

(نمبر۲۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی بندہ (پورا) ایماندار نہیں بنتا یہاں تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(نمبر۲۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں نہ جاوے گا جس کا پڑوسی اس کے خطرات سے مطمئن نہ ہو (یعنی اس سے اندیشہ ضرر کا لگا رہے)۔ (مسلم)

(نمبر۲۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے اور برے کام سے منع نہ کرے (کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلا دیا کرے، مگر نرمی اور تہذیب سے۔ (ترمذی)

(نمبر۲۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہو اور وہ اس کی حمایت پر قادر ہو اور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی حمایت فرمائے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ اس کی حمایت پر قادر تھا، تو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرماوے گا۔ (شرح السنہ)

(نمبر۲۴) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: جو شخص (کسی کا) کوئی عیب دیکھے، پھر اس کو چھپالے (یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے وہ (ثواب میں) ایسا ہوگا جیسے کسی نے زندہ درگور لڑکی کی جان بچالی (کہ قبر سے اس کو زندہ نکال لیا)۔ (احمد و ترمذی)

(نمبر ۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے، پس اگر اس (اپنے بھائی) میں کوئی گندی بات دیکھے تو اس سے (اس طرح) دور کردے (جیسے آئینہ داغ دھبہ چہرے کا اس طرح صاف کردیتا ہے کہ صرف عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کردے فضیحت (رسوائی اور شرمندگی) نہ کرے۔ (ترمذی)

(نمبر ۲۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبے پر رکھو! (یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کرو، سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو۔ (ابوداؤد)

(نمبر ۲۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے، وہ شخص (پورا) ایماندار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھرلے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا رہے۔ (بیہقی)

(نمبر ۲۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن الفت (اور لگاؤ) کا محل اور خانہ ہے، اور اس شخص میں خیر نہیں جو کسی سے نہ خود الفت رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے (یعنی سب سے روکھا اور الگ رہے، کسی سے میل ہی نہ ہو، باقی دین کی حفاظت کے لئے کسی سے تعلق نہ رکھنا، یا کم رکھنا، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (احمد بیہقی)

(نمبر ۲۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری امت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے صرف اس نیت سے کہ اس کو مسرور (اور خوش) کرے سو اس شخص نے مجھ کو مسرور کیا اور جس نے مجھ کو مسرور کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں

داخل فرمادے گا۔ (بیہقی)

(نمبر۳۰) نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی پریشان حال آدمی کی امداد کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے تہتر مغفرت لکھے گا جن میں ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لئے کافی ہے اور بہتر مغفرت قیامت کے دن اس کے لئے درجات ہو جاویں گے۔ (بیہقی)

(نمبر۳۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس وقت کوئی مسلمان اپنے بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے یا ویسے ہی ملاقات کے لئے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بھی پاکیزہ ہے اور تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہے، تو نے جنت میں اپنا مقام بنالیا ہے۔ (ترمذی)

(نمبر۳۲) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کردے، اس طرح سے کہ دونوں ملیں اور یہ ادھر کو منہ پھیر لے اور وہ ادھر کو منہ پھیر لے اور ان دونوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرلے۔ (بخاری ومسلم)

(نمبر۳۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی مخفی حالت کی کرید مت کرو۔ نہ اچھی حالت کی نہ بری حالت کی اور نہ دھوکہ دینے کو کسی چیز کے دام بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو نہ بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے غیبت کرو۔ اور اے اللہ کے بندو سب بھائی بھائی ہوکر رہو۔ اور ایک روایت میں ہے نہ ایک دوسرے پر رشک کرو۔ (بخاری ومسلم)

(نمبر۳۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے حقوق مسلمان پر چھ ہیں (اس وقت ان ہی چھ کے ذکر کا موقع تھا) عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) جب اس سے ملنا ہو اس کو سلام کر۔

(۲) اور جب وہ تجھ کو بلاوے تو قبول کر۔
(۳) اور جب وہ تجھ سے خیر خواہی چاہے اس کی خیر خواہی کر۔
(۴) اور جب چھینک لے اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہہ۔
(۵) اور جب بیمار ہو جاوے اس کی عیادت کر۔
(۶) اور جب مر جاوے اس کے جنازہ کے ساتھ جا۔ (مسلم)

(نمبر ۳۵) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچاوے اس کے ساتھ فریب کرے۔ (ترمذی)

یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں۔ یہ تو عام مسلمانوں کے کثیر الوقوع حقوق ہیں اور خاص اسباب سے اور خاص حالات سے خاص حقوق بھی ہیں جن کو میں نے بقدرِ ضرورت رسالہ حقوق الاسلام میں لکھ دیا ہے۔ سب کے ادا کی خوب کوشش رکھو، کیونکہ اس میں بہت بے پروائی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ (آمین)

(از اصلاحی نصاب ص ۵۸ تا ۶۴)

حقیقت حقوق العباد

مگر غضب تو یہ ہے کہ واعظ صاحبان نے بھی کبھی اس مضمون (یعنی عورتوں کے حقوق) کو بیان نہیں کیا جب بیان کیا تو یہی کہ عورتیں ایسی بری ہیں، ان میں یہ عیب ہے اور وہ عیب ہے عورتیں تو سرتاپا عیب ہی عیب ہیں گویا دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ اس سے بیچاری عورتیں یہ سمجھ گئیں کہ ہم ایسی بری ہیں اور سرتاپا عیب ہیں تو ہمارے حقوق مردوں کے ذمہ یہ ہیں کہ کوئی بات ایسی نہ کرو جس سے اس کا دل دکھے، دل کو تکلیف ہو۔

بیبیو! اس سے زیادہ اور وسعت کیا چاہتی ہو نان نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود حقوق ہیں، لیکن دلجوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید نہیں

ہوسکتی کہ جس بات سے عورتوں کواذیت ہووہ مت کرو بھلا اس کی تحدید کیسے ہوسکتی ہے، اب کہا جاسکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں۔

اس حدیث (استوصوا بالنساء خیراً فانما ھن عوانٍ عندکم) میں ایک اور نکتہ پر متنبہ کرتا ہوں کہ لفظ عوانٍ سے پردہ بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ مقید ہی ہوکر رہنے کا نام تو پردہ ہے نیز پردہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کا منشاء حیا ہے اور حیا عورت کے لئے امر طبعی ہے اور امر طبعی کے خلاف پر کسی کو مجبور کرنا باعث اذیت ہے اور اذیت پہنچانا دلجوئی کے خلاف ہے، پس عورتوں کو پردہ میں رکھنا ان پر ظلم نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں دلجوئی ہے اگر کوئی عورت اس کو بجائے دلجوئی کے ظلم سمجھے تو وہ عورت نہیں اس سے اس وقت کلام نہیں، یہاں ان عورتوں سے بحث ہے جن میں عورتوں کی فطری حیاء موجود ہو، بے حیاؤں کا ذکر نہیں۔ افسوس ہم ایسے زمانہ میں ہیں فطری امور کو بھی دلائل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

کیا ہوتے بس یہی بہت ہے کہ ہم کو نان ونفقہ دیدیا جاوے۔ صاحبو! جب اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق مقرر فرمائے ہیں تو ان کو کون بدل سکتا ہے؟ مرد اگر ان کا حق نہ دیں گے تو حق العبد کے گنہگار رہوں گے جو آیتیں میں نے پڑھی ہیں دیکھ لیجئے کس قدر صاف ہیں اس باب میں اور ان سے کس قدر حقوق عورتوں کے ثابت ہوتے ہیں، صرف نان نفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے بلکہ یہ بھی حق ہے کہ اس کی دلجوئی کی جائے حدیث میں [1]" استوصوا بالنساءِ خیراً فانما ھن عوانٌ عندکم" یعنی عورتوں

(۱) پوری حدیث یہ ہے۔ الا واستوصوا بالنساء خیرا، فانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئاً غیر ذالک الا ان یأتین بفاحشة مبینة فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیر مبرح فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا۔ الا ان لکم علی نساء کم حقا۔ فحقکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم من تکرھون الا وحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن۔

ترجمہ: سن لومیری نصیحت عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق قبول کرو، کیونکہ سوااس کے کچھ نہیں کہ وہ تمہارے پاس قید ہیں اس سے زیادہ کچھ اختیار تم کو ان پر نہیں ہے، لیکن وہ اگر کوئی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے اچھا برتاؤ کرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو ہر طرح اس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جوانمردی کے خلاف ہے۔

(از حقوق الزوجین ص ۲٦٧)

حقیقت حق

بات یہ ہے کہ مرد خیال نہ کریں کہ جب مستورات مخاطب ہیں اور ان کے متعلق بیان ہوگا تو پھر مردوں کو وعظ سے کیا فائدہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ اول تو مضامین اکثر مشترک ہوتے ہیں اور اگر فرض بھی کرلیا جاوے کہ بعض مضامین خاص عورتوں کے ہی متعلق ہوں گے تو بھی آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ مستورات کی تعلیم کا طریقہ ہی معلوم ہو جائے گا۔

اس واسطے کہ آپ حضرات کے ذمہ ان کی تعلیم بھی ہے، حدیث میں ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلكم مسئولٌ عَنْ رَعِيّته

مرد اپنے خاندان میں اپنے متعلقین میں حاکم ہے، قیامت میں پوچھا جائے گا کہ محکومین کا کیا حق ادا کیا؟ اور محض نان ونفقہ ہی سے حق ادا نہیں ہوتا، کیونکہ یہ کھانا پینا تو حیات دنیا تک ہے آگے کچھ بھی نہیں، اس لئے صرف اس پر اکتفا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا، چنانچہ حق تعالیٰ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

يايها الّذِيْنَ آمَنُوا قُوا انفُسَكُم واهلِيكُم نارًا

کہ اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ یعنی ان کی تعلیم کرو، حقوق الٰہی سکھاؤ ان سے تعمیل بھی کراؤ، جب قدرت ہو اس میں آپ معذور نہ

(بقیہ گزشتہ حاشیہ) نامناسب کام کریں تو ان کو الگ سلاؤ اور (اگر یہ کافی نہ ہو تو) ان کو مارو مگر سخت مار نہ ہو پھر اگر وہ مطیع ہو جاویں تو ان کو کچھ نہ کہو۔ سن لو کہ کچھ تمہارے حق عورتوں پر ہیں اور کچھ حقوق عورتوں کے تمہارے اوپر ہیں۔ تمہارے حق عورتوں پر ہیں کہ تمہارے فرش پر ایسے شخص کو نہ بٹھلا دیں جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو یعنی گھر میں بلا اجازت کسی کو آنے نہ دیں۔ سن لو ان کا حق تمہارے اوپر یہ (بھی) ہے کہ ان کو اچھی طرح کھانے پہننے کو دو۔۱۲۔ کاتب

ہوں گے کہ ایک دفعہ کہہ دیا رسم کے طور پر پھر چھوڑ دیا، آپ ایک دفعہ کہنے میں سبکدوش نہ ہوں گے۔ اگر یہی مذاق ہے تو کھانے میں اگر نمک تیز کر دیں تو اس وقت بھی اسی مذاق پر عمل کیا جائے کہ ایک بار کہہ دیا کہ بی بی اتنا تیز نمک ہے کہ کھایا نہیں جاتا یہ کہہ کر فارغ ہو جائے، پھر اگر ایسا اتفاق ہو تو کچھ نہ کہئے حالانکہ وہاں ایسا نہیں کرتے، بلکہ اس پر ناراض ہوتے ہیں اگر پھر کرے تو مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہاں سکوت سے ضرر سمجھا جاتا ہے اور دین کے معاملہ میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ جیسا کر یگی ویسا بھرے گی اور غور سے دیکھئے تو وہاں ضرر ہی کیا پہنچا صرف یہ کہ کھانا بگڑ گیا اور کیا زیادہ بات ہوئی؟ یہاں تو دین کا ضرر ہے بس اب سمجھ لیجئے! جیسے سکوت سے وہاں آپ کا ضرر ہے سکوت سے یہاں بھی آپ کا ضرر ہے کہ ان کے متعلق آپ سے باز پرس ہوگی یہ کیا تھوڑا ضرر ہے۔

اب دوسرے مذاق کے اعتبار سے اور گفتگو کرتا ہوں کوئی آپ کا چاہتا بچہ ہو وہ دوا نہ پئے تو آپ زبردستی دوا پلاتے ہیں بے مروتی گوارا کرتے ہیں، اگر ویسے نہ پئے تو چمچہ سے اس کے منہ میں ڈالتے ہیں، اس خیال سے کہ یہ تو بیوقوف ہے، نادان ہے، انجام پر اس کی نظر نہیں، مگر ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے وہاں اس کو آزاد نہیں چھوڑتے ہر طرح سے اس کی حفاظت رکھتے ہیں سو کیا وجہ ہے؟ کہ وہاں تو اس مذاق سے کام لیا جاتا اور یہاں نہیں لیا جاتا، سچ یوں ہے کہ مردوں نے بھی دین کی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھا کھانا ضروری، فیشن ضروری، ناموری ضروری، مگر غیر ضروری ہے تو دین۔

دنیا کی ذرا ذرا سی مضرت کا خیال ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے اگر دین کی مضرت پہنچ گئی تو کیسا بڑا نقصان ہوگا، پھر وہ مضرت اگر ایمان کی حد میں ہے، تب تو چھٹکارا بھی ہو جاوے گا، مگر نقصان جب بھی ہوگا گو دائمی نہ ہو اور اگر ایمان کی حد سے بھی نکل گئی تو ہمیشہ کا مرنا ہو گیا اور تعجب ہے کہ دنیا کی باتوں سے تو بے فکری نہیں ہوتی مگر دین کی باتوں سے کس طرح بے فکری ہو جاتی ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے ؎

چوں چنیں کارے ست اندر رہ ترا
خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

(از حقوق الزوجین ص ۳۰۴)

حقوق العباد صرف مالی حقوق کا نام نہیں

اب وہ شبہ جاتا رہا کہ نماز روزہ کے چھوڑنے میں کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی، اس لئے نماز و روزہ کے ترک میں مضائقہ نہیں، صاحبو! اس سے اس ذات کو تکلیف پہنچتی ہے جس سے بڑھ کر مسلمان کو کوئی چیز بھی محبوب نہیں۔ غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ معاملات سے زیادہ معاشرات کا اہتمام ضروری ہے، کیونکہ معاملات کی اصلاح میں تو زیادہ تر لوگوں کے مال کی حفاظت ہے اور حسن معاشرت میں مسلمانوں کے قلب کی حفاظت ہے اور ظاہر ہے کہ مال سے دل کا رتبہ بڑھا ہوا ہے اور نیز معاشرت کی اصلاح میں علاوہ قلوب کے لوگوں کی آبرو کی بھی حفاظت ہے اور ظاہر ہے کہ آبرو کی حفاظت بعد ایمان کے ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے عرفاً بھی شریف آدمی مال بلکہ جان سے بھی زیادہ آبرو کو سمجھتا ہے، چنانچہ جان بچانے کے لئے تو شریف آدمی مال کو خرچ کرتا ہے اور آبرو بچانے کے لئے تو شریف آدمی جان و مال دونوں کو قربان کر دیتا ہے۔ اور حدیث حقوق میں بھی تینوں کی حفاظت مامور بہ ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

الا وانّ اللّٰہ تعالیٰ حرمَ علیکم دمائکم و اموالکم و اعراضکم کحرمة یومکم ھذا فی شھر کم ھذا فی بلد کم ھذا۔

حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہ ارشاد فرمایا کہ خون یعنی جان اور مال اور آبرو باہم ایک دوسرے پر قیامت تک ویسے ہی حرام ہیں جیسے آج کے محترم دن میں محترم مہینے میں اور محترم بلد میں حرام ہیں۔ پس مسلمانوں کے مال کی بھی حفاظت کرو، جان کی بھی حفاظت کرو، آبرو کی بھی حفاظت کرو، اس لئے کہ حقوق العباد میں یہ سب داخل ہیں۔ صرف مالی حقوق کا نام حقوق العباد نہیں اور یہ معاشرت بعض حیثیات سے

نماز روزہ وغیرہ سے بھی قابل اہتمام ہے، کیونکہ عبادات کے اخلال سے صرف اپنا ضرر ہے اور معاشرت کے اخلال سے دوسروں کا ضرر، اسی لئے حضور ﷺ نے معاشرت کا بہت اہتمام فرمایا ہے ایک ایک کر کے تمام فرما دی، چنانچہ ارشاد ہے: اذا جاء کم کریم قوم فاکرموہٗ۔ کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آوے اس کی تعظیم کرو، تذلیل نہ کرو، خصومت نہ کرو۔ حضور ﷺ کے اصحاب پڑوسی یہودی تک کو ہدیہ دیا کرتے تھے اور بیماری میں اس کی عیادت کرتے۔

اس طرح ایک یہودی کا قرضہ حضور ﷺ پر چاہتا تھا، اس نے مسجد میں آ کر مانگا، اس وقت آپ کے پاس موجود نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر لے لینا۔ یہودی نے کہا میں تو لے کر جاؤں گا۔ اللہ اکبر! کس درجہ حسنِ معاشرت تھی کہ رعیت کا ادنیٰ آدمی بھی جو چاہے کہے اور آپ ﷺ باوجود ہر طرح اختیار و قدرت کے انتقام نہیں لیتے، صحابہ نے کچھ کہنا بھی چاہا حضور ﷺ نے روک دیا اور فرمایا کہ: اِنَّ لِصَاحِبِ الحَقِّ مَقَالاً۔ کہ صاحب حق کو تقاضے کا حق ہے، چنانچہ وہ بیٹھا رہا اور رات کو حضور ﷺ کو گھر بھی نہ جانے دیا تو آپ ﷺ مسجد میں ہی رہے، صبح کی نماز پڑھی۔ یہ حال دیکھ کر بعد نماز اس یہودی نے کہا، میں نے اور تو سب صفات دیکھ لی تھیں، صرف صفت حلم کا امتحان باقی تھا، سو آج اس کا بھی امتحان ہو گیا۔ واقعی آپ سچے نبی ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لا اِلٰهَ الا اللّٰه وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰه

مسلمان ہو گیا۔ صاحبو! حضور ﷺ نے جب غیر مسلم کی اس قدر رعایت کی ہے تو مسلم کی تو کس درجہ رعایت فرماتے ہوں گے۔ (از حقوق وفرائض ص ۱۸۲،۱۸۳)

حقوق العباد کی اہمیت

اب دوسری علت آپ ﷺ کی اذیت کی عرض کرتا ہوں جو نظر غائر سے معلوم ہوتی ہے گو وہ بھی نصوص ہی سے مفہوم ہے، مگر قدرے استنباط کی حاجت ہے اور یہی وہ بات ہے جس کے متعلق شروع میں کہا گیا تھا کہ نظر غائر سے آپ کی اعلیٰ صفت روحانی

تھی اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو امت کے ساتھ شفقت بے حد تھی جو جا بجا آیات سے بھی معلوم ہوتی ہے، اور پھر اس کے دو درجے ہیں۔ ایک تو اپنی امت کی مطلق تکلیف سے قلق۔ یہ تو منصوص ہے۔ دوسرا درجہ کہ وہ تکلیف میرے سبب سے ہو کہ وہ میری تکذیب کریں اور معذب ہوں۔ تو گویا میری وجہ سے ان کو عذاب ہوگا، بس یہ خیال کہ میری وجہ سے مخلوق کو عذاب ہوگا آپ ﷺ پر پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور یہ درجہ محتاج استنباط ہے۔ حدیثوں میں یہ تو تصریح ہے۔ ما انتقم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہِ وسَلَّم لِنَفسِہ فِي شئی قط۔ (متفق علیہ)

حضور ﷺ نے اپنے نفس کا کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔

اور طائف کے واقعہ میں وارد ہے کہ جب وہاں آپ ﷺ کو کفار نے تکلیف دی تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا" ان اللّٰہ قد سمع قول قومك وما ردوا علیك" اور یہ بھی کہا کہ یہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے آپ اس کو جو حکم دیں گے عمل کرے گا۔ خود اس فرشتہ نے عرض کیا کہ میں ان کو پہاڑوں کے درمیان دبا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

بل ارجو ان یخرج اللّٰہ من اصلابھم من یعبد اللّٰہ۔ (متفق علیہ)

بلکہ امید رکھتا ہوں میں کہ حق تعالیٰ ان کی اولادوں میں سے ایسی اولاد پیدا فرمادے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی وجہ سے بھی کسی کی تکلیف گوارا نہیں تھی اور بعض جگہ جو آپ ﷺ سے بددعا منقول ہے وہ کسی عارض سے ہے۔ اصل وغالب مذاق حضور اقدس ﷺ کا یہی تھا۔ شاید کسی ذہین کو یہاں یہ شبہ ہو کہ اس میں غم کی کیا بات تھی۔ یہ تو حق العبد تھا، آپ ﷺ معاف فرمادیتے تو کچھ بھی مواخذہ نہ ہوتا۔

تو بات یہ ہے کہ اول تو آپ کی ایسی مخالفت درجہ کفر میں تھی، آپ کفر کو کیسے معاف فرماتے۔ دوسرے یہ کہ محبوبیت کے درجے ہوتے ہیں ایک درجہ محبوبیت کا یہ ہے

کہ محبوب کے ایذا دینے والے سے ہر حال میں مواخذہ ہوتا ہے محبوب معاف بھی کردے جب بھی جرم معاف نہیں ہوتا علاوہ ازیں یہ کہ حق العبد میں حق اللہ بھی ہوتا ہے۔ وہ عبد کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔ اس نکتہ سے اکثر لوگ غافل ہیں۔

(از نظام شریعت ص ۴۸۱)

اہتمام حقوق

مصیبت ختم ہونے کا طریقہ یہ نہیں کہ ان حکمتوں کی تفتیش کی جائے، بلکہ مصیبت کے ختم ہونے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اس کو سوچے نہیں اور تذکرہ نہ کرے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کئی کئی مہینے کے بعد بھی مصیبت زدہ کے پاس آ کر برابر رنج وصدمہ کا تذکرہ کر کے اس کو تازہ کیا کرتے ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے تین دن کے بعد تعزیت نہ کرے، کیونکہ وہ واقع میں تعزیت ہی نہیں کیونکہ تعزیت کی حقیقت ہے تسلی دینا اور اس میں بجائے تسلی کے دونی آگ بھڑکتی ہے۔ بس اس کا طریقہ تو یہی ہے کہ پھر ایسے قصوں کو یعنی ان واقعات کو قصداً یاد نہ کرے، البتہ مردے کو نفع ہوگا اور اپنے سکون کے لئے ذکر اللہ میں مشغول رہے کہ ذکر اللہ سے سکون ہوگا۔

(از تسلیم ورضا ص ۲۳۳)

ادائیگی حقوق العباد میں ترتیب

(ملفوظ) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا اور توجہ کی برکت سے میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پر ہے۔ میں نے اصلاح انقلاب میں مربیوں میں دلائل سے یہ ترتیب ثابت کی ہے کہ اول ماں باپ کا حق ہے۔ دوسرے درجہ میں استاد کا، تیسرے درجہ میں پیر کا، ماں باپ کی مثال اینٹ مٹی جمع کرنے والے کی ہے، اور استاد کی مثال مکان بنانے والے کی ہے اور پیر کی مثال نقش ونگار کرنے والے کی۔ (از ملفوظات حکیم الامت ج ۷ ص ۲۴۰)

حقوق واجبہ کی ادائیگی

جب آپ گناہوں کی تفصیل دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ گناہوں میں بعض تو ایسے ہیں جن سے صرف اللہ تعالیٰ کے حق کی خلاف ورزی ہوئی، کسی انسان کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور بعض وہ ہیں جن سے دوسرے انسان یا انسانوں کو ایذاء و تکلیف پہنچی ہے۔ پہلی قسم حقوق اللہ کہلاتے ہیں اور دوسری قسم حقوق العباد ہیں۔ پھر حقوق اللہ میں ایک وہ حقوق جن کی قضا یا کفارہ ہوسکتا ہے جیسے کچھ نمازیں یا روزے فوت ہو گئے تو ان کی قضا واجب ہے۔ یا زکوٰۃ پچھلے زمانہ میں ادا نہیں کی تو اب ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حج فرض ہونے کے باوجود نہیں کیا تو اب کرنا ہے، یا جیسے قسم کھا کر توڑنے کا کفارہ کہ پہلے ادا نہیں کیا تو اب کرنا ضروری ہے۔

اور دوسری قسم حقوق اللہ کی وہ ہے کہ جس کا شریعت میں کوئی کفارہ مقرر نہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنے کا گناہ یا نفسیاتی خواہشات میں کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب وغیرہ۔ اس دوسری قسم کی توبہ تو صرف یہ ہے کہ پوری زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے اور ہمیشہ استغفار کرتا رہے۔

اور حقوق اللہ کی پہلی قسم جن کی قضاء یا کفارہ شریعت میں مقرر ہے ان تمام حقوق کی ادائیگی بذریعہ قضاء یا کفارہ لازم ہے، مثلاً غور کر کے یادداشت لکھ لے کہ عمر بھر میں کتنی نمازیں فوت ہوئیں کتنے روزے نہیں رکھے، اب ان سب کو ادا کرے۔ اگر فوت شدہ نمازیں مقدار میں زیادہ ہیں تو روزانہ بقدر ہمت و فرصت کچھ ادا کرنا شروع کرے اور ہمیشہ کرتا رہے جب تک وہ پوری ہوں، اسی طرح اگر گذشتہ زمانے میں مال کی زکوٰۃ نہیں نکالی تو تخمینہ سے حساب کر کے متعین کر کے کہ کتنی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے، اس کو ہوسکے تو فوراً ورنہ تھوڑا تھوڑا ادا کرتا رہے۔

اسی طرح اگر صدقۂ فطر یا قربانی واجب ہونے کے باوجود ادا نہیں کیا ہے تو اب ادا کرنا اور قربانی کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح اگر کوئی قسم توڑی ہے

اس کا کفارہ واجب ہے وہ ادا کرے، کوئی روزہ رکھ کر بالقصد توڑا ہے اور اس کا کفارہ واجب ہے تو وہ کفارہ بھی ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اللہ میں جتنے حقوق کی قضاء ہوسکتی ہے ان کی قضا کرے اور جن کا کفارہ دیا جاسکتا ہے ان کا کفارہ ادا کرے، جب تک ان تمام فوت شدہ عبادات کی قضاء اور کفارہ سے سبکدوش نہ ہو محض زبانی توبہ ہرگز کافی نہیں۔

بندوں کے حقوق

دوسری قسم حقوق کی بندوں کے حقوق ہیں، وہ بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک مالی حقوق، جیسے کسی سے قرض لیا پھر ادا نہیں کیا۔ یا کسی کا کچھ مال کسی معاہدہ معاملہ کی وجہ سے اس پر لازم تھا وہ ادا نہیں کیا، کسی سے ناجائز طور پر مال چھین لیا یا بطور رشوت کے لے لیا، اس طرح کے تمام حقوق کی بھی فہرست بنائے اور سب کو ادا کرے۔ اگر بیک وقت ادا نہیں کرسکتا، اپنی وسعت کے مطابق ادا کرنا شروع کرے، یہ حقوق جن لوگوں کے ہیں اگر وہ زندہ ہیں اور ان کے پتے معلوم ہیں تو ادا کرنا آسان ہے۔ اگر وہ مر گئے تو ان کے وارثوں کو تلاش کر کے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر تلاش کے باوجود ان کے پتے معلوم نہ ہوں تو ان کے حق کے مطابق رقم ان کی طرف سے صدقہ کردی جائے۔

دوسری قسم حقوق العباد کی جسمانی حقوق ہیں جیسے کسی کو ہاتھ یا زبان سے بلاوجہ شرعی کوئی ایذاء وتکلیف پہنچائی ہو، کسی کو گالی دی ہو، کسی کی غیبت کی ہو اس سے معاف کرانا ضروری ہے۔ کسی کو مارا پیٹا ہو تو اس کا بدلہ دینے کے لئے تیار ہو کر اس سے کہنا ہے کہ تم کو اختیار ہے، مجھے مار کر بدلہ لے لو یا معاف کردو۔

جب تک اس تفصیل مذکور کے ساتھ تمام مالی اور جسمانی حقوق العباد سے سبکدوش حاصل نہ کرے، توبہ مکمل نہیں ہوسکتی اور بغیر تکمیل توبہ کے نفلی عبادات اور ذکر شغل میں کتنی بھی محنت عمر بھر کرتا رہے کبھی خدا تک نہ پہنچے گا، نہ سیدھا راستہ حاصل ہوگا۔ غرض تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد جو قابل ادائیگی ہیں ان کو ادا کرنا یا معاف کرانا توبہ

کے لئے ضروری ہے۔ خصوصاً حقوق العباد کا معاملہ زیادہ سنگین ہے کہ وہ جب تک صاحب حق معاف نہ کرے کسی طرح معاف نہیں ہو سکتے، اس لئے اللہ کی راہ میں قدم رکھنے والے کے لئے سب سے پہلا کام تکمیل توبہ ہے۔ (از اصلاحی نصاب ص ۴۹۷)

حق اللہ وحق العباد

حدیث میں جریج عابد کا قصہ آتا ہے کہ وہ اپنے صومعہ میں شریک عبادت تھے کہ نیچے سے ان کی ماں نے پکارا وہ دل میں کہنے لگے کہ اے اللہ ادھر میری ماں پکار رہی ہے اور ادھر میری نماز ہے، میں کیا کروں؟ بالآخر وہ نماز ہی میں لگے۔ ماں نے چند بار پکارا، مگر انہوں نے جواب نہ دیا۔ اس وقت شریعت کا حکم یہ تھا کہ وہ بول پڑتے اور نماز کا بعد میں اعادہ کر لیتے، کیونکہ نماز فرض نہ تھی نفل تھی اور ماں کو اطلاع نہ تھی کہ یہ نماز میں مشغول ہیں اس وقت جواب نہ دینے سے اس کو کلفت ہوئی تھی، چنانچہ اس نے دو تین بار آواز دینے کے بعد بددعا کی جس کا لمبا قصہ حدیثوں میں آتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس واقعہ کو نقل کر کے فرمایا: لو کان فقیھًا لا جابَ اُمّہٗ یعنی اگر جریج فقیہ ہوتے تو اپنی ماں کو ضرور جواب دیتے، خاموش نہ رہتے۔

دیکھئے اس وقت حضور ﷺ نے نماز توڑ دینے کو افضل قرار دیا۔

حضرت جریج کو یہ شبہ ہوا تھا کہ نماز حق اللہ ہے اور ماں کو جواب دینا حق العبد ہے اور حق اللہ حق العبد سے مقدم ہے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ دوسرا مقدمہ تو صحیح ہے کہ حق اللہ حق العبد سے مقدم ہے، مگر پہلا مقدمہ غلط ہے کہ اس وقت ماں کو جواب دینا محض حق العبد ہی تھا ان کو بوجہ عدم تفقہ کے یہ خبر نہ تھی کہ اس وقت نماز کا توڑنا اور ماں کو جواب دینا حق اللہ بھی ہے کیونکہ اس وقت اسی کا امر تھا اور جس وقت جس چیز کا امر ہو وہ حق اللہ بھی ہے محض حق العبد نہیں گو ظاہر میں بندہ سے اس فعل کا تعلق ہو۔

اس غلطی میں سب لوگ مبتلا ہیں کہ جس فعل کا تعلق عبد سے دیکھتے ہیں، اس کو حق العبد ہی سمجھتے ہیں حالانکہ جب وہ شرعاً مامور بہ ہے تو حق اللہ بھی ہے اور حقوق العباد

سب کے سب مامور بہا ہیں تو وہ حق اللہ سے خالی نہیں۔ پس کسی بندہ کے واسطے نماز توڑ دینا درحقیقت حق اللہ کی رعایت ہے، کیونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔

ابھی کل پرسوں کا واقعہ ہے کہ میں صبح کی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ بڑے گھر سے آدمی دوڑا ہوا یہ خبر لایا کہ گھر میں سے کوٹھے کے اوپر سے گر گئی ہیں میں نے خبر سنتے ہی فوراً نماز توڑ دی یہاں تو سب سمجھ دار لوگ ہیں، مگر شاید بعض ناواقف اپنے دل میں اس وقت یہ کہتے ہوں کہ ہائے بیوی کے واسطے نماز توڑ دی، بیوی سے اتنا تعلق ہے کہ خدا کی عبادت کو اس کے لئے قطع کر دیا۔ بے شک اس وقت اگر کوئی دکاندار پیر ہوتا وہ ہرگز نماز نہ توڑتا کیونکہ اس سے جاہل مریدوں کی نظروں میں ہیٹی ہوتی، مگر الحمد للہ مجھے اس کی پروا نہیں کہ کوئی کیا کہے گا اگر کسی کی نظر میں اس فعل سے میری ہیٹی ہوئی وہ شوق سے کوئی دوسرا شیخ تلاش کر لیں، جب خدا کا حکم تھا کہ اس نماز کو توڑ دو تو میں کیا کرتا کیا اس وقت جاہلوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے میں حکم خداوندی کو چھوڑ دیتا؟ اور جریج عابد کی طرح نماز ہی میں مشغول رہتا؟ وہ تو اس حکم سے ناواقف تھے، اس لئے معذور تھے، مگر میں تو بحمد اللہ اس حکم سے ناواقف نہ تھا۔

ظاہر ہے کہ جب بیوی کوٹھے پر سے گری تو اس کی چوٹ کو شوہر ہی ہلکا کر سکتا ہے اور وہی دریافت کر سکتا ہے کہ چوٹ کہاں لگی، کہاں نہیں لگی۔ خصوص ایسی حالت میں کہ گھر کے اندر بجز ایک ناسمجھ بچی کے اور ایک معذور بڑھیا کے کوئی امداد کرنے والا بھی نہ تھا اور امداد کرنے والے ہوں بھی تو کوٹھے سے گر جانا بعض دفعہ ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے۔ فوراً ہی کوئی تدبیر ہو جائے تو زندگی کی آس ہو سکتی ہے، اس لئے بھی مجھ کو فوراً جانا ضروری تھا، اس لئے میں نے شرعاً نماز کا توڑ دینا اور فوراً جا کر ان کی خبر گیری کرنا ضروری سمجھا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار حضور ﷺ خطبہ فرما رہے تھے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما میں سے کوئی ایک صاحب زادے مسجد میں آ گئے، اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے چلتے ہوئے لڑکھڑاتے تھے، تو حضور ﷺ نے خطبہ توڑ کر ان کو دور ہی سے گود میں

اٹھالیا حالانکہ خطبہ بحکم صلوٰۃ ہے جو بدون کسی سخت عذر کے قطع نہیں ہوسکتا۔

تو جب حضور ﷺ نے نواسوں کے لئے خطبہ توڑ دیا تو میں کیا چیز تھا کہ اتنے بڑے حادثے کے وقت سنتوں کی نیت نہ توڑتا۔ اس میں بیوی کی رعایت نہ تھی۔ بلکہ حق اللہ کی رعایت تھی کیونکہ اس وقت خدا کا حکم یہی تھا۔ خدا کے حکم کے سامنے بیوی کیا چیز ہے؟ اگر حق تعالیٰ کسی وقت بیوی کے قتل کا حکم دیں تو سچا مسلمان ایسا بھی کردے گا اور جہاں وہ اس کی خبر گیری کا حکم دیں وہاں وہ اس کے لئے نماز بھی توڑ دے گا اور دونوں صورتوں میں دونوں فعلوں کا سبب حق اللہ ہی ہوگا۔

پس جس جگہ شریعت ترک معمولات کا امر کرتی ہو جیسے سفر میں رفقا کی رعایت سے فرائض وسنن موکدہ پر اکتفا کرنا یا جس جگہ نماز توڑنے کا امر کرتی ہو جیسے کسی مسلمان کی حفاظت وخبر گیری کے لئے ایسا کرنا وہاں معمولات کی پابندی کرنا غلوفی الدین اور تقوے کا ہیضہ ہے۔ (از صبر وشکر ص ۱۶۸)

حقوق کی رعایت

مگر یہ بات ثابت ہے کہ کامل باوجود کمال عرفان کے لوازم طبعی سے نہیں نکلتا اور یہی ہونا بھی چاہئے، کیوں کہ اگر کسی کو اذیت ومصیبت میں تکلیف جو لازمہ طبعی ہے محسوس نہ ہو تو صبر کیسے متحقق ہوگا، کیوں کہ صبر تو نام ہے ناگوار چیز پر ضبط نفس کرنے کا اور جب کسی کو کوئی چیز ناگوار ہی معلوم نہ ہو تو ضبط کیا کرے گا، البتہ غلبۂ حال میں محسوس نہ ہونا اور بات ہے لیکن غلبۂ حال خود کوئی کمال کی چیز نہیں۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ بیٹے کی مرنے کی خبر سنی تو قہقہہ لگا کر ہنسے اور آنحضرت ﷺ کا اپنے بیٹے ابراہیم پر آنسو بہانا ثابت ہے اور یہ فرمانا کہ " انا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون" اب اگر ظاہر میں کسی شخص کے سامنے یہ دونوں قصے بیان کردیئے جائیں اور یہ نہ ظاہر کیا جائے کہ یہ قصہ کس کا ہے اور وہ کس کا، تو ظاہر بات ہے کہ یہ شخص پہلے بزرگ کو جنہوں نے قہقہہ لگایا زیادہ باکمال سمجھے گا حالانکہ یہ مسئلہ مسلم

وبدیہی ہے کہ ولی کسی حال میں نبی سے نہیں بڑھ سکتا اور یہ بھی مسلم ہے کہ اولیاء کے کمالات انبیاء کے کمالات سے مستفاد ہیں۔

سو دراصل ان دونوں قصوں کی حقیقت یہ ہے کہ اس ولی کی نظر صرف حقوق حق پر تھی، حقوق عباد واولاد کی اہمیت اس کے قلب سے مستور تھی اس واسطے حقوق عباد کا اثر ظاہر نہیں ہوا جو ترحم کی وجہ سے غم پیدا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی نظر دونوں حقوق پر تھی، حقوق حق پر بھی اور حقوق عباد پر بھی۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت سے تو صبر کیا اور جزع فزع نہیں کیا اور حقوق عباد یعنی ترحم علی الاولاد کی وجہ سے آنسو جاری ہوئے سخت دلی نہیں کی" انما یرحم اللّٰہ من عبادہ الرحماء"۔

اس کی ایک مثال ہے مثلاً آئینہ کے دیکھنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو ضرورت سے خریداری وغیرہ کے لئے صرف آئینہ کو دیکھتے ہیں اس کی موٹائی چوڑائی شفافیت پر ان کی نظر ہوتی ہے یہ مثال ہے محجوبین، غافلین اہل صورت کی۔ اور ایک وہ کہ صرف اس چیز کو دیکھتے ہیں جو کہ آئینہ میں منعکس ہوتی ہے اور آئینے کو نہیں دیکھتے یہ مثال ہے غیر کاملین مغلوب الحال لوگوں کی یہ غلبۂ حال سے مظہر کو نہیں دیکھتے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ اور ایک وہ جو آئینہ اور صورت منعکسہ دونوں کو دیکھتے ہیں اور دونوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اس کو جمع الجمع کہتے ہیں۔ یہ شان ہے انبیاء علیہم السلام اور عارفین کاملین کی کہ حقوق حق کی رعایت کے ساتھ حقوق عباد کی رعایت بھی ان کا نصب العین رہتی ہے۔ یہ لوگ جامع ہیں۔

برکفے جام شریعت درکفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام سندان باختن

ایسی باریکیوں کو سمجھنے کے واسطے بڑی فہم کی ضرورت ہے ورنہ ظاہر میں تو ناگوار نہ گذرنا زیادہ کمال معلوم ہوتا ہے، بہ نسبت ناگوار گذرنے کے۔

(از حقیقت تصوف وتقویٰ ص ۴۱۳)

حقوق کی نگہداشت

حقوق العباد کو حتی الوسع ادا کرے اس وقت حقوق کے متعلق ذرا خیال نہیں ہے۔ یاد رکھو! کہ اگر کسی کے تین پیسے بھی کسی کے ذمہ رہ گئے تو اس کی سات سو نمازیں اس صاحب حق کو دلوائی جائیں گی، آج کل دوسرے کا حق ادا کرنا ایسا گراں ہوتا ہے گویا کہ اپنے گھر سے دے رہے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات تو صاحب حق کو یہ کہنا پڑتا ہے، کہ اللہ کے واسطے دیدو اور اسی سبب سے دوسرے کو قرض دینے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، اسی لئے قرض میں اٹھارہ گنا ثواب (۱) ملتا ہے اور صدقے میں دس کا ملتا ہے، اٹھارہ کا حساب اس طرح ہوا کہ اصل میں صدقہ سے مضاعف ملا تھا ایک کے مقابلہ میں دو مگر جب اصل روپیہ واپس مل گیا تو اس کے مقابلے میں دو کٹ گئے۔ اور اٹھارہ رہ گئے اور ہمارے اس برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر لوگوں کو قرض نہیں ملتا۔

آج مسلمانوں میں بہت سے لوگ اپنے بھائیوں کا کام نکال سکتے ہیں کہ مالدار ہیں، مگر کسی وجہ سے خود تجارت نہیں کرنا چاہتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا کام میں لگالے تاکہ حفاظت سے بچیں، مگر اس خوف سے نہیں دیتے کہ ان سے وصول کون کرے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو وقت ضرورت مہاجن سے قرض لینا پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند روز کے بعد تمام گھربار کا مالک مہاجن ہی ہو جاتا ہے اور یہ محض مسلمانوں کی بے اعتباری کی وجہ سے۔

مظفر نگر میں میرے ایک دوست سے ایک شخص نے دس روپے یہ کہہ کر قرض لئے کہ آج میرے مقدمے کی تاریخ ہے اور گھر سے دن کے دن منگا نہیں سکتا تم اس وقت دیدو میں وطن جاتے ہی بھیج دوں گا۔ غرض انہوں نے جب وطن جا کر بھی مدت تک نہ بھیجا، انہوں نے تقاضا شروع کیا۔ اخیر میں کہا کہ کیا ہمارا کوئی رقعہ ہے؟ صبر کر کے بیٹھ رہے اور پھر غضب یہ کہ اس حرکت کو دین کے خلاف بھی نہیں سمجھتے۔ صاحبو! کیا قبر میں جا کر جواب دو گے اپنے سارے کام کر لیتے ہیں، مگر دوسرے کا قرض نہیں

(۱) اور ایک حدیث میں بیس حصہ ثواب آیا ہے کذافی الترغیب والترہیب ۱۲ احمد حسن عفی عنہ

دیتے۔ اور اگر کوئی مانگتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ کیا قرض مار میں ہے۔

اور اس سب کی وجہ ایک ہی بھاری مرض ہے کہ دین کی فکر نہیں۔ بہت سے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ ریل میں زیادہ مال لے جاتے ہیں اور ذرا پرواہ نہیں کرتے، بلکہ بعضے تو کہتے ہیں کہ کافر کا حق مار لینا کچھ ڈر نہیں حالانکہ وہ بھی واجب التحرز (قابل سزا) ہے، بلکہ ایک بزرگ تو یہ کہتے تھے کہ مسلمان کا تو چاہے لے لو لیکن کافر کا حق نہ لو کیونکہ مسلمان سے تو یہ امید ہے کہ وہ قیامت میں معاف کر دے اور کافر سے تو یہ بھی امید نہیں، دوسرے اگر معاف نہ کیا تو خیر اپنی نیکیاں اپنے ہی بھائی کے پاس جائیں گی دشمن کے پاس تو نہ جائیں گے۔ (از مفاسد گناہ ص ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶)

حقیقت حقوق خانہ داری

مردوں نے تو اپنے ذمہ عورتوں کے یہ حقوق سمجھ رکھے ہیں کہ کھانے کو دیدیا، کپڑا دے دیا، زیور دے دیا، گھر دے دیا۔ اور کبھی بیمار ہوئیں تو علاج کر دیا، کبھی کوئی فرمائش کی تو اس کو پورا کر دیا۔ اور عورتیں اپنے ذمہ مردوں کے یہ حقوق سمجھتی ہیں کہ کھانا پکا کے دے دیا، رات کو بستر کر دیا، اور دھوبن کو مردوں کے کپڑے شمار کر کے دیدیئے اور جب لائی تو شمار کر کے لے لئے اور حفاظت سے بکس میں بند کر کے رکھ دئے اور شمار کر کے دینا لینا بھی بعض گھروں میں ہے ورنہ اکثر تو یہ کہتی ہیں کہ ہماری دھوبن بڑی ایماندار ہے یہ خود گن کر لیجاتی ہے اور پورے کپڑے دے جاتی ہے، پھر دیتے ہوئے کپڑوں کی شمار ہوتی ہے نہ لیتے ہوئے، دھوبن کی ایمانداری پر اعتماد ہے اور وہی مختار کل ہے جو چاہے کرے، اسی طرح پسنہاری کو بھی خود وزن کر کے غلہ نہیں دیا جاتا، اسی سے کہہ دیتی ہیں کہ اپنے آپ وزن کر کے اتنی دھڑی لے جا چاہے وہ چار دھڑی کی جگہ پانچ لے جائے اور ان سے چار ظاہر کرے، پھر جب وہ آٹا پیس کر لاتی ہے اس وقت بھی وزن نہیں کیا جاتا۔ وہی پسنہاری خود تول کر برتنوں میں بھر دیتی ہے اور آئندہ کے لئے دوبارہ اناج لے جاتی ہے۔ گھر والوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ پہلی پسائی کتنی تھی اور

اگلی کتنی ۔ پس مہینہ ختم ہونے پر جتنی رقم پسنہاری نے بتلا دی وہی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

میں نے ایک گھر میں دیکھا ہے کہ ایک پسنہاری کی بہت سی پسائیاں چڑھی ہوئی تھیں اور گھر میں نہ کوئی حافظہ تھی نہ کوئی ضابطہ تھا۔ بعض دفعہ گھر والوں اور پسنہاری میں اختلاف ہوتا وہ کچھ کہتی پسنہاری کچھ کہتی، مگر حجت کسی کے پاس نہ تھی بالآخر جھک مار کر وہی دینا پڑتا تھا جو پسنہاری نے بتلا دیا اور جن گھروں میں حساب کا خیال بھی ہوتا ہے تو وہاں یہ طریقہ ہے کہ دیوار پر کوئلہ سے لکیر کھینچ دیتی ہیں، جب ایک دھڑی پس کر آئی انہوں نے اسی وقت دیوار پر لکیر کھینچ دی، میں نے دیکھا کہ ایک مکان میں تمام دیوار سیاہ تھی حالانکہ دیوار کی لکیر کوئی معتبر چیز نہیں، ذرا سا ہاتھ لگنے سے مٹ سکتی ہے اور پسنہاری ایک آدھ لکیر بڑھا بھی سکتی ہے، پھر اس صورت میں وہی دینا پڑے گا جو پسنہاری بتلادے، (اس سے تو آسان صورت یہ ہے کہ قلم اور دوات سے کسی تختی یا کاغذ ہی پر جو اپنے قبضہ میں رہے لکیر کھینچ دیا کریں تاکہ کمی بیشی کے احتمال سے تو محفوظ رہے، مگر گھروں میں اس کا مطلق اہتمام نہیں)۔

وجہ یہ کہ عورتیں ان کاموں کو اپنے ذمہ سمجھتی ہی نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے ذمہ صرف اتنا سمجھتی ہیں کہ مردوں کو کھلا دیا پلا دیا، اور اگر کوئی بچہ ہوا تو اس کو ہگا موتا دیا اور یہ بھی اس وقت کہ گھر میں بچہ کے لینے کو کوئی آدمی نوکر نہ ہو اور یہ کام انہیں خود کرنا پڑے، ورنہ ان کو اس کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ بچے کہاں ہیں اور کس طرح ہیں اور اگر گھر میں کھانا پکانے والی بھی نوکر ہوئی تو ان کو چولہے کی بھی خبر نہیں ہوتی، اب نوکرانی سیاہ وسفید جو چاہے کرے، غرض شوہر کے مال کی حفاظت کا عورتوں کو مطلقاً خیال نہیں ہوتا، اسی طرح مردوں کو عورتوں کے حقوق میں سے صرف بعضے دنیوی امور کا اہتمام ہے یعنی زیور کپڑے کا یا کھانے پینے کا باقی ان کے دین کی اصلاح کا کچھ بھی اہتمام نہیں تو دونوں نے دو دو قسم کی کوتاہیاں کر رکھی ہیں دو قسم کی مردوں نے اور دو قسم کی عورتوں نے مجموعہ چار قسم کی کوتاہیاں ہوئیں۔ (از حقوق الزوجین ص ۱۷)

ادائے حقوق کی ضرورت اور اس کا موجب

آسائش (۱) ہونا ایک شبہ کا جواب

اگر کسی کے پاس موروثی زمین ہے تو اس کو چاہئے کہ فوراً اس کو چھوڑ دے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ شخص موروثی زمین کو چھوڑ دے تو وہ زیادہ آرام وآسائش میں رہے گا، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ایمان دار اور خوش معاملہ مشہور ہو جاوے گا، پھر زمیندار کوشش کرے گا کہ اس کی زمین اس کی کاشت میں رہے اگر اب بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے اور نہ مانیں تو وہ جانیں۔

دو شخص ضلع سہارنپور کے میرے پاس آئے میں اتفاق سے موضع بھینسانی گیا ہوا تھا، وہ میرے پاس وہیں پہنچے کہ ہم کو مرید کرلو، میں نے پوچھا کہ تمہارے پاس موروثی زمین تو نہیں، معلوم ہوا کہ ہے۔ میں نے کہا اس کو چھوڑ دو کہنے لگے کہ پہلے مرید کرلو پھر چھوڑ دیں گے۔ میں نے کہا کہ پہلے چھوڑ آؤ جب مرید کروں گا۔ یہ سن کر چھوڑ کر آنے کا وعدہ کر گئے اور آج تک واپس نہیں آئے۔

ایک گاؤں کے لوگ مدت سے مجھے بلا رہے ہیں لیکن اس لئے جانے کی نوبت نہیں آئی کہ وہاں سب کے پاس موروثی زمینیں ہیں۔ بس وہ میرے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ مجھ کو روٹی کہاں سے کھلاؤ گے؟ حدیث میں آیا ہے کہ "اگر ایک درہم حرام اور نو حلال کے ہوں تو اس ایک کے مل جانے سے اس کی سب عبادت غارت ہے" اور غضب یہ ہے کہ لوگ حرام کمائی بیوی بچوں کے لئے کماتے ہیں یہ بھی نہیں کہ اپنے لئے ایسا کریں، لیکن اسی سے کوئی تجویز نہ کرے کہ جب ہمارے پاس حلال کی آمدنی نہیں ہے اور حرام کی آمدنی کھانے سے روزہ قبول نہیں ہوتا تو روزہ رکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اب تو صرف ایک گناہ ہے کہ حرام مال سے پیٹ بھرا اور اگر

---

(۱) آرام وراحت کا سبب۔

روزہ نہ رکھو گے تو ایک دوسرے اس سے بھی زیادہ سخت گناہ میں ماخوذ ہو گے۔

(از اسلام اور زندگی ج ۳ ص ۲۶۸، ۲۶۹)

حقوق العباد سے غفلت

لیکن باوجود تقدیم حقوق غیر کے ہمارا معاملہ ایسا ہے لوگوں کے ساتھ جیسے بھیڑیا کا بھیڑ کے ساتھ کہ پرائے حق کو کھاتے ہیں، پرائی آبرو برباد کرتے ہیں، غیبتیں کر کے شکایتیں کر کر کے۔ بات کہنے میں اس کی پرواہ نہیں کہ کسی کو ناگوار ہوگی جو جی میں آیا پھٹ سے کہہ دیا کسی کو رنج ہو تو ہوا کرے وہ سیاست بھی کرتے ہیں تو محض غیظ نفس سے حالانکہ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

جس پر سیاست کرنے کا حق ہو اس پر کبھی کبھی سختی بھی کر سکتے ہیں، مگر حدود سے تو خارج ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ سیاست کے بھی حدود ہیں، سختی کے بھی حدود ہیں، سزا کے بھی حدود ہیں اب تو محض غیظ نفس منشاء ہوتا ہے۔ ہم لوگ ایسے ایسے گناہوں میں تو مبتلا ہیں۔ پھر اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے ہیں کہ ہم مقدس ہیں، بلکہ جو فاسق فاجر ہیں اکثر دیکھا کہ ان میں تکبر ہوتا ہے جو بدترین گناہ ہے۔ پھر مقدس ہی کہاں رہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر یہ گناہ ہوں تو اور دوسرے گناہ ہوں تو ہمارا یہ برتاؤ ہو رہا ہے۔ اے صاحب خیر! گناہ سے جی برا نہ ہو تو خدا نے عقل تو دی ہے، ذہن تو دیا ہے، کان تو ہیں کانوں میں تو پڑا تھا کہ یہ گناہ ہے، پھر چاہے جی برا ہوتا نہ ہوتا اس سے بچنا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ گناہوں کا چھوڑنا ایک امر عظیم الشان ہے، اس لئے میں نے پہلے اس کا بقدر ضرورت بیان کر دیا ہے تاکہ من تاب میں داخل ہو جاؤ۔

(از حقیقت تصوف و تقوی ص ۲۴۰)

حق و کوتاہی

مردوں سے ایک کوتاہی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ذمہ صرف دنیوی حقوق سمجھتے

ہیں دینی حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہمارے ذمہ ان کے دین کا بھی کوئی حق ہے مثلاً گھر میں آ کر یہ تو پوچھتے ہیں کہ کھانا تیار ہوا یا نہیں، مگر یہ کبھی نہیں پوچھتے کہ تم نے نماز بھی پڑھی یا نہیں، اگر کھانا کھانے گھر میں آئے اور معلوم ہوا کہ ابھی تیار نہیں ہوا تب بھی خفا ہوتے ہیں یا تیار تو ہو گیا، مگر مرضی کے موافق تیار نہیں ہوا تب بھی خفا ہوتے ہیں اور اگر کبھی یہ معلوم ہوا ہو کہ بیوی نے اس وقت کی نماز اب تک نہیں پڑھی تو ان کو ذرا بھی ناگواری نہیں ہوتی، نہ بی بی پر خفا ہوتے ہیں، بلکہ اگر کسی کی بی بی عمر بھر بھی نماز نہ پڑھے تو بہت مردوں کو اس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔

اور جو کبھی کسی کو کچھ خیال بھی ہوتا ہے اور یہ وہ ہیں جو دیندار کہلاتے ہیں تو وہ بھی یونہی چلتی سی بات کہہ دیتے ہیں کہ بی نماز پڑھا کرو، نماز کا ترک کرنا بڑا گناہ ہے، بس اتنا کہہ کر اپنے نزدیک یہ سبکدوش ہو گئے اور جب کسی نے ان سے کہا کہ تم اپنی بی بی کو نماز کے لئے تنبیہ کیوں نہیں کرتے؟ تو یہ جواب دیتے ہیں کہ کہہ تو دیا تھا اب وہ نہیں پڑھتی تو میں کیا کروں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ انصاف سے بتائیے کیا آپ نے نماز کے لئے اسی طرح کہا تھا جیسے نمک تیز ہونے پر کہا تھا۔ اور اگر ایک دو دفعہ کے کہنے سے اس نے نمک کی درستی کا اہتمام نہ کیا تو وہاں بھی آپ ایسے ہی خاموش ہو جاتے ہیں جیسے نماز کے لئے ایک دو دفعہ کہہ کر خاموش ہو گئے، ہرگز نہیں۔ نمک تیز ہونے پر تو آپ سر توڑنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایسی بری طرح خفگی ظاہر کرتے ہیں کہ بی بی سمجھ جاتی ہے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں، اس لئے وہ بہت جلد نمک کی اصلاح کا اہتمام کرتی ہے۔

صاحبو! نماز کے لئے آپ نے اس طرح کبھی نہیں کہا جس سے بی بی سمجھ جائے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں، اگر یہاں بھی اسی طرح خفگی ظاہر کرتے تو وہ اس کا بھی ضرور اہتمام کرتی اور اگر ایک دفعہ کے کہنے سے نہ پڑھتی تو دوسرے وقت پھر خفا ہوتے، پھر نہ پڑھتی تو تیسرے وقت پھر کہتے اور جب تک وہ نماز نہ پڑھتی برابر کہتے رہتے اور مختلف طریقوں سے اپنی خفگی ظاہر کرتے، مثلاً پاس لیٹنا ترک کر دیتے یا اس

کے ہاتھ کا پکا ہوا نہ کھاتے۔ جیسا کہ نمک کی تیزی پر اگر ایک بار خفا ہونے سے اثر نہ ہوا تو آپ خاموش نہیں ہو جاتے، بلکہ برابر کہتے رہتے ہیں اور وہاں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اتنی دفعہ تو کہہ دیا ہے اب بھی وہ نہیں مانتی تو میں کیا کروں۔ بس خاموش ہو جاؤں۔

صاحبو! انصاف سے بتلایئے کہ ہم نے کبھی کھانے پینے کے باب میں بھی اپنے جی کو اس طرح سمجھا لیا ہے جیسا نماز کے باب میں سمجھا لیا جاتا ہے ہر گز نہیں۔ تو یہ سراسر کوتاہی ہے اگر آپ بی بی کو نمازی بنانا چاہیں تو کچھ دشوار بات نہیں، کیونکہ عورت حاکم نہیں بلکہ محکوم ہے۔ چنانچہ اپنی اغراض کے لئے ان پر حکومت بھی کی جاتی ہے، مگر دین کے لئے اس حکومت سے ذرا کام نہیں لیا جاتا، ایک تو یہ کوتاہی ہے، دوسری کوتاہی یہ ہے کہ ان کے حقوق دنیویہ کو بھی پوری طرح اپنے ذمہ نہیں سمجھتے، بس دنیوی حقوق میں انہی باتوں کو اپنے ذمہ سمجھتے ہیں، جو عرفاً مردوں کے ذمہ سمجھی جاتی ہیں اور جو حقوق معاشرت کے شریعت نے ہمارے ذمہ کئے ہیں ان کو عموماً مرد اپنے ذمہ نہیں سمجھتے مثلاً بعضے گھروں میں دیکھا ہے کہ مرد بیوی سے بالکل لا پرواہ رہتا ہے، سال بھر باہر بیٹھک میں سوتے ہیں، گھر میں نہیں سوتے۔ اب یا تو کہیں اور تعلق پیدا کیا جاتا ہے یا ویسے ہی باہر سوتے رہتے ہیں اور بیوی کے اس حق سے غافل ہیں حالانکہ رات کو اس کے پاس سونا بھی شرعاً اس کا حق ہے۔

بعض جگہ دیکھا ہے کہ مرد عورتوں سے بولتے بھی نہیں، ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو بزرگ کہلاتے ہیں یا کسی بزرگ کے مرید ہیں۔ نماز روزہ اور ذکر و شغل کے پابند ہیں اپنے نزدیک جنت خرید رہے ہیں۔ مگر بیوی کے حقوق سے غفلت۔ یاد رکھو! بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ ایک وقت میں اس سے بات چیت بھی کی جائے اور اس کی تکلیف وراحت کی باتیں سنی جائیں اور دل جوئی کی باتوں سے اس کو خوش کیا جائے مگر اس حق سے دنیادار اور دیندار سب ہی غافل ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں بس کھانا کپڑا ہی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہے۔

بعض جگہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بات بات میں عورتوں کی خطائیں نکالی جاتی

ہیں اور ان کی وجہ سے بات چیت ترک کی جاتی ہے یا گھر میں سونا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ دو قسم کی خطائیں ہیں، بعض تو اختیاری ہیں جن میں عورتوں کے اختیار کو دخل ہے، مگر وہ اس درجہ کی نہیں ہوتی کہ ان پر اتنی بڑی سزا دیجائے، چنانچہ عورتوں کی ایک خطا بیان کی جاتی ہے کہ وہ گفتگو میں مرد کے آگے رکتی نہیں ہیں اور برابر جواب دیئے چلی جاتی ہیں حالانکہ وہ محکوم ہیں، ان کو محکوم بن کر رہنا چاہئے۔ (از حقوق الزوجین ص ۱۹)

حقوق العباد کی ایک علمی غلطی

تعزیر و تعییر اور تکفیر کا مفہوم

تفسیر ان الفاظ کی یہ ہے

تعزیر: وہ سزا ہے جو تادیب کے لئے دی جائے، اور حد کے درجہ سے کم ہو، اور اس کے طرق (طریقے) مختلف ہیں، ملامت کرنا، ڈانٹنا، مارنا، ہاتھ یا لکڑی وغیرہ سے، کان کھینچنا، سخت الفاظ کہنا، محبوس کردینا، (ردالمختار) مالی سزا دینا، جس کا طریقہ بعد میں آتا ہے۔

تعییر: کسی کا عیب نکالنا، اس میں غیبت و بہتان بھی داخل ہوگیا۔

تکفیر: کسی کو کافر کہنا۔

اوپر کے قریب ابواب میں غیر کے مال میں تصرف کرنے کی بحث تھی، ان تینوں امور میں غیر کی آبرو میں تصرف کرنے کا بیان ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ ان تینوں امر سے دوسرے کی آبروریزی ہوتی ہے، گو بعض میں تصرف فی النفس وتصرف فی المال ہے، اور چونکہ آبروریزی ان تینوں میں امر مشترک ہے، اور اس مابہ الاشتراک کی وحدت سے یہ تینوں امر گویا امرِ واحد ہیں، اس لئے ان تینوں کے متعلق مضامین مخلوط طور پر بیان ہوں گے، جیسے تینوں کے عنوان کو جمع کردیا گیا، (یعنی ترتیب کا قصد نہ ہوگا)۔

پس ان کے متعلق ایک کوتاہی جو بوجہ علمی غلطی ہونے کے سب سے اشد ہے کہ ان میں حق العباد ہونے کا احتمال ہی کسی کو نہیں ہوتا، الا ماشاء اللہ، اور اس وجہ سے ان

کو بالکل خفیف وسرسری سمجھا جاتا ہے، سو یہ بڑی سخت غلطی ہے اور سخت ہونا اس کا اس لئے ہے کہ یہ اعتقادی غلطی ہے، حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد صریح ہے:۔

الا ان دماء کم واموالکم واعراضکم حرامٌ علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا۔

’’خبردار! تمہارا خون، مال اور تمہاری عزتیں (ناحق طریقہ سے) تم پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمہارے آج کے دن کی تمہارے اس خطہ اور اس شہر کی حرمت ہے‘‘۔

حقوق العباد کی تین قسمیں

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) کسی کی جان یا بدن کو ضرر پہنچانا، (۲) کسی کے مال کو ضرر پہنچانا، (۳) کسی کی آبرو کو ضرر پہنچانا، یعنی بدون کسی استحقاق کے، اس وقت اکثروں نے حق العبد کو صرف قسم دوم ہی میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور اگر کسی کی نظر بڑھتی ہے تو قسم اول کو بھی اس میں داخل کر لیتے ہیں، باقی قسم ثالث تک تو اکثر خواص کا ذہن بھی نہیں جاتا۔

(از اصلاح انقلاب امت ص ۲۱۹)

حقوق العباد کی فکر نہیں

عمل کو مہتم بالشان سمجھنے کے بعد ایک کوتاہی اور ہے جس میں عوام تو کیا خواص بھی مبتلا ہیں کہ اعمال واجبہ کی وہ عظمت اور وقعت قلوب میں نہیں جو غیر واجبہ کی ہے۔ مثلاً حقوق العباد وغیرہ کی فکر نہیں اور نوافل و وظائف وغیرہ کی کثرت کو زیادہ موجب قرب حق سمجھتے ہیں اور جو اصل مقصود تھا اسی کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ کتنا بڑا ظلم عظیم ہے، اور اعمال واجبہ کے حقیر سمجھنے کا سبب ان اعمال کا عموم ہے کہ اس کو تو سب ہی کرتے ہیں، اس میں خصوصیت ہی کیا ہوئی...... تو کیا نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام ایسے کاموں کے اہتمام کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے جن کو تم حقیر اور فضول سمجھتے ہو۔ تو بہ کرنی چاہئے

ان فاسد عقائد سے۔ پس اصل مقصود اعمال واجبہ ہی ہیں اور عموم ہونا ہی دلیل ہے افضلیت کی۔ (از اصلاح المسلمین ص ۴۰۱)

نامعلوم اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ

مسئلہ: جس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں اور اہل حقوق معلوم نہیں یا معلوم ہیں مگر مر گئے، اوران کے وارث بھی نہیں تو ایسے حقوق بمنزلہ لقطہ کے ہیں، کہ مالک کے نہ ملنے کے وقت خیرات کر دینا چاہئے، اور یہ خیرات ایسے حقوق کی اور اسی طرح لقطہ کی مالک کی نیت سے ہونا چاہئے۔

مسئلہ: اگر بعد تصدق کے مالک آ گیا تو اس کو اختیار ہے، خواہ اس تصدق کو جائز رکھے اور خواہ اس سے ضمان لے، اور ثواب اس لاقط (اٹھانے والے) کو ملے گا۔ (ردالمختار)(از اصلاح المسلمین ص ۴۰۰)

دیندار ہی حقوق ادا کرتا ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ادائے حقوق کا آج کل بہت ہی کم خیال ہے، اگر خیال ہوسکتا ہے تو دینداروں ہی کو ہوسکتا ہے، دینداری بھی عجیب چیز ہے، ایک ایک پائی کا اہتمام کرتا ہے اور بد دین تو سینکڑوں کی بھی پروانہیں کرتا۔

(از ملفوظات حکیم الامت ج ۲ ص ۲۹۵)

مومن کا حق یہ بھی ہے کہ اچھے القاب سے خطاب کرے

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا حق دوسرے مومن پر یہ ہے کہ اس کا ایسے نام ولقب سے ذکر کرے جو اس کو زیادہ پسند ہو، اس لئے عرب میں کنیت کا رواج عام تھا اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کو پسند فرمایا۔ خود آنحضرت ﷺ نے خاص خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ لقب دیئے ہیں، صدیق اکبر ؓ کو عتیق اور حضرت عمر ؓ کو فاروق، اور حضرت حمزہ ؓ کو اسد اللہ اور خالد بن ولید ؓ کو سیف اللہ فرمایا ہے۔

(آداب معاشرت ص ۹۵)

مسلمان اور حقوق انسانی

حضرت! اسلام ایسی چیز ہے کہ مسلمان انسانی حقوق تو کیا ضائع کرتا وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے، ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے سفر میں ایک دکاندار سے شکر خریدی اور کپڑے میں باندھ لی، گھر جا کر کھولا تو اس میں ایک چیونٹی نظر آئی یہ دیکھ کر آپ کو بے حد قلق ہوا کہ نہ معلوم بیچاری اپنے کس کس عزیز سے الگ ہوئی ہوگی، اس کا دل ان کی جدائی سے تڑپتا ہوگا، آخر اسی طرح کپڑا باندھ کر پھر سفر کر کے جہاں سے شکر لائے تھے وہیں لا کر اسی دکان پر کپڑا کھولا اور چیونٹی کو اس کے مستقر پر پہنچایا۔

تو دیکھئے اتنی ہمدردی، یہ اثر ہے تعلیم اسلام کا کہ انسان تو انسان حیوان پر بھی اسلام ہمدردی کرتا ہے، اتنا ترحم ہے اسلام میں کہ حیوانات کے بھی حقوق مقرر کئے ہیں۔ ان پر بھی ظلم وستم کو جائز نہیں رکھا۔ اس کے متعلق بھی بہت سے احکام ہیں، چنانچہ اس میں کتابیں لکھی گئی ہیں، میں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام ہے ''ارشاد الہائم فی حقوق البہائم'' اس میں بتلایا ہے کہ حیوانات کے حقوق کیا ہیں؟ اپنی طرف سے نہیں لکھا۔ تو جس اسلام نے جانور پر بھی رحم کیا ہے کیا وہ انسان پر رحم نہ کرے گا، ضرور کرے گا، اب اگر کسی حکم میں کسی کو جبر وتشدد کا شبہ ہو تو چونکہ وہ ایسے اسلام کے حکم سے ہوا ہے جس میں اتنا رحم ہے تو وہ واقع میں جبر وتشدد نہیں ہے، ضرور اس میں کوئی عظیم مصلحت اسی کو مقتضی ہے، اس کو ہر شخص اپنے معاملات میں غور کر کے سمجھ سکتا ہے کہ بعض دفعہ ہم ضرورت کی وجہ سے اولاد تک کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور مجبوراً کرنا پڑتی ہے بدون اس کے کام نہیں چلتا، یعنی دوسرے کی اصلاح بدون اس کے نہیں ہوتی۔

چنانچہ میں جب کسی پر ظاہراً تشدد کرتا ہوں مجبور ہو کر کرنا پڑتا ہے، مگر ساتھ ہی دل پگھلا جاتا ہے، جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے، مگر کیا کروں ضرورت شرعی ہوتی ہے، اس لئے تشدد کرنا پڑتا ہے اور اس کا حکم شرعی ہونا دلائل سے ثابت ہوتا ہے، نصوص اس کے لئے موجود ہیں، تو واقع میں یہ سختی رحم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہر چیز کا موقع ہے،

رحم کی جگہ رحم کرنا پڑتا ہے اور سختی کی جگہ سختی، بلکہ سختی کی جگہ رحم کرنا خود بے رحمی ہے، جیسے کسی کے دنبل ہو جس میں نشتر کی ضرورت ہے، مگر ڈاکٹر رحم کی وجہ سے نشتر نہیں دیتا بلکہ مرہم پٹی کئے جاتا ہے تو کیا اس کو رحم کہا جائے گا، ہرگز نہیں۔

تو معلوم ہوا کہ مطلق تشدد بے رحمی نہیں ہے، اگر مطلق تشدد بے رحمی ہو تو نعوذ باللہ کیا اللہ میاں کو بے رحم کوئی کہہ سکے گا، کیونکہ وہ تو کروڑوں کو مارتے ہیں، ہلاک کرتے ہیں، بیمار کردیتے ہیں، معلوم ہوا کہ بعض جگہ تشدد بھی رحم کے خلاف نہیں اگر اس کو نہیں مانتے تو یا تو خدا تعالیٰ کو رحیم نہ کہو گے یا ان کو محیی وممیت نہ کہو گے، مارنا مطلقاً خلاف رحم ہے تو اللہ میاں تو روزانہ بلکہ ہر وقت مارتے رہتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ تشدد مطلقاً رحم کے خلاف نہیں، بلکہ وہ تشدد بوجہ حکمتوں کے درحقیقت رحم ہی ہے۔ اگر وہ حکمتیں تفصیلاً سمجھ میں نہ آویں تو اتنا مجملاً سمجھ لو کہ وہ حکیم اور رحیم ہیں۔ اس لئے ان کا تشدد حکمت اور رحم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

پس اب کفار کا مسلمانوں کو بوجہ جہاد اور ذبح حیوانات کے بے رحم کہنا غلط ہو گیا۔ اگر ہمارے قلوب میں رحم نہ ہوتا تو جانور اور چیونٹی پر اتنا کیوں رحم کرتے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ آخر یہ رحم نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک چیونٹی کی پریشانی دیکھ کر بے چین ہو جاویں۔ غرض اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ہر چیز سے ہمدردی کرو، دنیا بھر میں کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جو اسلام میں نہ پائی جاتی ہو۔ اگر ہمارا اسلام کامل ہو اور یہ سب خوبیاں ہمارے اندر مشاہد ہوں، پھر ہم خود ہی اوروں کو کشش کرلیں بلانے اور دعوت دینے کی بھی چنداں ضرورت نہ رہے۔ مگر اب تو ہماری یہ حالت ہے کہ تقریر تو لمبی چوڑی کرنے کو تیار ہیں اور کام خاک بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ خوب کہا ہے کسی نے ؎

کارکن کار بگذار از گفتار
کاندریں راہ کار باید کار

کام کرنا چاہئے۔ دعویٰ اور لاف زنی چھوڑنا چاہئے۔ مگر اب کام کچھ نہیں فقط

نام ہی نام ہوتا ہے۔ (از محاسن اسلام ص ۵۶ تا ۵۹)

مسلم وکافر کے حقوق بلا امتیاز پورے کرنا ضروری ہیں

حصول تعلیم کے بعد ابتداء میں میرا تقرر ایک پہاڑی علاقہ میں ہوا۔ میں ایک مسلمان طبیب استاد کے پاس بیٹھنے لگا۔ اس کے تبادلہ پر خود حکیم بن بیٹھا۔ کام چل نکلا فیسیں وصول ہونے لگیں، ادویات اپنی جیب سے نہ تیار ہوتی تھیں۔ کوئی مریض آیا، نسخہ لکھ دیا، کچھ قیمتی اجزاء خود رکھ لیتا۔ نسخہ تیار کر کے کچھ دے دیتا باقی اپنے پاس رکھتا۔ جس سے دوسروں کی ضروریات پوری ہوتیں۔ مریضوں میں کافر و مسلم سب تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آیا کافر و مسلمان کے حقوق ادا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے؟ حضرت علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا، ''ہاں''

آگے پوچھا- وہ طریقہ کیا ہے؟ تحریر فرمایا:

''اندازہ کر کے مالکوں کی طرف سے خیرات کر دیا جائے''۔

جو یاد تھے ان کو روپے منی آرڈر کئے کچھ نے وصول کر لئے کچھ نے روپے واپس کر دیئے۔ تبادلہ کے بعد دور دراز کا سفر کر کے میرے پاس مریض آنے لگے۔ میں نے اس کی معرفت اعلان کرایا کہ میں مکاری سے طبیب بنا ہوا تھا میرے پاس کوئی نہ آوے تب پیچھا چھوٹا۔ (از مکتوبات اشرفیہ ص ۴۵)

حقوق متعلقین میں کمی کرنے والا دین سے ناواقف ہے

جو لوگ دیندار بن کر حقوق متعلقین میں کمی کرتے ہیں وہ دین سے ناواقف ہیں، حقیقت میں وہ دیندار نہیں گو دنیا ان کو دیندار سمجھتی ہو۔ (حسن العزیز ص ۱۲۹)

توبہ بغیر ادائے حقوق کے قبول نہیں ہوتی

توبہ کا متمم (پورا کرنے والا) یہی ہے کہ اگر کسی کا حق تمہارے ذمہ ہو اس کو بہت جلدی ادا کر دو، اس سے انشاء اللہ خدا تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا، پھر

انشاء اللہ تمہارے لئے آخرت کا دائمی عیش ہوگا۔ (از اسلام اور زندگی ج ا ص ۹۵)

گناہوں کی معافی کے لئے صرف استغفار کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ادائے حقوق بھی ضروری ہے

اگر مغفرت چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور معاف کرانے کے یہ معنی نہیں کہ صرف تسبیح ہاتھ میں لے کر[1] استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ پڑھتے رہو، بلکہ یہ بھی کرو اور اسکے ساتھ اہل حقوق کے حقوق بھی ادا کرتے رہو۔ اگر کسی شخص کے پاس دوسرے کی زمین دبی ہو یا موروثی ہو[2] اس کو چھوڑ دو، کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو اس کو ادا کردو اور سبکدوش ہو جاؤ، لوگ اپنے جی میں کہتے ہوں گے کہ موروثی زمین چھوڑنے کی بے ڈھب کہی، پھر ہم کھاویں گے کہاں سے؟ لیکن صاحبو! غور کرو اگر کسی شخص کے موروثی کھیتوں میں کو ریل نکل جاوے اور اس کے سب کھیت ریل میں آجاویں اور معاوضہ ملے زمیندار کو تو یہ کیا کرے گا اور کہاں سے کھاوے گا[3]۔ (از اسلام اور زندگی ج ۳ ص ۲۶۵، ۲۶۶)

اللہ تعالیٰ سے محبت کا ایک بڑا حق

خدا سے تعلق رکھنے والوں کو یگانہ اور آشنا سمجھو اور جو اس سے بے تعلق ہو اس کو بے گانہ اور نا آشنا سمجھو، خدا کے دوستوں کو اپنا دوست اور اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو۔ صاحبو! محبت کا یہ بہت بڑا حق ہے اس کو ادا کرو، آج کل اس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے، بس آپ کی تو یہ شان ہونی چاہئے۔

ہزار خویش کہ بے گانہ از خدا باشد
خدائے یک تن بے گانہ کآشنا باشد

(۱) میں اللہ تعالیٰ سے سب گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں معنی ذہن میں رکھ کر پڑھا جائے تو زیادہ مفید ہے۔

(۲) وہ زمین یا مکان جو دوسرے سے کرایہ پر یا بٹائی پر لی ہو وہ چھڑانا چاہے، مگر نہ چھوڑیں یہ موروثی ہے جو حرام ہے۔

(۳) کھانے کو دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں وہ کوئی اور سلسلہ دیں گے ان سے ناامید نہ ہو۔

اے مسلمانو! خدا کے ساتھ وہ حالت تو ہونی چاہئے جوایک محبوب مجازی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہردم عاشق اسی کی دھن میں رہتا ہے، گو دنیا کے سارے دھندے بھی کرتا ہے، مگراس کا خیال کبھی دل سے نہیں اترتا۔ بس یہ حال ہوتا ہے۔

چو میرد مبتلا میرد چوخیزد مبتلا خیزد

تو کم ازکم طالب خدا کا یہ حال تو ہونا چاہئے جو ایک مردار کسی کے عاشق کا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی وقت دل سے نہیں اترتی۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئی گشتن بہر او اولیٰ بود

کیا خدا کی محبت ایک مخلوق کی محبت سے بھی کم ہوگئی۔ اگرنہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ خدا کی ایسی دھن نہ ہو، واللہ جو سچا طالب ہوگا اس کے دل کو ہر وقت خدا تعالیٰ کی دھن لگی ہوگی۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کی بابت ارشاد ہے ﴿رجالٌ لا تلهيهم﴾ الخ ''کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی''۔ (از اصلاح المسلمین ص ٦۴٦)

حق تعالیٰ کے حقوق

اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ غلامی کی جو حقیقت سمجھے گا پھر ممکن نہیں اس کے حقوق ادا نہ کرے، اور حقیقت اس کی اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ تو اس کے حقوق بھی ادا کرنا لازم ہوگا، اور ادائے حقوق کے لئے علم حقوق شرط ہے، اس لئے ضرورت ہوگی حقوق معلوم ہونے کی، اب ان کو اجمالاً عرض کرتا ہوں۔

تو سمجھنا چاہئے کہ وہ تین حق ہیں، ان میں سے ایک تو اطاعت ہے، مگر اطاعت کے وہ معنی نہیں جو محض اہل قشر ظاہر پرست سمجھتے ہیں یعنی محض ضابطہ کی اطاعت، بلکہ حقیقی اطاعت ہونا چاہئے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ نوکر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو یورپین مذاق کا ہے کہ کھانا پکا دیا اور چل دیا۔ اگر آقا نے کبھی کہا بھی کہ بھئی ذرا

پنکھا جھل دو کہا صاحب میرے فرائض میں نہیں ہے۔ اور ایک نوکر ایشیائی مذاق کا ہے کہ کھانا بھی پکا دیا اور کھلا دیا اور پنکھا بھی جھل رہا ہے اور اس سے فارغ ہو کے بیٹھ گیا، آقا کے پاؤں دبانے لگا۔ آپ کہتے بھی ہیں کہ بس بھائی جاؤ یہ کام تمہارے ذمہ نہیں ہے، مگر وہ کہتا ہے نہیں گو ذمہ نہ ہو مگر مجھے تو آپ کی خدمت سے راحت ہوتی ہے۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ آپ زیادہ کس نوکر کی قدر کریں گے۔

اسی طرح خدا کے بندے بھی دو قسم کے ہیں، وہ جنہوں نے وقت پر اطاعت کر لی، پھر کچھ بھی مطلب نہیں رہا۔ نہ خدا سے محبت ہے نہ ادب ہے۔ کوئی گناہ صغیرہ ہو گیا تو کہتے ہیں یہ تو صغیرہ ہے اور نماز و روزہ کے بعد چلتے پھرتے نظر آئے۔ نہ خدا کی یاد ہے نہ اشتیاق ہے۔ یہ ویسی اطاعت ہے جیسے یورپین مذاق کے نوکر آپ کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ آپ اس نوکر سے منقبض (تنگ) کیوں ہوتے ہیں جو کھانا پکا کر چل دیتا اور تھوڑی دیر پنکھا بھی نہیں جھلتا، اسی لئے تو کہ اتنے احسانات کے بعد بھی تجھ سے قلبی تعلق نہیں ہوا کہ ٹکا سا جواب دے دیا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے نوکر سے دو حقوق کے طالب ہیں۔ ایک خدمت دوسرا تعلق قلبی، تو کیا خدا کا حق اتنا بھی آپ پر نہیں جتنا آپ اپنا حق نوکر پر سمجھتے ہیں۔

مجھے اس پر ایک نوکر کی حکایت یاد آئی کہ ایک ضابطہ کا نوکر تھا کہ آقا نے جو کہہ دیا کر دیا اور جو نہ کہا نہ کیا، بلکہ اس میں بھی تاویل کر کے تخفیف نکال لیتا تھا۔ اس سے آقا نے ایک بار پوچھا کہ کیا بارش ہو رہی ہے کہنے لگا ہو رہی ہے لیٹے ہی لیٹے جواب دے دیا، اٹھا تک نہیں۔ پوچھا کیسے معلوم ہوا۔ کہا ایک بلی میری چارپائی کے نیچے آئی تھی۔ میں نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ بھیگی ہوئی تھی۔ پھر کہا میاں چراغ تو گل کر دے۔ کہا چادر سے منہ ڈھانک لیجئے، بس اندھیرا ہو جاویگا۔ کہا، اچھا ذرا دروازہ ہی بند کر دے۔ تھا ہوشیار اس میں کوئی تاویل نہیں کی سمجھا کہ اس میں تاویل کرنے سے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو کیا کہتا ہے کہ جناب دو کام میں نے کئے ایک آپ کر لیجئے آخر میرا بھی تو حق ہے۔

ایک اور ضابطہ ہی کا نوکر تھا جو کام تو سب کرتا تھا مگر وہی جو بتلا دیا۔ اور وہ بھی بالکل بے فکری سے۔ اس لئے اکثر کام رہ بھی جاتے تھے۔ ایک بار مالک زیادہ ناخوش ہوا کہ تو نے یہ نہیں کیا وہ نہیں کیا، تو اس نے کہا صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون کون سے کام میرے ذمہ ہیں۔ آپ مجھے سب کاموں کی ایک فہرست لکھ کر دے دیجئے۔ چنانچہ آقا نے فہرست لکھ کر حوالے کر دی۔ اتفاق سے کہیں سفر کا موقع ہوا۔ آقا گھوڑے پر سوار آگے آگے تھا اور نوکر صاحب پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ آقا کے کندھے پر سے دوشالہ کھسک کر زمین پر جا گرا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو دیکھا تو ندارد۔ نوکر سے پوچھا ارے تو نے نہیں دیکھا؟۔ اس نے کہا وہ تو بہت دور پیچھے گر گیا۔ کہا اٹھایا کیوں نہیں کہا دیکھئے فہرست میں کہاں لکھا ہے کہ دوشالہ گرے تو اٹھالینا۔ آقا نے کہا اچھا لا اب لکھ دوں۔ اب یہ سوچا کہ جس چیز کا نام لکھدوں گا وہی اٹھائے گا اور اس کے علاوہ اگر کچھ اور گرے گا تو نہیں اٹھائے گا، اس لئے فہرست میں یہ لکھ دیا کہ اگر کوئی چیز گر جاوے اسے اٹھالیا کرو۔ اب جو منزل پر پہنچے تو نوکر صاحب نے ایک پوٹ کا پوٹ لا کے سامنے رکھ دیا۔ پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگا دیکھ لیجئے۔ کھولا تو لید۔ ارے یہ کیا حرکت ہے؟ کہنے لگا آپ ہی نے تو حکم دیا تھا کہ جو چیز گر جائے اٹھالینا۔ سو میں نے اس کو بھی اٹھالیا۔ تو ضابطہ کے نوکر ایسے ہوتے ہیں۔

یہی معاملہ ہمارا ہے خدا کے ساتھ۔ تو کیا خدا کے ساتھ ہمارا بس ایسا ہی تعلق ہے۔ جیسے ایک ڈپٹی کلکٹر جو بخل میں مشہور تھے کہتے تھے کہ جب خدا نے حقوق مالیہ کی فہرست بتادی ہے تو یہ غلو ہے کہ اس سے زیادہ کا اہتمام کریں، اس لئے وہ زکوۃ سے ایک پیسہ زیادہ نہ دیتے تھے حالانکہ ایسے ذہین لوگوں کا انتظام حضور ﷺ نے اس حدیث میں فرما دیا ہے کہ:

"ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ ثم تلا لیس البر ان تولو وجوھکم"۔ الآیۃ

حضور ﷺ نے اس آیت سے استدلال کیا۔ کیونکہ اس میں اتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب۔ اول فرمایا ہے اس کے بعد "اقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ"۔ یعنی انفاق کا ایک مرتبہ تو یہ فرمایا کہ مال دیا قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو۔ پھر دوسرا عمل یہ فرمایا کہ زکوٰۃ دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال دینے سے اور مراد ہے اور زکوٰۃ دینے سے اور۔ اس کو سمجھ کر حضور ﷺ نے فرمایا" ان فی المال لحقاسوی الزکوٰۃ"۔ اس لئے ہمیں یہ حقوق سمجھ کر فرائض کے علاوہ اور بھی کچھ کرنا چاہئے۔ چہ جائیکہ جن کاموں کو ضابطہ میں اور فہرست میں لکھ دیا ہوان کو تو سب سے پہلے کرنا چاہئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ سے محبت کرنا اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا یہ تو ضابطہ ہی میں ہے، بلکہ حضور ﷺ تو یہاں تک فرماتے ہیں۔

لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من مالہ وولدہ والناس اجمعین۔

اور فرماتے ہیں: من کان اللّٰہ ورسولہ احب الیہ سواھما۔

یعنی جب تک میں ہر ایک کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، مال سے بھی اور اولاد سے بھی اور تمام لوگوں سے بھی اس وقت تک تم میں کوئی مؤمن نہ ہوگا۔ اور ایسا ہی درجہ محبت کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہو، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی۔ تو نری محبت بھی کافی نہ ہوئی بلکہ سب محبتوں سے بڑھ کر محبت فرض ہوئی۔ اب بتلایئے محبت فرض ہوگئی یا نہیں۔ یہ دوسرا حق ہے منجملہ تین حقوق کے۔

تیسرا حق ادب اور تعظیم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنی اور حضور ﷺ کی تعظیم کو بھی فرض فرمایا ہے۔ لتومنوا باللّٰہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ۔

مرجع ان ضمائر کا واحد ہے۔ الغرض خدا اور رسول دونوں کا یہ بھی ایک حق فرض ہوا یعنی ادب وتعظیم اور اس مضمون سے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں، بلکہ اگر غور کیجئے تو

خوداسی آیت میں بھی ان حقوق کا ذکر ہے کیونکہ اطاعت تواس کا مرادف ہی ہے۔

اب اس کی حقیقت دیکھو کیا ہے۔ سو اطاعت ماخوذ ہے طوع سے اور طوع کے معنی ہیں خوشی۔ سو اطاعت کے معنی ہوئے خوشی سے کہنا ماننا اور یہ بالکل یقینی ہے کہ خوشی سے کہنا ماننا بدون محبت وعظمت کے عادتاً ممکن نہیں۔ پس اطاعت کی فرضیت کے ضمن میں محبت اور عظمت بھی فرض ہوگئی۔

اب یہاں معنی اطاعت کے متعلق ایک سوال ہے۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وضو کو پورا کرنا باوجود ناگواری کے اعمال فاضلہ میں سے ہے۔ تو جب ناگواری کے ساتھ کیا گیا تو اطاعت نہ ہوئی پھر فضیلت کیسی؟ اسی طرح حدیث ہے "حفت الجنہ بالمکارہ" (یعنی جنت گھیر دی گئی ہے ناگوار چیزوں میں) اعمال شاقہ کو مکارہ فرمایا، تو ان میں رغبت نہ ہوئی اور جب رغبت نہ ہوئی تو اطاعت نہ ہوئی اور اطاعت نہ ہوئی، تو جنت کی بشارت کیسے ممکن ہے۔ تو اہل قشر (اہل ظاہر) اس میں اشکال کو حل نہ کرسکیں گے۔ (ازحقیقت عبادت ص ۲۲۸)

حقوق الرسول ﷺ

اس باب میں اس وقت تین جماعتیں ہیں، کثرت سے وہ لوگ ہیں کہ ان کو حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا دعوی ہے اور وہ حضور ﷺ کے زبانی فضائل بیان کرنے کو کافی سمجھتے ہیں، نہ اطاعت سے بحث ہے نہ ان کے دل میں حقیقی سمجھ ہے نہ تعظیم ہے۔ تین حقوق تھے حضور ﷺ کے ایک حق اطاعت۔ ایک حق محبت۔ ایک حق عظمت، سو زیادہ حصہ تو ان لوگوں کا ہے صرف زبانی محبت پر اکتفا کرنے کو کافی سمجھتے ہیں، ان کو حضور ﷺ کی اطاعت کی خبر نہ حقیقی محبت کی خبر نہ عظمت کی۔ بس اس کو کافی سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ذکر مبارک کرلیا جاوے۔ باقی جتنا اہتمام ذکر کا ہوتا ہے اطاعت کا نہیں ہوتا۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اطاعت کرتے تو علماء سے رجوع کرتے ان سے مسائل دین کے پوچھتے، حضور ﷺ کے ذکر کا طریقہ دریافت کرتے، ان سے احکام کی

تحقیق کرتے ،مگر دیکھا جاتا ہے کہ اس کا ذکر بھی نہیں۔ سو زیادہ لوگ تو اسی قسم کے ہیں، اس واسطے ضرورت اس کی ہوئی کہ اس غلطی کو رفع کر دیا جاوے۔

محبت بے شک بڑا حق ہے حضور ﷺ کا اور اس کا مقتضا یہ بھی ہے کہ اطاعت کی جائے۔ اسی کا مقتضا یہ ہے کہ تعظیم کی جائے۔ چنانچہ دنیا میں جس سے محبت وخلوص ہوتا ہے اس کا کہنا مانا جاتا ہے، اس کی عظمت قلب میں ہوتی ہے۔ خود اس کی محبت کا تقاضا ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف نہ کیا جائے خواہ اس کو خبر ہو یا نہ ہو۔

مجھے خوب یاد ہے کہ مجھ کو ایک ادنیٰ اچکن میں رفو کرانے کی ضرورت تھی۔ ایک دوست سے میں نے کہا کہ کسی کاریگر سے رفو کرادو اور اجرت دو، چنانچہ انہوں نے رفو کرانے کے لئے وہ اچکن کاریگر کو دے دیا، رفو ہو کر آ گیا تو میں نے اجرت پوچھی تو کہا کہ اجرت اس نے بتلائی نہیں۔ پھر میں نے تقاضا کیا تو کہا کہ وہ بتلاتا نہیں۔ میں نے اصرار کیا کہ پوچھ کر آیئے مگر ٹالتے رہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے پاس سے اجرت دے دی تھی اور ظاہر تک نہیں کیا۔ محبت سے تو غرض یہ ہے کہ دل ٹھنڈا ہو محبوب کا۔ اسے راحت ہو، اس لئے خبر ہونے کی ضرورت بھی نہیں اور جہاں خبر بھی ہوتی ہو تو وہاں تو زیادہ اثر ہوگا، زیادہ اہتمام ہوگا، اور جب یہ معلوم ہو کہ اس طرح اس کو خبر ہوتی ہے کہ خلاف کرنے سے بھی ہوتی ہے، تب ظاہر ہے جیسا کچھ اہتمام ہوگا اور یہ محبت کیسی ہے کہ اپنے محبوب کو تکلیف پہنچائی جائے۔

اب سمجھئے کہ سب جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے سامنے اعمال امت کے پیش ہوتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ کیا اور فلاں نے یہ کیا، کوئی شراب پیتا ہو، رشوت لیتا ہو، فسق وفجور میں مبتلا ہو سب کی حضور ﷺ کو اطلاع کی جاتی ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کو کتنی محبت تھی امت سے۔ یہ حالت تھی کہ رات رات بھر کھڑے کھڑے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے صرف امت کے لئے دعا کرنے میں۔ ایک بار ساری رات گذر گئی اسی آیت کی تلاوت میں۔

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم۔

یعنی آپ زبردست قادر ہیں کیا مشکل ہے آپ کو بخشنا۔ ساری رات اسی میں گذر گئی۔ ہمارا وجود بھی کہیں نہ تھا اور آپ کی یہ حالت تھی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما نبودیم وتقاضا ما نبود
لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

نہ ہم تھے نہ ہماری طرف سے تقاضا تھا، مگر بے کہے ہوئے درخواست پیش بھی ہو گئی اور حضور ﷺ نے اہتمام بھی شروع کر دیا حضور ﷺ کو ہم سے کیا نفع۔ ہم کیا پیش کر رہے ہیں حضور ﷺ کو۔ اور ہم کو حضور ﷺ سے ہزاروں قسم کا نفع پہنچتا ہے۔

(از میلاد النبی ص ۵۵۳)

آنحضرت ﷺ کے حقوق میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ متعلق بحضرت رسالت ﷺ)

آپ کے جو احسانات وعنایات امت کے حال پر متوجہ ومبذول ہیں، ان کی کمیت وکیفیت پر نظر کر کے یہ حکم یقینی ہے، آپ ﷺ کے حقوق امت کی گردن پر اس قدر کثیر ہیں کہ قیامت تک ان سے سبکدوشی قریب بہ محال ہے، لیکن باوجود کثرت کے وہ سب حقوق تین کلی کے احاطہ میں آئے ہوئے ہیں۔

(۱) محبت،

(۲) متابعت،

(۳) عظمت،

اور ہر چند کہ ان تینوں میں اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے باہم ایسا تعلق اور تلازم ہے کہ ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ممکن ہی نہیں، لیکن بلا خیال معنی اگر صرف صورت کے درجہ کا لحاظ کیا جائے تو یہ تینوں کہیں کہیں علیحدہ علیحدہ بھی خیال میں آسکتے ہیں۔

اس وقت چونکہ اکثر طبیعتیں محض صورت پر قناعت کئے ہوئے ہیں، اس لئے

ان امور کا جدا جدا موجود ہونا بکثرت واقع ہو رہا ہے اور اس معاملہ میں یہی بڑا جدید انقلاب ہے جس سے سلف صالح مبرا تھے، چنانچہ ان حضرات کے تاریخی واقعات کو جو کہ مشہور اور کتب احادیث سیر میں مذکور ہیں۔

اس وقت کے اکثر مسلمانوں کے معاملات کے ساتھ (جن میں کچھ بطور نمونہ کے ذیل میں بعنوان کوتاہی مرقوم ہوتا ہے) موازنہ کرنے سے اس حکم کی صحت بداہۃً معلوم ہو سکتی ہے اور اس مضمون سے اسی انقلاب پر تنبیہ اور اس کی اصلاح کی طرف ترغیب و توجہ مقصود ہے۔

جناب رسول مقبول ﷺ کے ساتھ متجددین کا معاملہ

حاصل اس کا اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ جو طبائع زمانہ کے "جدید رنگ" میں رنگے گئے ہیں ان میں تو یہ کوتاہی مشاہد ہے کہ وہ جناب رسول مقبول ﷺ کے ساتھ صرف اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسری اقوام یا مذاہب سے مقابلہ کی گفتگو کے موقع پر آپ کی سوانح عمری میں سے یا آپ کے بعض اقوال و افعال کی حکمتوں میں سے (خواہ ان کی حقیقت تک ان کے ذہن کو رسائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو) صرف وہ حصہ جس کو تمدن سے تعلق ہے محض اس غرض سے بیان کر دیتے ہیں کہ آپ کی عظمت اور آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہو جاوے، اور اسی کو اسلام کی خدمت اور آپ کے "ادائے حقوق" کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ باقی نہ اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں، نہ محبت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے۔

بلکہ اتباع کو تعصب اور محبت کو وحشت سمجھتے ہیں اور سبب خفی اس کا یہ ہے کہ اس زمانہ میں سب سے بڑا مقصد جاہ و عزت کو دیا گیا ہے، جس کے مطلوب ہونے کا ہم کو بھی انکار نہیں، مگر کلام اس میں ہے کہ آیا وہ مطلوب بالعرض ہے یا خود مطلوب بالذات ہے؟

بہر حال چونکہ اس کو کمال بالذات سمجھا جاتا ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ کے لاتعد ولا تحصی کمالات حقیقیہ عظیمۃ الشان میں سے ان کی نظر اسی کا انتخاب

کرتی ہے اور دوسرے کمالات کا، مثل محبت الٰہی وخشیت وزہد وصبر وتربیت روحانی، ومجاہدہ، وشغل بحق ودیگر فضائل علمیہ وعملیہ کا کبھی ان کی زبان پر نام بھی نہیں آتا۔

جس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ خاص اسی غرض کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے کہ ایک جماعت کو قوم بنا کر، اس کو دنیاوی ترقی کے وسائل کی تعلیم فرماویں، تاکہ وہ دوسری قوموں پر سابق وفائق رہ کر دنیا میں شوکت کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں۔

کیا قرآن مجید وحدیث میں گہری نظر کرنے والا آپ کی تعلیم کا یہ خلاصہ نکال سکتا ہے؟

اہل اللہ کی صحبت وملازمت کا التزام ضروری ہے

ان صاحبوں کو اپنی اصلاح کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ علماء محققین وعُرفاء متحققین، اہل دل کی صحبت وملازمت کا التزام کریں اور ان کی خدمت میں کچھ عرصہ تک بالکل سکوت اختیار کرکے رہیں، خود ان کے اقوال متفرقہ وارشادات مختلفہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ایک بڑی فہرست خیالات کی درست ہوجاوے گی، اس کے بعد جو شبہات رہ جاویں ان کو ادب کے ساتھ ان کے حضور میں پیش کریں اور توجہ وانصاف کے ساتھ جواب سنیں۔

ان کو اس زمانۂ سکوت میں جو اصول وقواعد سننے اور ذہن نشین کرنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ اصول ان جوابوں کے سمجھنے میں نہایت معین ہوں گے اور اطمینان وشفائے کلی میسر ہوگی۔

اس طریق اصلاح کو جو حکمی مجرب ہے، سرسری خیال نہ فرماویں اور نیز حدیث میں ''کتاب الرقائق وابواب الزہد'' کا بار بار مطالعہ فرماویں یہ کلام تو ان لوگوں کے مذاق پر تھا جو نئی روشنی کے تابع ہو رہے ہیں۔

اہل محبت کی کوتاہیاں

اب دوسرے باقی حضرات کی کیفیت معروض ہے کہ ان میں سے بعض میں

محبت کے ظاہری آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ کی شان میں اشعار مدحیہ پڑھنا یا شوق سے سننا ان سے متاثر ہونا، کیفیت طاری ہو جانا، کبھی نعرہ لگانا، کثرت سے آپ ﷺ کے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا، ومثل ذلك۔

لیکن ان میں یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے کہ اس کو کافی سمجھ کر حضور سرور عالم ﷺ کے ارشاد فرمودہ احکام کی بجا آوری اور متابعت کے اہتمام کو ضروری نہیں جانتے، اول تو خود ان اعمال مذکورہ میں بھی، جن کو وہ محبت کے عنوان سے اختیار کرتے ہیں بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے، پھر دیگر اعمال و معاملات میں تو نہ عنوان محبت رہتا ہے، نہ اعمال محبت۔

☆ کسی کو نماز کا یا جماعت کا اہتمام نہیں۔
☆ کسی کو رشوت وظلم سے باک نہیں۔
☆ کوئی مسکرات اور حرام لذات میں مبتلا ہے۔
☆ کوئی شرکیات و بدعیات کو دین سمجھ کر کر رہا ہے، سبب اس کا بے علمی یا کم علمی ہے یا غلط علمی !!

اس کی اصلاح یہ ہے کہ کتب حدیث میں سے ☆ ابواب الایمان ☆ وابواب العلم ☆ وباب الاعتصام بالكتاب والسنة ☆ ابو اب الفتن ☆ابواب صفة جهنم واحوال القيامة کو مدت تک مطالعہ میں رکھیں اور ان ابواب کے مطالعہ سے علماء متبعین سنت سے محبت اور ان کی شناخت ہو جاوے گی، اس وقت ایسے حضرات کی صحبت اختیار کرنا، اس اصلاح اور علاج کی تکمیل اور پختگی ہوگی۔

اپنے کو مقدس اور دوسروں کو جہنمی سمجھنے والوں کی کوتاہیاں

اب صرف ایک جماعت اور رہ گئی کہ جن کو ''احکام'' کی متابعت کا ضروری ہونا پیش نظر ہے اور کم وبیش اس کا اہتمام بھی ہے، مگر کوتاہی اتنی ہے کہ ان میں کیفیت خشوع (خدا کا خوف) اور لین (نرمی) کی نہیں آئی، جو غلبۂ محبت کو لازم ہے، جس سے

پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان میں اتباع کی حلاوت جو کہ محبت خاصہ کا اثر ہے پیدا نہیں ہوئی۔

پس ان کا طرز عمل بالکل ایسا ہے جیسے کسی نوکر کو اپنے آقا سے صرف ''ضابطہ کا تعلق ہو کہ خدمات مفوضہ میں تو فروگذاشت نہیں کرتا۔ مگر وقت پورا کر دینے کے بعد نہ ایک منٹ ٹھہرتا ہے، نہ کبھی کوئی زائد خدمت کرتا ہے، نہ آقا کا کبھی ذکر خیر کرتے ہوئے دیکھا گیا، نہ آقا کے اہل وعیال کا ادب واحترام کرتا ہے، نہ اپنے خواجہ تاش لوگوں سے (یعنی ایک آقا کے نوکروں سے) کوئی واسطہ سلام وکلام کا رکھتا ہے۔ یہ تو خشکی ہی تھی اس سے بڑھ کر یہ کرتا ہے کہ بجز اپنے سب خواجہ تاشوں کو نافرمان اور حقیر سمجھ کر ان سے لڑتا بھڑتا ہے اور اپنی بجا آوری خدمت پر ہمیشہ ناز اور فخر کرتا ہے اور اس وجہ سے سب سے الجھتا ہے اور جن کی فہمائش کرنے کا آقا نے نرمی کے ساتھ حکم دیا ہے، ان سے یہ سختی کرتا ہے اور جن ''کوتاہیوں'' سے آقا درگذر کر دیتا ہے، یہ ان میں بھی مدعی بن کر کسی کو مارتا ہے اور کسی کو گالی دیتا ہے۔

ظاہر ہے اس صورت میں یہ ''نوکر'' آقا کی نظر سے گر جائے گا۔ اور ان بداخلاقیوں کی بدولت، جو کہ آقا کی مرضی کے بھی خلاف ہیں، اس کی خدمت کا اثر اور ثمرہ بھی ضعیف ہو جائے گا۔

بعینہٖ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو کسی قدر نماز، روزہ اور بعض معاملات بھی درست کر کے، اپنے کو مقدس اور متبع اور تمام دنیا کو فاسق، بدعتی، کافر، جہنمی، سمجھ بیٹھتے ہیں اور خفیف خفیف امور میں بھی ان سے الجھتے ہیں اور ہر شخص سے فساد وفتنہ کرتے ہیں۔

بعضے ان عوام سے گذر کر علماء اور بعض ائمہ یا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگمانی کر کے بدزبانی کرنے لگتے ہیں، اسی کو دین کی بڑی حمایت اور خدمت سمجھتے ہیں......!!

جس ذات مقدسہ کے اتباع کا دعویٰ ہے، خود آپ کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ آپ کا نام مبارک ادب سے لیتے ہیں، نہ کبھی آپ کا ذکر مبارک شوق سے کرتے ہیں،

نہ کبھی ذکر مبارک سن کر گداختہ ہوتے ہیں، نہ درود کا کوئی معمول انہوں نے ٹھہرایا ہے، نہ آپ کے محبوبوں (یعنی علماء وصحابہ واہل بیت) سے ان کو کوئی تعلق، محبت واحترام کا معلوم ہوتا ہے۔

ان امور میں بعض تو موجب خسران وعصیان ہیں اور بعض سبب حرمان ہیں کیونکہ اخلاق ظاہرہ وباطنہ کی اصلاح فرائض میں سے ہے، جس میں خلل اندازی عصیان ہے، اسی طرح آپ کے وارثان علوم سے عظمت واحترام کا تعلق اور آپ کی امت سے شفقت ورحمت کا تعلق رکھنا بھی واجب ہے، جس کا ترک یقینی خسران ہے۔

باقی جو آداب خاصہ وحقوق، محض عبادات نافلہ کے درجہ میں ہے، ان کی کمی بھی ''خاص برکات'' سے محرومی تو ضروری ہے۔

اس کوتاہی کی اصلاح کاملین اہل اللہ کی صحبت اور کتب سیر نبویہ وحقوق مصطفویہ ﷺ مثل ''شفاء'' قاضی عیاض رحمہ اللہ وغیرہ اور کتب اخلاق وسلوک کا مطالعہ اوران پر عمل کرنے کا اہتمام ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ چند تعلقات

ہر امتی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمارے چند تعلقات ہیں۔

☆ ایک تعلق یہ کہ آپ ﷺ نبی اور ہم......امتی!
☆ آپ ﷺ حاکم اور ہم محکوم۔
☆ آپ ﷺ دارین میں محسن، ہم زیر بار احسان۔
☆ آپ ﷺ محبوب، ہم......محبّ۔

اوران میں سے ہر تعلق جب کسی کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر خاص خاص حقوق وآداب کا مرتب ہونا معلوم اور مسلم اور معمول ہے۔ پس جب آپ کی...... ذات بابرکات میں سب تعلقات مجتمع ہوں اور پھر سب اعلیٰ اور اکمل درجے کے تو آپ کے

حقوق بھی ظاہر ہیں کہ کس قدر اور کس درجے کے ہوں گے، ان سب کے اداء کرنے کا دل سے اور التزام سے ایسا اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ کثرت عادت اور استحضارِ الفت سے شدہ شدہ طبعی ہوجاویں اور پھر بھی آپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنی اس خدمت کو (درحقیقت اس کا نفع اپنی ہی طرف عائد ہے) ناتمام سمجھے۔

یہ مختصر مضمون ختم ہوا اور اس کے ختم ہونے کے وقت یاد آیا کہ احقر نے ایک رسالہ ''نشر الطیب'' متوسط حجم کا سیر نبویہ میں لکھا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس مختصر کی شرح کے لئے کافی اور بقصد اعتقاد و عمل اس کا مطالعہ میں رکھنا، ان سب اصلاحات کے لئے انشاء اللہ کامل ہوسکتا ہے، دعائے اشاعت فرمایئے والسلام۔

(از اصلاح انقلاب امت ص ۲۸)

حقوق والدین

حضرت لقمان علیہ السلام نے ایہام خود غرضی سے بچنے کے لئے حقوق والدین کا ذکر نہیں کیا تھا، اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کو ذکر فرمایا ہے کہ:

وَوَصَّیْنَا الاِنسَانَ بِوَالِدَیہِ ۔ حَمَلَتہُ ۔ الآیہ

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی۔ اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا۔

اور حقوق والدین کے بعد فرماتے ہیں کہ والدین کی اطاعت علی الاطلاق نہیں، بلکہ اسی وقت تک ہے جب تک خدا کے خلاف نہ کہیں اور اگر وہ خدا کے خلاف کوئی بات کہیں تو نہ مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ یہ تو ربط کے لئے بیان کیا گیا۔ اب آگے وہ جملہ ہے جس کا بیان اس وقت مقصود ہے وہ یہ ہے کہ۔

وَاتَّبِع سَبِیلَ مَن اَنَابَ اِلَیَّ

یعنی ان کے رستہ کا اتباع کرو جو میری طرف متوجہ ہوئے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ میری طرف سے ہٹاتے ہیں ان کی اطاعت نہ کرو گو ماں باپ ہی ہوں، بلکہ ان کی

اطاعت کرو جو کہ میری طرف متوجہ ہوئے اور اس کے بعد بھی وعید فرمائی ہے کہ چونکہ میرے پاس تم سب کو آنا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کا اتباع کرو جو کہ میری طرف متوجہ ہوئے ورنہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو پھر ہم تم کو بتائیں گے کہ تم نے کیا کام کئے۔ یہ مقام کا حاصل ہوا۔ (از نظام شریعت ص ۲۰۶، ۲۰۷)

باپ کے حقوق

ایک مولوی اور فقیہ اگر حقوق بیان کرنے پہ آئے تو والدین کے حقوق بیان کرے گا اور کوتاہی پر وعید کا ذکر کردے گا۔ باقی کوتاہی میں یہ تدقیق کہ اس کے کسی مرتبہ کو قابل عفو قرار دے کر اس کی شرط عفو کو بھی بیان میں لاوے۔ سو یہاں تک بیان تو کیا ذہن بھی نہ پہنچے گا۔ الغرض جہاں تک حقوق کا ذکر ہے یہاں تک ایک بڑے سے بڑے فقیہ کا کام ختم ہوگیا۔ آگے اس کے ذہن کی رسائی سے باہر ہے، مگر قرآن میں یہ بھی ہے وہ یہ اشارہ ہے۔

ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانه کان للاوابین غفورًا۔

یعنی تمہارے خدا کو خوب معلوم ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہے، اگر تمہارے اندر صلاحیت ہے تو وہ رجوع ہونے والوں کے لئے غفور بھی ہیں۔ اب واقعات میں غور کیجئے تو اس کا پتہ چلے گا کہ یہ کتنی دور کی بات فرمائی ہے، یہ کبھی تھکا ماندہ جھنجھلایا ہوا ہوتا ہے اور ادھر والد بزرگوار کی بڑھاپے کی وجہ سے عقل ماری جاتی ہے اور اس سے ایک فضول اور لایعنی بکواس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ کیوں بیٹا یہ یوں ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ پھر پوچھا یوں ہے۔ کہا جی ہاں۔ غرض دو مرتبہ سیدھی طرح بتا دیا۔ تیسری مرتبہ کچھ جوانی کی حدت اور کچھ تھکن کی جھنجھلاہٹ کہ یہ تو دم ہی نہیں لینے دیتے، ذرا ترش لہجہ میں کہہ دیا کہ ابھی تو عرض کر چکا ہوں۔ آپ بار بار پوچھے جاتے ہیں، حالانکہ ان کی حالت خود کسی وقت میں اس سے زیادہ بے عقلی کی باتیں کراتی تھی اور وہی باپ نہایت

خندہ پیشانی سے جواب دیتا تھا۔

چنانچہ ایک بنئے کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ اس کے گھر میں کوا آ کر بیٹھا۔ اس کے چھوٹے بچے نے پوچھا ابا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا بیٹا کوا ہے پھر پوچھا کیا ہے؟ کہا کوا ہے۔ یہاں تک کہ سو مرتبہ پوچھا اور وہ برابر کہتا رہا کوا ہے۔ تھا ہوشیار، اس کو ایک بہی پر لکھتا گیا۔ اتفاق سے جب صاحبزادہ جوان ہوا اور ابا جان کے بڑھاپے کا زمانہ آیا اور کوا آ کر بیٹھا۔ صاحب زادے سے پوچھا کہ بیٹا کیا ہے؟ پہلے ہی سوال پر اپنے دل میں کہنے لگے کہ اب یہ ایسے نابالغ ہوگئے کہ انہیں اس کی بھی خبر نہیں، مگر خیر زبان سے کہہ دیا کوا ہے۔ پھر پوچھا تو کہا، ابھی تو عرض کر چکا ہوں کہ کوا ہے۔ تیسری مرتبہ پھر پوچھا تو کہا کیا دماغ میں خبط ہوگیا ہے۔ بنئے نے کہا خفا نہ ہو اور بہی لے آیا اور دکھایا کہ تم نے تو سو مرتبہ پوچھا تھا مگر اپنے بوڑھے باپ کو پانچ مرتبہ بھی نہ بتا سکے۔

الغرض بڑھاپے میں غریب باپ کی بری گت بنتی ہے۔ اور اگر کہیں اتفاق سے اماں مر جاویں تو پھر تو باپ کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا حقہ پانی سنبھال کر دہلیز کا پہرہ دو یعنی باہر ڈیوڑھی میں رہا کرو کیوں کہ گھر میں جوان میاں بیوی رہتے ہیں۔ غرض بڑھاپے میں جوان بیٹے عجیب گت بناتے ہیں۔

ایک گاؤں کا قصہ یاد آ گیا کہ ایک بڈھے کے ساتھ اس کے بیٹے برا سلوک کرتے تھے اور پورے طور پر اس کی خبر گیری بھی نہ کرتے تھے۔ اتفاق سے وہاں ایک مولوی صاحب کا گزر ہوا اور انہوں نے نماز کے لئے وعظ کہا۔ اس نے یہ خیال کیا کہ دنیا تو ہے ہی خراب، اب آخرت کیوں بر... ہو؟ لاؤ نماز ہی شروع کر دیں۔ اتفاق سے اس نے جس روز نماز شروع کی اسی روز بیٹے کی بھینس مر گئی۔ جاہل گنوار یہ سمجھے کہ نماز کے سبب یہ مر گئی۔ اب وہ باپ کے پاس آئے کہ باوا نماز نہ پڑھا کرو۔ اس نے کہا کہ میں اور کیا کیا کروں۔ جب کھانے پینے کو نہ ملے تو میں اور کیا کروں؟ بیٹوں نے کہا اب تمہاری خبر گیری کریں گے۔ چنانچہ اس نے نماز چھوڑ دی اور خوب گھی دودھ ملنے لگا۔ اب تو یہ کیا، ذرا تکلیف پہنچی اور اس نے دھمکی دینی شروع کی کہ لاؤ تو میرے وضو کا

کلہڑا میں نماز پڑھوں گا۔ وہ پھر مارے ڈر کے ان کی خاطر کرنے لگتے۔

تو بعضے تو باپ کو اس نوبت تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ تو صریح گناہ ہے اور بعضے نیک دل ہوتے ہیں۔ دل میں شرارت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی آدمی ہی تو ہے۔ بعض حالتوں میں وہ اللہ کے سامنے بے ادبی کے کلمات کہہ بیٹھتا ہے تو باپ کی کیا حقیقت؟ غرض منہ سے کوئی بات گستاخی کی نکل گئی اور فوراً ہی خیال آیا کہ ارے مجھ سے یہ کیا کوتاہی ہوئی۔ میں تو مرہی گیا جتنی خدمت کی تھی سب اکارت ہوگئی ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود
گرز باغ دل خلالے کم بود

(از حقوق وفرائض ص ۴۸۷)

حقوق والد و پیر

اسی طرح مردوں میں مشہور ہے کہ باپ کا رتبہ اتنا نہیں جتنا پیر کا رتبہ ہے، اس پر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں محض قیاس ہے جس کے مقدمات یہ ہیں لغوی باپ سے تو جسمانی فیض ہوا ہے اور پیر سے روحانی فیض ہوا ہے اس کا رتبہ اس باپ سے زیادہ ہونا چاہئے جس سے جسمانی فیض ہوا ہو، ان میں سے یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ پیر روحانی باپ ہے، مگر یہ مقدمہ مسلم نہیں کہ روحانی باپ کا رتبہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے، اس واسطے کہ شریعت میں باپ کے حقوق جو کچھ آئے ہیں۔ ان کو سب جانتے ہیں اور یہ حقوق اسی کے ہیں جس کو عرفاً باپ کہا جاتا ہے۔ پس بدون حکم شرعی محض تخمینی مقدمات سے فضیلت کا حکم کرنا کیسے صحیح ہے؟ اصل بات صرف اتنی ہے جو باپ حقیقۃً باپ ہے وہ باعتبار دنیا کے باپ ہے۔ اور پیر باعتبار دین کے باپ کہا جاتا ہے، پس حقیقی باپ کی طرف دنیا کے حقوق راجع ہوتے ہیں اور پیر کی طرف دین کے حقوق راجع ہوتے ہیں۔ ان میں خلط ملط کر دینے سے غلطی پیدا ہوتی ہے۔

اب فیصلہ یہ ہے کہ دنیاوی باتوں میں باپ کا حکم مقدم ہے اور دین کی باتوں

میں پیر کا۔ اگر پیر دین کی کسی بات کا حکم کرے اور باپ اس سے منع کرے تو ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی مثلاً پیر کہتا ہے کہ اس وقت نماز فرض پڑھو اور باپ کہتا ہے کہ یہ وقت دنیا کے فلاں کام کا ہے، اس میں حرج ہوگا، اس وقت نماز مت پڑھو تو پیر کا حکم مقدم ہوگا اور درحقیقت اس کو پیر کا حکم کیوں کہا جاوے؟ یہ تو خدا کا حکم ہے پیر تو صرف بتانے والا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ خدا کا حکم سب کے حکموں سے مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تقدیم ان ہی احکام میں ہوگی جو خدا تعالیٰ کا حکم ہے یعنی مامور بہ ہے اور نوافل وغیرہ میں نہیں ہوگی، اس میں باپ کی اطاعت پیر سے مقدم ہے کیونکہ نوافل من جانب اللہ مامور بہ نہیں محض مرغوب فیہ ہیں اور اگر پیر یہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ شادی کرلو اور باپ کہتا کہ وہاں شادی مت کرو تو اس صورت میں باپ کا حکم مقدم ہوگا۔ خوب سمجھ لو گڑبڑ مت کرو ہر چیز کو اس کے درجہ میں رکھو افراط تفریط نہ کرو، پیر کا رتبہ ہر بات میں باپ[1] سے زیادہ نہیں۔ بہت سے مرد بھی اسی غلطی میں مبتلا ہیں کہ پیر کا رتبہ مطلقاً باپ سے زیادہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے عرض کی اور عورتیں تو اس غلطی میں مبتلا ہیں ہی کہ پیر کا رتبہ خاوند اور باپ دونوں سے زیادہ سمجھتی ہیں اور اس میں عورتوں کا تو قصور ہے ہی کہ وہ جاہل ہیں مگر زیادہ قصور آج کل کے پیروں کا ہے کہ ان کی تعلیم ہی یہ ہے کہ پیر کا حق مطلقاً سب سے مقدم ہے۔ (از حقوق الزوجین ص ۲۵۸)

اولاد کے حقوق میں کوتاہی

ایک کوتاہی عورتیں اولاد کے حقوق میں کرتی ہیں۔ بعضی تو اپنے بچوں کو کوستی ہیں، اور کبھی وہ کوسنا لگ بھی جاتا ہے پھر سر پکڑ کر روتی ہیں۔ اور بعضی اولاد کے حقوق میں دینی کوتاہی کرتی ہیں کہ ان کو دین کی تعلیم نہیں دیتیں۔ نہ نماز روزہ کی ترغیب دیتی

---

(۱) راقم کہتا ہے کہ موٹی بات ہے کہ پیر کا رتبہ باپ سے کتنا ہی زیادہ سمجھا جاوے، مگر وہ لوگ بھی جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اس کے قائل نہیں کہ میراث میں بھی باپ سے پیر مقدم ہے کہ اگر کوئی مرجاوے اور باپ و پیر کو چھوڑ جاوے تو ترکہ بجائے باپ کے پیر کو دے دیں یا کچھ بھی اس کا حصہ قرار دیں۔ ۱۲ جامع وعظ۔

ہیں۔ چاہئے کہ اپنی اولاد کو نماز سکھلاؤ۔ اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ اور تاکید کرو اور علم کی رغبت دلاؤ۔ یہ تو قول کی تعلیم ہوئی۔ مگر اس کے ساتھ فعل سے بھی تعلیم کرو کہ تم خود بھی اپنی حالت کو درست کرو۔ والدین کے افعال دیکھ دیکھ کر بچہ وہی کام کرنے لگتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے۔

بلکہ ایک بات تجربہ کی بتلاتا ہوں کہ اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین اپنی حالت درست کرلیں تو بچہ نیک ہی پیدا ہوگا، بچہ کی پیدائش سے پہلے بھی جو افعال واحوال والدین پر گذرتے ہیں، ان کا بھی اثر اس میں آتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا بچہ بڑا شریر تھا کسی نے ان سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ تو ایسے بزرگ اور آپ کا بچہ ایسا شریر، فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک امیر کے گھر کا کھانا کھالیا تھا، اس سے نفس میں ہیجان ہوا، اس وقت میں اس کی ماں کے پاس گیا اور حمل قرار پا گیا۔ تو یہ بچہ اس مشتبہ غذا کا ثمرہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حمل قرار پانے کے وقت والدین کی جو حالت ہوتی ہے، اچھی یا بری اس کا بھی اثر بچہ میں آتا ہے۔

بعض کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ دو میاں بی بی نے آپس میں یہ صلاح کی کہ آؤ ہم دونوں سب گناہوں کی توبہ کرلیں۔ اور آئندہ کوئی گناہ نہ کریں۔ تاکہ بچہ نیک پیدا ہو۔ چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا، اسی حالت میں حمل قرار پایا اور بچہ پیدا ہوا تو وہ بہت صالح اور سعید پیدا ہوا۔ ایک روز اس بچہ نے کسی دکان پر سے ایک بیر چرایا۔ مرد نے بیوی سے کہا سچ بتلا یہ اثر کہاں سے آیا۔ اس نے بیان کیا کہ پڑوسی کے گھر میں جو بیری کا درخت کھڑا ہے اس کی ایک شاخ ہمارے گھر میں ہے، اس میں ایک بیر لگ رہا تھا، میں نے وہ توڑ لیا تھا۔ مرد نے کہا بس اس کا اثر ہے، آج ظاہر ہوا۔

پس اولاد نیک ہونے کے لئے اول درجہ تو یہ ہے کہ والدین خود نیک بنیں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی کوئی حرکت بیجا نہ کریں۔ اگرچہ وہ بالکل ناسمجھ بچہ ہو، کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ بچہ کے دماغ کی مثال پریس جیسی ہے کہ جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ دماغ میں منقش ہو جاتی ہے۔ پھر جب اس کو

ہوش آتا ہے تو وہی نقوش اس کے سامنے آجاتے ہیں اور وہ ایسے ہی کام کرنے لگتا ہے جیسے اس کے دماغ میں پہلے ہی سے منقش تھے۔ غرض مت سمجھو کہ یہ تو ناسمجھ بچہ ہے یہ کیا سمجھے گا۔ یاد رکھو! جو افعال تم اس کے سامنے کرو گے ان سے اس کے اخلاق پر ضرور اثر پڑے گا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس کو علم دین سکھاؤ۔ اور خلاف شریعت کاموں سے بچاؤ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو، برے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ۔

غرض جس طرح بزرگوں نے لکھا ہے اسی طرح بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرو۔ بعضی عورتیں اس میں بہت کوتاہی کرتی ہیں۔ اور اولاد کے حقوق کو تلف کرتی ہیں اور اولاد کے یہ حقوق صرف عورتوں ہی کے ذمہ نہیں، بلکہ مردوں کے بھی ذمہ ہیں، مگر بچوں کے اخلاق کی درستی زیادہ تر عورتوں ہی کے اہتمام کرنے سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بچے ابتداء میں زیادہ تر ان ہی کے پاس رہتے ہیں۔

یہ ہیں حقوق عورتوں کے مردوں کے ذمہ میں اور مردوں کے عورتوں کے ذمہ میں، مگر ان میں مرد تو عورت کی رعیت نہیں ہے بلکہ حاکم ہے تو اس کے جو عورت کے ذمہ ہیں وہ حاکمانہ حقوق ہیں۔ اور عورتوں کے حقوق جو مردوں کے ذمہ ہیں وہ سب رعیت کے حقوق ہیں کیونکہ عورتیں ان کی محکوم ہیں اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ "کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہ" آج کل نماز روزہ کی تعلیم تو سب کرتے ہیں مگر جو باتیں میں نے بیان کی ہیں ان کو کوئی نہیں بتلاتا، اسی لئے ان حقوق کو بہت لوگ نہیں جانتے، اس واسطے میں نے اس وقت مختصراً یہ مضمون بیان کیا ہے تاکہ یہ باتیں کان میں تو پڑ جائیں۔

اب ایک بات اخیر میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت جتنے حقوق آپ نے سنے ہیں ان کے بجالانے کے لئے آپ کو ایک تو علم کی ضرورت ہوگی کیونکہ بدون جانے کیونکر ادا ہوں گے۔ اور اس وقت کا بیان یاد نہیں رہ سکتا اور نہ یہ کافی ہو سکتا ہے کیونکہ اس وقت میں نے تمام حقوق کو تفصیل کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے محض اجمالاً و مختصراً کچھ باتیں بیان

کر دی ہیں، اس لئے علم حاصل کرنے سے چارہ نہیں۔ دوسری ضرورت ہوگی ہمت کی، کیونکہ جان لینے کے بعد بھی بدون ہمت کے عمل نہیں ہوسکتا تو میں ان دونوں کا آسان طریقہ بتلاتا ہوں جس کی مستورات کے لئے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ مردوں کو تو کسی قدر علم خود بھی ہوتا ہے اوران میں ہمت بھی بہت کچھ ہے، مگر عورتوں کو نہ تو علم ہے نہ ہمت۔

تو علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ تو یہ ہے کہ جو کتابیں مسئلے مسائل کی اہل تحقیق نے لکھی ہیں ان کو پڑھو اور اگر پڑھنے کی عمر نہ ہو تو کسی سے بالالتزام سن لو اور روز مرہ سنا کرو۔ جب تمام کتاب ختم ہو جائے تو پھر اول سے دور شروع کر دو۔ اس سے تو تم انشاء اللہ باخبر ہو جاؤ گی۔ حقوق کا اچھی طرح تم کو علم ہو جائے گا۔

اور ہمت کے لئے ایک آسان تدبیر تو یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر بیٹھا کرو، مگر یہ صورت مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، وہ یہ کریں کہ بزرگوں کے حالات اور حکایات اور ملفوظات دیکھا کریں، اس سے انشاء اللہ ان میں عمل کی ہمت پیدا ہوگی۔ بس یہ طریقہ ہے ان حقوق کے ادا کرنے کا۔ (از حقوق الزوجین ص ۵۵)

لڑکیوں کے حقوق میں تنگی

ایک کوتاہی عورتوں کے متعلق ہے، اور اس کوتاہی کا حاصل عورتوں کے حق میں تنگی کرنا ہے، وہ یہ کہ بعض احوال میں ان غریبوں کے لئے خود شادی ہی کو مہتم بالشان نہیں سمجھتے، کہیں صرف عملاً کہیں اعتقاداً بھی، صرف عملاً ایسا کہ بعضے ناعاقبت اندیش کنواری لڑکیوں کو بالغ ہو جانے پر بھی کئی کئی سال بٹھلائے رکھتے ہیں، اور محض ناموری کے سامان کے انتظار میں ان کی شادی نہیں کرتے، حتیٰ کہ بعض بعض جگہ تیس تیس [1] اور

(۱) بہتر اور مناسب تو یہی ہے کہ بچیوں کا جوان ہونے کے بعد فوراً نکاح کر دیا جائے، اور محض خیالی توہمات کی بناء پر زیادہ تاخیر نہ کی جائے، چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اگر تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے اخلاق اور دینداری کو تم پسند کرتے ہو تو تم اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کر دو، ورنہ زمین میں بڑا فتنہ وفساد ہوگا" اسی طرح جمع الفوائد میں بحوالہ رزین حضرت ابن نجیح سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہیں چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتی ہیں، اور اندھے سر پرستوں کو کچھ نظر نہیں آتا کہ اس کا کیا انجام ہے، حدیثوں میں جو اس پر وعید آئی ہے کہ اگر اس صورت میں عورت سے کوئی لغزش ہو گئی تو وہ گناہ باپ پر بھی یا جو ذی اختیار ہے اس پر بھی لکھا جاتا ہے۔

(از اصلاح انقلاب امت ص ۲۸)

مہر مثل لڑکی کا حق ہے

فرمایا کہ عورتوں کے مہر میں ایک طرف تو یہ افراط پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کو نام آوری سمجھتے ہیں کہ مہر بڑا ہو خواہ اتنا زیادہ ہو کہ اس کے ادا کرنے یا وصول کرنے کا تصور بھی نہ ہو سکے۔ یہ شرعاً مذموم ہے۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا۔ مہر بقدر وسعت رکھنے کو پسند کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے زیادہ دنیا میں کون باعزت ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا مہر پانسو درہم مقرر فرمایا۔ لیکن دوسری طرف بہت سے واقف بلکہ بعض علماء بھی اس پر نظر نہیں کرتے کہ مہر مثل خاندان کا معتبر ہوتا ہے۔ اس خاندان کی ہر لڑکی کا وہی حق ہے۔ سارا خاندان مل کر مہر کی مقدار گھٹا دے تو بہت اچھا اور حدیث کے حکم کی تعمیل ہے، لیکن سارے خاندان کا مہر زیادہ ہو اور کوئی باپ اپنی بیٹی کا مہر اس سے بہت کم کر دے تو یہ بیٹی کی حق تلفی ہے جو اس کے لئے جائز نہیں۔ اور باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا آدمی مہر مثل سے کم پر نکاح کر دے تو متأخرین کے فتویٰ کے مطابق نکاح ہی نہیں ہوگا اور متقدمین کے قول پر خاندان کے اولیاء کو بذریعہ اسلامی عدالت یہ نکاح فسخ کرا دینے کا اختیار ہوگا۔ آج کل بہت سے نکاح خوان مہر فاطمی پر اصرار کرتے ہیں اور بغیر مرضی لڑکی و اولیاء کے مہر فاطمی مقرر کر دیتے ہیں اس میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ (از مجالس حکیم الامت ص ۹۶)

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) آنحضرت ﷺ کا ارشاد یوں منقول ہی "مِسكِينَةٌ مِسكِينَةٌ لَيسَ لَهَا زَوجٌ، قَالُوا وَإِن كَانَ كَثِيرَةَ المَالِ قَالَ وَإِن كَانَ كَثِيرَةَ المَالِ" یعنی محتاج ہی محتاج ہے وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو، لوگوں نے عرض کیا اگر وہ بہت مالدار ہو (تب بھی محتاج ہے) آپ (ﷺ) نے فرمایا: ہاں اگر چہ وہ بہت مالدار ہو۔ (بندہ احقر قریشی غفرلہ)

بیوی کے حقوق کی اہمیت

فرمایا کہ فتوی تو نہیں دیتا لیکن مشورہ ضرور دوں گا کہ گھر کا انتظام بیوی کے ہاتھ رکھنا چاہئے یا خود اپنے ہاتھ میں۔ اوروں کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہئے۔ چاہے وہ بھائی ہو، بہن ہو ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے بیوی کی بڑی دل شکنی ہوتی ہے۔ یا تو خاوند خود اپنے ہاتھ میں خرچ رکھے ورنہ اور رشتہ داروں میں سب سے زیادہ مستحق وہی ہے۔ بیوی کا صرف یہی حق نہیں کہ اس کو صرف کھانا کپڑا دے دیا، بلکہ اس کی دلجوئی بھی ضروری ہے۔

دیکھئے فقہاء نے بیوی کی دلجوئی کو یہاں تک ضروری سمجھا ہے کہ اس کی دلجوئی کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز فرمادیا۔ اس سے کتنی بڑی تاکید اس امر کی ثابت ہوتی ہے۔ یہاں سے بیوی کے حق کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کی دلجوئی کے لئے خدا نے بھی اپنا ایک حق معاف کردیا۔ (حسن العزیز جلد نمبر ۳ ملفوظ نمبر ۴۵۵)

ادائے حقوق عیال

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شروع کرو اس شخص سے جو تمہارے عیال میں ہو۔ (روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے)

اور ارشاد فرمایا کافی ہے آدمی گنہگار ہونے کے لئے یہ کہ ضائع کردے اس شخص کو جس کا قوت اس کے ذمہ ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

ف:- اگر آدمی کے پاس زیادہ مال نہ ہو تو غیروں کی نسبت عیال کا زیادہ حق ہے ایسی سخاوت شرعاً محمود نہیں کہ اپنے تو ترستے رہیں دوسروں کو بھرتا رہے۔ البتہ اگر سب کی خدمت کرسکتا ہے تو سبحان اللہ اس سے بہتر کیا چیز ہے۔

ف:- اور غلام نوکر خدمت گار بھی عیال کے حکم میں ہیں۔ ان کی مدارت ومواسات بھی ضرور ہے۔ کسی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں خادم سے کس قدر معاف کیا کروں فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

مراد یہ ہے کہ ہر بات میں اس پر سختی کرنا اوراس سے تنگ ہونا نہ چاہئے ، جس آدمی سے بہت سی راحت پہنچتی ہے۔ اگر ایک آدھ تکلیف بھی ہو جائے تو صبر کرے۔ اوراس کو معذور سمجھے۔ (از اصلاحی نصاب ص ۳۷۹)

حقوق زوجین

اب میں ان حضرات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو مساواۃ حقوق زوجین کی کوشش کرتے ہیں ان سے التماس ہے کہ آپ حضرات جو اس سعی میں ہیں کہ رجال ونساء میں مساواۃ ہوجاوے تو قطع نظر سب جوابوں کے کہتا ہوں اگر آپ ہی کی بیگم صاحبہ آپ سے مساواۃ کا دعویٰ کرے اور مقابلہ میں آ کر جواب سوال کرے تو سچ کہنا کہ آپ ناخوش نہ ہوں گے؟ ضرور ہوں گے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اہل وعیال میرے تابع ہوکر رہیں اور خصوصاً جنٹل مین حضرات کہ مساواۃ تو کیا رکھتے معمولی حقوق بھی بیبیوں کے ضائع کرتے ہیں۔

بیبیو! تم مردوں کے برابر کیسے ہوسکتی ہو؟ تم ہرطرح اور ہر امر میں پیچھے رکھی گئی ہو۔ دیکھو تمہاری امامت جائز نہیں، میراث، شہادت، امارت، ولایت وغیرہ میں ہرطرح مردوں سے پیچھے ہو۔ تم آگے کیوں بڑھنا چاہتی ہو؟ امام صاحب کا قول ہے کہ اگر صف میں مرد کے برابر عورت کھڑی ہوجاوے تو نماز فاسد ہوجاوے گی۔ جب عبادات میں مساواۃ نہیں ہے جس میں زیادہ ہمت زیادہ عقل کی بھی ضرورت نہیں تو معاملات میں کہ جن میں بہت سے ان امور کی ضرورت ہے جو خاص مردوں میں پائے جاتے ہیں کیسے برابر ہوسکتی ہو؟ اور تم تو برابری کا دعویٰ کرنا چاہتی ہو حالانکہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی غیر کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، اور یہ نہیں فرمایا کہ لونڈی کو حکم دیتا کہ اپنے مولیٰ کو سجدہ کرے۔ معلوم ہوا کہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اور شوہر کا مرتبہ مالک سے بھی زیادہ ہے مگر تمہاری یہ حالت ہے کہ خاوند سے

دبنا نفس کے خلاف ہونے سے عار سمجھتی ہو، تم ان احکام کو دین ہی نہیں سمجھتیں۔ بڑا شوق دین کا ہوگا تو وظائف اور سبحان اللہ اور الحمد للہ کی بہت سی تسبیح پڑھ ڈالیں گی۔ میں کہتا ہوں کہ وظائف کا مرتبہ تو ان سب سے پیچھے ہے، بڑی فضیلت اسی میں ہے جس میں نفس کا خلاف ہو اور ان وظائف کو اجزاء دین میں سے اکثر نے انتخاب کیا ہے، اس کے اندر نفس کا ایک خفی کید (مکرر) ہے وہ یہ ہے کہ عام میں اس کی وجہ سے تعظیم و تکریم بہت ہوتی ہے۔ عام بزرگ سمجھنے لگتے ہیں، اس لئے اس میں نفس خوش ہوتا ہے اور خاوند کی حرمت اور تعظیم اور اطاعت نفس کے خلاف ہے، اس لئے اس سے اعراض ہے۔ غرض کہ ایک وجہ خرابی کی تو زعم مساواۃ ہے۔ (از حقوق الزوجین ص ۱۸۹)

حقوق خاوند و پیر

بیبیو! خوب سمجھ لو کہ دین کے کاموں اور احکام شرعیہ کے سوا باقی سب کاموں میں خاوند کا حق پیر سے زیادہ ہے یعنی خاوند اگر ایک کام کا حکم کرے اور پیر اس کو اس لئے منع کرے کہ وہ شریعت کے خلاف ہے تو اس صورت میں خاوند کا حکم نہ مانا جاوے گا، بلکہ پیر کے حکم کو مانا جاوے گا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ شریعت کے حکم کو مانا جاوے گا اور شریعت اللہ ورسول ﷺ کے حکم کو کہتے ہیں تو یوں کہو کہ اللہ ورسول ﷺ کے سامنے خاوند کا حکم نہ مانا جاوے گا اور اس میں پیر والی عورت اور بے پیری سب برابر ہیں۔ اگر کوئی عورت بے پیری بھی ہو تب بھی اس کو وہی کرنا چاہئے جو اللہ ورسول ﷺ کا حکم ہو۔

خلاصہ یہ کہ اللہ ورسول ﷺ کا حق تو بیشک خاوند کے حق سے زیادہ ہے باقی اور کسی کا حق خاوند سے زیادہ نہیں، مگر چونکہ اللہ ورسول ﷺ کا حکم عوام کو خود نہیں معلوم ہوسکتا بلکہ علماء یا مشائخ کے واسطہ سے معلوم ہوتا ہے تو مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ احکام شرعیہ اور دین کی باتوں میں پیر کا حق خاوند سے زیادہ ہے اور اگر خاوند کا حکم دین کے خلاف نہ ہو تو اب اس کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو بھی ترجیح نہ ہوگی تو خاوند کا حکم سب سے زیادہ ہوا، اس لئے میں نے کہہ دیا تھا کہ ان کے لئے بجائے بیعت کے پیر کی، بیت کا پیر سب سے

افضل ہے اور یہ بیت کا پیر کیسا اچھا پیر ہے کہ دین کی درستی بھی کرتا ہے اور کھانے پہننے کو بھی دیتا ہے، دین کا بھی متکفل ہے دنیا کا بھی۔ بیعت کے پیر میں یہ بات کہاں؟ دنیا کا نفع تو ان سے کچھ ہے ہی نہیں، بلکہ ان کو اور گھر سے نذرانے دینا پڑتے ہیں اور دین کا نفع بھی اتنا نہیں ہوسکتا جتنا خاوند سے ہوسکتا ہے، کیونکہ پیر صاحب سے اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ جب کبھی ان سے کچھ پوچھا جاوے تو بتا دیں گے یا کبھی ان کے پاس جانا ہو تو کچھ اصلاح ہو جاوے سو اس کی نوبت کہیں برسوں میں آتی ہے، خصوصاً عورتوں کے لئے اور خاوند تو ہر وقت پاس موجود ہے، وہ بات بات کی نگرانی کرسکتا ہے۔

پس عورتوں کا یہ خیال غلط ہے کہ پیر کا حق خاوند سے زیادہ ہے، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ پیر سے ماں باپ کا حق بھی زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے تم کو بڑی محنت مشقت سے پالا اور محض محبت سے پالا ہے۔ کسی عوض کی امید پر نہیں پالا، اپنی جان کی پروانہیں کی، اپنے آرام پر بچہ کے آرام کو ترجیح دی۔ یہ بات پیر صاحب میں کہاں ہے وہ تو ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں، پھر نذرانہ کے بغیر مانتے ہی نہیں، ہاں وہ قید دین کی ضرور یاد رکھئے کہ ماں باپ کا حق دین کی باتوں میں پیر سے زیادہ نہیں یعنی اگر ماں باپ کسی دین کی بات کے خلاف حکم کریں۔ اور پیر کا حکم شریعت کے موافق ہو اس صورت میں ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی اور اس کی حقیقت وہی ہے کہ پیر کا یہ حکم دراصل خدا درسول ﷺ کا حکم ہے اور خدا اور رسول ﷺ کے حکم کو خاوند اور ماں باپ سب کے حکم پر ترجیح ہے۔ ہاں دین کی باتوں کے علاوہ دیگر امور میں پیر کے حکم پر ماں باپ کے حکم اور خاوند کے حکم کو ترجیح ہے۔

دیکھو! میری اس تقریر کو خوب سمجھ لینا اس میں غلطی نہ کرنا، بہت لوگ یہ احکام عورتوں کے کانوں تک اس لئے نہیں جانے دیتے کہ اس سے پیروں کی وقعت ان کے ذہن سے کم ہو جاوے گی مگر مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں مسلمانوں کا دین درست ہونا چاہئے۔ ان کے دل میں اللہ و رسول ﷺ کی وقعت وعظمت ہونا چاہئے خواہ کسی اور کی ہو یا نہ ہو۔ اس تقریر کو سن کر پیر صاحبان ضرور خفا ہوں گے۔ اور دل میں کہیں گے کہ لو ہمارا

زور گھٹا دیا ہم تو پیر تھے، اس نے خاوند کو پیر بنا دیا۔ بلکہ ہم سے بھی بڑا پیر بنا دیا اور ماں باپ کو بھی ہم سے بڑھا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ جب خدا نے ہی ان کو بڑھایا ہے تو کسی کا کیا اختیار ہے کہ ان کو گھٹا دے۔ (از حقوق الزوجین ص ۲۶۱)

مساوات حقوق مرد و زن

اس مقام پر میں ایک علمی اشکال کو رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قرآن مجید میں بعض آیتیں اس قسم کی بھی ہیں جن سے سرسری نظر میں مردوں اور عورتوں کی مساوات ثابت ہوتی ہے مثلاً ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ﴾ جس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر محرمات کا بیان تھا اس کے بعد بیان فرمایا کہ ان کے سوا جن عورتوں سے چاہو نکاح کر سکتے ہو، ہاں مہر دینا ہوگا اور جن کو آزاد عورتیں میسر نہ ہوں بوجہ ان کے اخراجات زیادہ ہونے کے تو ان کو چاہئے کہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔ "واللّٰہ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ"۔ اور تمہارے ایمان کا پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (لیکن ظاہری ایمان کے اعتبار سے) تم سب ایک دوسرے سے بنے ہو۔

غرض یہاں بھی وہی لفظ ہے۔ "بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ" یعنی تم سب ایک ہی ہو مگر یہ آیت اپنے سیاق سے مساوات میں بظاہر اس سے زیادہ صاف ہے، پہلی آیت میں تو (جس کا بیان ہو رہا ہے یعنی "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ الخ") "بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ" کے ساتھ اس کا بھی بیان ہے کہ مساوات اس بات میں ہے کہ کسی کا عمل ضائع نہ کیا جاوے گا چاہے مرد ہو یا عورت عدم اضاعتِ عمل میں سب مساوی ہیں، مگر اس آیت میں بظاہر کوئی بھی قید نہیں کہ کس بات میں مساوات ہے۔ بس مطلقاً فرما دیا "بَعْضُكُم مِنْ بَعْضٍ" پھر مساوات بھی ایسی عام کہ لونڈی باندی کو آزاد مسلمانوں کے ساتھ۔

غرض اس آیت سے بھی بظاہر عدمِ تفاوت ثابت ہوتا ہے گو جواز نکاح میں بعض ائمہ کے قول پر من کل الوجوہ مساواۃ نہ ہو، کیونکہ آیت میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ جس کو آزاد عورتوں کی قدرت نہ ہو وہ باندیوں سے نکاح کرے۔ معلوم ہوا کہ آزاد عورت اور باندی برابر نہیں، سو یہ تفاوت ایک امر خاص میں ہے۔ یہ اس مساوات میں حارج نہیں جس کو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ خاص خاص صفات میں تو مردوں میں بھی تفاوت ہوسکتا ہے مثلاً بڑے چھوٹے میں یا امیر غریب میں، باپ بیٹے میں، عالم جاہل میں وغیرہ وغیرہ سو اس قسم کا تفاوت قابل اعتبار نہیں آخر "بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ" کے کچھ تو معنی ہیں۔ ایک آیت اور یاد آئی "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"۔

یعنی عورتوں کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں جیسے ان کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں۔ یہ وہ آیات ہیں جن سے عورتوں کی مساوات مردوں سے مفہوم ہوسکتی ہے، مگر اس کے ساتھ دوسری آیتوں کو بھی ملانا چاہئے جن میں مردوں کی فوقیت عورتوں پر ثابت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾۔

نیز ارشاد ہے: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

اور یہ آیات مردوں کی فوقیت اور فضیلت ثابت کرنے میں بالکل صریح ہیں اور جن آیات سے مساوات ثابت ہوتی ہے وہ اس مدلول میں صریح نہیں، بلکہ قرائن مقامیہ سے خاص امور میں مساوات بتلاتی ہیں، چنانچہ "اَنِّي لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ"۔ میں عدم اضاعت عمل میں مساوات بتلائی گئی اور "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ" میں انسانیت اور آدمیت یا ایمان میں مساوات بتلائی گئی ہے کہ باندی کو حقیر نہ سمجھو تم سب آدم وحوا کی اولاد ہو یا سب اہل ایمان ہو اور "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" کا مطلب یہ ہے کہ

عورتوں کے حقوق بھی لزوم و وجوب میں مردوں کے حقوق کے برابر ہیں گو باعتبار نوعیت کے دونوں کے حقوق میں تفاوت ہو ورنہ مساوات کلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورتوں پر بھی مردوں کے لئے مہر اور نان نفقہ لازم ہو حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں۔ باقی اس سے انکار نہیں کہ بعض حقوق اور بعض امور میں یعنی حقوق مشترکہ میں عورتیں مردوں کے برابر ہیں، وہ ایسی گھٹیا نہیں ہیں، جیسا مردوں نے انہیں سمجھ رکھا ہے۔

مگر افسوس آج کل ہم عام طور سے یہ شکایت سنتے ہیں کہ غریب عورتیں کہتی ہیں کہ مردوں کے تو کیا کچھ حقوق ہمارے اوپر ہے اور ہم بالکل جانوروں کی طرح ان کے ہاتھ میں ہیں کہ وہ ماریں پیٹیں یا ذبح کریں ہم کچھ نہیں بول سکتے۔ پس سن لو! کہ اللہ سبحانہ کیا فرما رہے ہیں اور مرد بھی سن لیں ذرا کان کھول لیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے ان کے اوپر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان کے بھی مردوں پر ہیں، پھر یہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی کہ ہم جانوروں کی طرح ہیں؟ اس شکایت کی اصل وجہ یہ ہے کہ مردوں نے ان کے کان میں اتنا ہی ڈالا ہے کہ ہمارے حقوق تمہارے اوپر اس قدر ہیں اور یہ بات بالکل ان کے کان تک نہیں پہنچائی کہ تمہارے بھی کچھ حقوق ہمارے اوپر ہیں اور عام مرد تو ایسی بات ان کے کان تک ہی کیوں پہنچنے دیتے کیونکہ اپنے خلاف ہے۔

(از حقوق الزوجین ص ۲۶۵)

دینی حقوق میں عورتوں کی کوتاہی

ایک کوتاہی دینی حقوق میں کرتی ہیں کہ مرد کو جہنم کی آگ سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتیں۔ یعنی اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتیں کہ مرد ہمارے واسطے حلال وحرام میں مبتلا ہے۔ اور کمانے میں رشوت وغیرہ سے باک نہیں کرتا۔ تو اس کو سمجھائیں کہ تم حرام آمدنی مت لیا کرو، ہم حلال ہی میں اپنا گذر کرلیں گے۔ علیٰ ہذا اگر مرد نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مطلق نصیحت نہیں کرتیں حالانکہ اپنی غرض کے لئے اس سے سب کچھ کرالیتی ہیں۔ اگر عورت مرد کو دیندار بنانا چاہے تو اس کو کچھ مشکل نہیں۔

مگر اس کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ پہلے تم دیندار بنو، نماز روزہ کی پابندی کرو۔ پھر مرد کو نصیحت کرو، تو انشاء اللہ اثر ہوگا۔ مگر بعضی عورتیں دینداری پر آتی ہیں تو یہ طریقہ اختیار کر لیتی ہیں کہ تسبیح اور مصلّی لے کر بیٹھ گئیں۔ اور گھر کو ماماؤں پر ڈال دیا۔ یہ طریقہ بھی اچھا نہیں، کیونکہ گھر کی نگہبانی اور خاوند کے مال کی حفاظت عورت کے ذمہ فرض ہے جس میں اس صورت سے بہت خلل واقع ہوتا ہے۔ اور جب فرض میں خلل آ گیا تو یہ نفلیں اور تسبیحیں کیا نفع دیں گی؟ اس لئے دینداری میں اتنا غلو بھی نہ کرو کہ گھر کی خبر ہی نہ لو۔ نماز روزہ اس طرح کرو کہ اس کے ساتھ گھر کا بھی پورا حق ادا کرو۔ اور تمہارے واسطے یہ بھی دین ہی ہے کہ تم کو گھر کے کام کاج میں بھی ثواب ملتا ہے (اگر اس نیت سے کرو کہ میں حق تعالیٰ کے حکم کا امتثال کرتی ہوں، کیونکہ حق تعالیٰ نے گھر کی حفاظت اور خبر گیری میرے ذمہ کی ہے) ہاں گھر کے کاموں میں ایسی منہمک نہ ہوں کہ دین کو چھوڑ دو، بلکہ اعتدال سے کام لو کہ دین کے ضروری کام بھی ادا ہوتے رہیں اور گھر کا کام بھی نگاہ کے سامنے نکلتا رہے۔ یہ سخت بے تمیزی ہے کہ تسبیح اور نفلوں میں مشغول ہو کر گھر کے کام کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ اور اللہ اللہ تو گھر کے کام کرتے ہوئے بھی ہو سکتا ہے، یہ کیا ضرور ہے کہ تسبیح اور مصلّی ہی کے ساتھ اللہ اللہ کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

ترجمہ: زبان کو خدائی یاد سے ہر وقت تر رکھنا چاہئے۔

اور ظاہر ہے کہ تسبیح اور مصلّی ہر وقت نہیں رہ سکتا، تو معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے لئے کسی قید اور پابندی کی ضرورت نہیں، بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں ہو سکتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جن کو خدا نے مامائیں اور نوکر دیئے ہوں وہ اپنے ہاتھ سے بھی کچھ کام کیا کریں، یہ نہ ہو کہ دن رات پلنگ ہی توڑتی رہیں اور کسی کام کو ہاتھ نہ لگائیں، کیونکہ اس طرح کام کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ کے لئے محتاج بن جاتا ہے اور کام کرتے رہنے میں عادت بھی رہتی ہے اور قوت وصحت بھی اچھی رہتی ہے حدیث میں ہے:

"اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِی خَیْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ وَفِیْ کُلٍّ خَیْرٌ" کہ مسلمان قوی مسلمان کمزور سے اچھا ہے اور یوں تو سب ہی اچھے ہیں۔ تو ہمت کی بات یہ ہے گھر کے کام کو بھی دیکھو، نوکروں باندیوں سے اپنی نگرانی میں کام لو۔ اور کبھی کسی کام کو اپنے ہاتھ سے بھی کرلیا کرو۔ اور اس کے ساتھ کچھ وقت نکال کر نفلیں اور تسبیحیں بھی پڑھو، اگر زیادہ وقت نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی اللہ اللہ کرتے رہا کرو۔

(از حقوق الزوجین ص ۵۳)

حقوق زوجہ

بعضے اس طرح عورتوں کا حق ضائع کرتے ہیں کہ بے حمیت بن کر اپنے آپ کو راحت دیتے ہیں، عمدہ کھاتے اور عمدہ پہنتے ہیں اور بیوی بچوں کو تکلیف میں رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

ببیں آں بے حمیّت را کہ ہرگز
نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را
زن وفرزند بگذارد بسختی

یہ بہت ہی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد تو خود بنا ٹھنا رہے، اور بیوی کو بھنگنوں کی طرح رکھے کہ نہ اس کے کپڑے کا خیال ہے نہ کھانے کا، حالانکہ زینت وآرائش کی مستحق زیادہ تر عورت ہے مردوں کو زیادہ زینت زیبا نہیں ہے، بعضے مرد ایسے گندہ طبیعت کے ہوتے ہیں کہ فاحشہ عورتوں میں آوارہ پھرتے ہیں اور ان کے گھروں میں حور کی مانند بیویاں موجود ہوتی ہیں، مگر وہ بیکار پڑی رہتی ہیں، ان کی طرف رخ بھی نہیں کیا جاتا اور ہندوستان کی عورتیں صابر وشاکر ہیں کہ وہ سوائے رونے دھونے کے اور کچھ نہیں کرتیں، کسی سے اپنے مرد کا بھید نہیں کھولتیں۔

اس پر ایک قصہ یاد آیا کہ بھوپال میں ہمارے وطن کے ایک بزرگ تھے جو

تحصیلدار بھی تھے اور ان کی بیوی بہت ہی مسرف اور کم عقل تھی، مگر تحصیلدار صاحب کی یہ حالت تھی کہ جب اس کی باتیں بیان کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی کی یہ بات ہے۔ آج میری باولی نے یوں کہا۔ غرض میری باولی کہہ کر نام لیتے تھے۔ کسی نے کہا حضرت آپ تو اپنی بیوی سے بہت ہی محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی بے تمیز اور تکلیف دہ ہے۔ فرمایا کہ بھائی شریف عورتوں میں جہاں بہت سے نقائص ہیں وہاں ایک جوہر ایسا ہے کہ اگر ان کو ایک کونہ میں بٹھلا کر کوئی سفر میں چلا جائے اور بیس برس کے بعد آوے تو اسی کونہ میں ساتھ آبرو و عزت کے بیٹھا پاوے گا، اس خوبی کی وجہ سے میں اس کی قدر کرتا ہوں۔

واقعی ہندوستان کی بیبیاں تو اکثر ایسی ہی ہیں کہ ان کو اپنے کونے کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ چاہے ان پر کچھ ہی گزر جائے۔ مگر اپنے کونے سے الگ نہیں ہوتیں۔ بس ان کی وہ شان ہے جو حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ "وَالْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ" یعنی پاک دامن ہیں اور بھولی ہیں۔ چالاک نہیں ہیں۔ اس میں غافلات کا لفظ ایسا پیارا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نقشہ کھینچ دیا۔ اور یہ صفت عورتوں کے اندر پردہ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کو اپنی چار دیواری کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی، جس کو آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتوں کے پردہ نے مسلمانوں کا تنزل کر دیا۔ کیونکہ عورتوں کو قید میں رہنے کی وجہ سے دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ نہ صنعت و حرفت سیکھتی ہیں، نہ علوم و فنون سے آگاہ ہیں۔ بس کمانے کا سارا بوجھ مردوں پر رہتا ہے، دوسری قوموں کی عورتیں خود بھی صنعت و حرفت سے کماتی رہتی ہیں۔

تو صاحبو! میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو موقع مدح میں بے خبر فرمایا ہے تو ہزار خبر داریاں اس بے خبری پر قربان ہیں۔ جب حق تعالیٰ عورتوں کے بھولے پن اور بے خبری کی تعریف فرماتے ہیں تو سمجھ لو اسی میں خیر ہے اور اس خبر داری میں خیر نہیں، جس کو تم تجویز کرتے ہو۔ تجربہ خود بتلا دے گا اور جو قرآن کو نہ مانے گا اسے زمانہ ہی خود بتلا دے گا۔ تمام دنیا کی قومیں اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے برابر کسی کتاب کی تعلیم نہیں

ہے تو قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کے لئے غافل و بے خبر ہونا ہی اچھا ہے۔ یہ صفت ہندوستان کی عورتوں میں بے نظیر ہے کہ خاوند کے کونہ سے الگ ہونا ان کو گوارا نہیں ہوتا۔

میری ایک تائی تھیں (یعنی بڑی چچی) وہ جوانی ہی میں بیوہ ہوگئیں تھیں۔ مگر ساری عمر خاوند ہی کے کونہ میں گذار دی، اخیر میں ان کی بہت عمر ہوگئی تھی، نگاہ بھی کم ہوگئی تھی، پاس کوئی رہنے والا بھی نہ تھا۔ مگر اپنے کونہ سے الگ نہ ہوتی تھیں۔ وہ مجھے بہت چاہتی تھیں میں نے ہر چند اصرار کیا تم میرے گھر میں آجاؤ۔ یہاں اکیلی پڑی ہوئی کیا لیتی ہو، تو یہ فرمایا کہ بچہ جہاں ڈولی آئی تھی وہیں سے کھٹولی نکلے گی۔ میں نے کہا کہ اگر تم یہی چاہتی ہو تو مرنے کے بعد تمہارا پلنگ اسی گھر میں لے آئیں گے، پھر یہاں سے نکال لیں گے۔ مگر صاحب انہوں نے ایک نہ سنی تمام عمر وہیں رہیں اور اپنے حد اختیار تک وہاں سے جدا نہ ہوئیں، پھر جب سخت مریض ہوگئیں تو اس حالت میں ہم لوگ ان کو اپنے گھر اٹھالائے، کیونکہ ان کا مکان ذرا دور تھا ہر وقت نگہداشت مشکل تھی اور مکان ان کا اتنا وسیع نہ تھا جس میں اور مستورات جا کر رہ سکتیں۔ تو واقعی ہندوستان کی عورتوں میں جہاں بے تمیزی وغیرہ ہے وہاں یہ خوبیاں بھی تو ہیں، ان کو بھی تو دیکھنا چاہئے۔

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

(تعلیم یافتہ قوموں کی عورتوں میں جو خوبیاں سلیقہ وتمیز کی بیان کی جاتی ہیں وہ تو مکتسب امور ہیں جو دوسری عورتیں بھی تعلیم سے حاصل کرسکتی ہیں۔ اور ہندوستان کی عورتوں میں جو خاص خوبیاں ہیں وہ فطری ہیں کہ تعلیم سے حاصل نہیں ہوسکتیں) اور ان خوبیوں کا مقتضا یہ ہے کہ بیبیوں پر رحم کرو اور ان سے بے پروائی اختیار نہ کرو اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ تمہاری خادم ہیں، طرح طرح سے تم کو آرام پہنچاتی ہیں اور۔

آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرمے
عذرش بنہ اگر کند بہ عمرے ستمے

جس نے سو دفعہ آرام پہنچایا ہو اس کے ہاتھ سے ایک دفعہ تکلیف بھی پہنچ

جائے تو اس کو زبان پر نہ لانا چاہئے۔ ہماری پیرانی صاحبہ اخیر میں بہت معذور ہوگئی تھیں، تو حضرت کی ایک خادمہ گھر کے کاروبار کے لئے یہاں سے مکہ معظمہ پہنچ گئیں اور سارا کام اپنے ذمہ لے لیا، مگر وہ خادمہ بڑی تندمزاج تھیں، پیرانی صاحبہ سے لڑا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ میرے گھر میں پیرانی صاحبہ سے کہنے لگیں کہ حضرت یہ آپ سے لڑتی ہیں اور آپ ان کو کچھ نہیں فرماتیں، نہ گھر سے الگ کرتی ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ راحت بھی بہت دیتی ہیں اور جو شخص راحت بہت دیتا ہو اس کی بے عنوانیوں پر صبر نہ کرنا بے مروتی ہے، اس لئے جب مجھ کو ستاتی ہے تو میں اس کی راحتوں کو یاد کر کے سب معاف کر دیتی ہوں۔ حضرت پیرانی صاحبہ نہایت خلیق اور بہت ہی عالی فہم تھیں۔ صاحبو! جب ایک بی بی اتنی فہیم تھیں تو ہم کو مرد ہو کر ضرور فہم سے کام لینا چاہئے اور اپنی بیبیوں کی راحت رسانی پر نظر کر کے ان کی بے تمیزیوں کا تحمل کرنا چاہئے۔

یہ عورتوں کے حق دنیوی ہیں اور اس سے پہلے جو حقوق بیان ہوئے وہ دینی حقوق تھے۔ افسوس ہم دینی حقوق تو کیا ادا کرتے دنیوی حقوق پر بھی ہم کو توجہ نہیں، چنانچہ نہ بیوی کی نماز پر توجہ ہے نہ روزہ پر ان باتوں کو ان کے کانوں میں ڈالتے ہی نہیں۔ یاد رکھو! قیامت میں تم سے اس کی باز پرس ہوگی کہ تم نے بیوی بچوں کو دیندار بنانے کی کتنی کوشش کی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کے لئے ان پر حد سے زیادہ سختی کرو، ہر وقت ہاتھ میں لٹھ ہی لئے رہو، بلکہ اول نرمی سے سمجھاؤ، پھر برتاؤ میں ذرا ناراضی اور رنج ظاہر کرو۔ انشاءاللہ اس کا اچھا اثر ہوگا۔

اور ان کو اردو میں دینی رسالے پڑھاؤ، لکھاؤ، اس سے ان کے اخلاق بھی درست ہو جائیں گے اور دین کا خیال خودبخود ہوگا اور پڑھنے پر آمادہ نہ ہوں تو اس صورت کے لئے میں نے بہت جگہ یہ طریقہ بتلایا ہے کہ تم ایک وقت مقرر کر کے اول سے آخیر تک ''بہشتی زیور'' سارا سنادو۔ اور پہلے پہل بی بی سے یہ بھی نہ کہو کہ یہاں بیٹھ کر سنتی رہ، بلکہ خود بلند آواز سے پڑھنا شروع کرو۔ انشاءاللہ وہ خود شوق سے آ کر سنے گی۔ چنانچہ اس طرح عمل کرنے سے فوراً ساری شکایتیں جاتی ہیں، عورتوں کے دل پر اثر

بہت جلدی ہوتا ہے۔ اگر ان کو دین کی کتابیں سنائی جائیں تو انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جائے گی۔

مرد اپنی بیبیوں کی شکایتیں تو کرتے ہیں کہ ایسی بے تمیز اور ایسی جاہل ہیں مگر وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھیں کہ انہوں نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ بس یہ اپنی راحت ہی کے ان سے طالب ہیں اور ان کے دین کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ ایک شخص نے خوب کہا ہے کہ مقرب کی بے تمیزی اور بے وفائی بادشاہ کی بے تمیزی یا غفلت کی دلیل ہے تو عورتوں کی خطا ہے ہی، مگر ان کی بے تمیزی میں مردوں کی بھی خطا ہے کہ یہ ان کے دین کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے اور ان کے دینی حقوق کو تلف کرتے ہیں۔

حقوق محکوم پر حکایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں ایک باپ اور بیٹے کا مقدمہ پیش ہوا۔ باپ نے بیٹے پر دعویٰ کیا تھا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے جواب طلب کیا۔ اس نے کہا حضور کیا باپ ہی کے حقوق بیٹے پر ہیں یا بیٹے کا بھی باپ پر کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بیٹے کا حق بھی باپ پر ہے۔ ایک یہ کہ شریف عورت سے نکاح کرے کہ اولاد اچھی ہو۔ اور نام اچھا رکھے کہ اس کی برکت ہو۔ اور اس کو علم دین سکھائے۔ وہ بولا کہ ان سے دریافت کیا جائے کہ انہوں نے باپ ہو کر میرے کیا حقوق ادا کئے ہیں؟ ایک حق تو انہوں نے یہ ادا کیا کہ میری ماں لونڈی تھی، جن کے اخلاق جیسے ہوتے ہیں معلوم ہے۔ دوسرا یہ حق ادا کیا کہ میرا نام جُعل رکھا جس کے معنی ہیں گو کا کیڑا۔ تیسرا حق یہ کہ مجھ کو ایک بھی دین کی بات نہیں سکھلائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ خارج کر دیا اور باپ سے فرمایا: تو نے اس سے زیادہ اس کی حق تلفی کی ہے۔ جاؤ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔

اسی طرح ہماری حالت ہے کہ ہم بیویوں کی شکایت تو کرتے ہیں، مگر یہ نہیں

دیکھتے کہ ہم نے بیویوں کا کونسا حق ادا کیا ہے۔ چنانچہ ان کا ایک حق یہ تھا کہ ان کے دین کا خیال کرتے۔ ان کو احکام الٰہیہ بتلاتے۔ دوسرا حق یہ تھا کہ معاشرت میں ان کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے، باندیوں اور نوکروں کا سا برتاؤ نہ کرتے۔ مگر ہم نے سب حقوق ضائع کر دیئے۔ (از حقوق الزوجین ص۴۲ تا ۴۷)

بیوہ کو تمام منقولات کا مالک سمجھنا بھی ظلم ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے بیوہ عورتیں اپنے کو تمام منقولات کا مالک سمجھتی ہیں۔ یہ بھی ظلم ہے جو چیز شوہر نے اس کو ہبہ کر دی ہو وہ بیشک اس کی ہے۔ ورنہ اور سب ترکہ مشترکہ ہے۔ حسب فرائض سب کو دینا چاہئے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو چیز جس وارث کے قبضہ میں آجاتی ہے وہ اس کو چھپا ڈالتا ہے، مگر یاد رہے کہ قیامت کو سب اگلنا پڑے گا۔ (از اصلاح انقلاب امت ص۲۴۱)

اگر عورت مرتے وقت شوہر کو مہر معاف کر دے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا

ایک کوتاہی جو نہایت عام ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگتی ہے کہتے ہیں کہ شوہر کو معاف کر دے اور وہ معاف کر دیتی ہے اور شوہر اس معافی کو کافی سمجھ کر اپنے کو دین مہر سے سبکدوش سمجھتا ہے اور اگر کوئی وارث مانگے بھی تو نہیں دیتا اور نہ اس کا دینا ضروری سمجھتا ہے۔

سو خوب سمجھ لیا جاوے کہ اس وقت کی معافی وصیت ہے اور وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی جب تک کہ سب ورثہ بشرط بلوغ اس کو منظور نہ کریں۔

اور اگر بعض جائز رکھیں بعض نہ رکھیں تو صحیح نہیں، پس اس صورت میں جو وارث نابالغ ہیں ان کے حصہ کا مہر اور اسی طرح جو بالغ وارث جائز نہ رکھیں ان کے حصے کا مہر بھی واجب الادا ہوگا۔ اور وہ معافی ان کے حق میں محض باطل ہے مثلاً اس

عورت کے وارث علاوہ شوہر کے تین بھائی ہیں ایک نابالغ اور دو بالغ جن میں سے ایک نے اس معافی کو منظور کیا اور دوسرے نے نامنظور کیا اور مہر چھ سو روپے تھا تو اس صورت میں یہ حکم ہوگا کہ تین سو تو حصہ شوہری میں آکر معاف ہوگئے اور سو روپے بالغ منظور کرنے والے کے حصے میں آکر معاف ہوگئے۔ آگے دو سو روپے رہے سو تو نامنظور کرنے والے کا حق اس شوہر کے ذمہ ہے اور سو اس نابالغ کا حق اس کے ذمہ ہے۔ یہ دو سو روپے ادا کرنا ہوں گے۔ (از اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۸)

اگر دلہن میکے میں یا سسرال میں مرجاوے تو اس کا ذاتی مال سب ورثہ کو ملے گا

ایک کوتاہی سہی کا شعبہ یہ ہے کہ اگر دلہن اپنے میکے میں مرجاوے تو اس کے تمام سامان پر وہ لوگ قبضہ کر لیتے ہیں اور اگر سسرال میں مرجاوے تو وہ قابض ہوجاتے ہیں ہم نے کہیں تقسیم شرعی ہوتے سنا ہی نہیں۔ اس میں بھی اوپر کی وعید (قیامت کو سب اگلنا پڑے گا) کو یاد رکھنا چاہئے۔ (از اصلاح انقلاب امت ص ۲۴۲)

اہل وعیال کو چھوڑ دینا کمال نہیں

جولوگ اناڑی ہیں اور اصلاح کرنے کے طریقہ سے ناواقف ہیں وہ ایک دم میں بھر دینا چاہتے ہیں۔ ایسے پیروں کو عام لوگ بہت بزرگ سمجھتے ہیں، حالانکہ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے رشتہ اس سے چھوٹ جاتے ہیں نہ بیوی کے کام کا رہتا ہے نہ بچوں کے۔

اور یہ کمال نہیں بلکہ نقصان ہے دین کا کام آپس میں ملانا ہے نہ کہ جدائی کرنا۔ خداتعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں عام طور پر فرماتے ہیں "وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ" یعنی وہ کاٹتے ہیں ان رشتوں اور تعلقوں کو جن کے ملانے کا خداتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ افسوس! آج اسی کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ اکثر لوگ کہا کرتے

ہیں کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں دیکھئے اولاد کو منہ بھی نہیں لگاتے، بیوی تک کو نہیں پوچھتے۔ ہر وقت خدا کے عشق میں ڈوبے رہتے ہیں۔

صاحبو! کیا کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے بھی خدا تعالیٰ کے عشق میں زیادہ ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ پھر دیکھ لیجئے۔ حضور ﷺ کی کیا حالت تھی۔ آپ بیویوں کے بھی حق ادا فرماتے تھے، اولاد کے حق بھی ادا فرماتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما میں سے ایک کو پیار کر رہے تھے اور ایک نجد کے رئیس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے تو دس بیٹے ہیں۔ میں نے تو آج تک کسی کو بھی پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ نے تیرے دل ہی میں سے رحم نکال لیا تو اس کو میں کیا کروں؟ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو بچوں پر رحم اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس واقعہ سے حضور ﷺ کی حالت پورے طور پر معلوم ہوگئی ہوگی۔ سونرا جوش اور مستی اور رشتہ ناتے کا چھوڑ دینا بزرگی نہیں ہوسکتی۔ اگر اسی کا نام بزرگی ہے۔ تو شراب کا نشہ اور جنون کی حالت بھی بزرگی ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں یہ بات خوب حاصل ہو جاتی ہے۔

(از تسہیل المواعظ ج ۲ ص ۲۳۲)

حقوق اہل وعیال سے غفلت دین سے غفلت ہے

لوگ اہل وعیال کے حقوق کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے ''بس'' حکومت کرنا جانتے ہیں یہ خیال نہیں کرتے کہ جن پر حکومت کرتے ہیں ان محکوموں کا بھی کوئی حق ہمارے ذمہ ہے یا نہیں؟ معاشرت کو تو دین کی فہرست سے نکال ہی رکھا ہے۔ اس باب میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے اور ان سب گڑبڑوں کا سبب دین سے غفلت ہے۔

(از آداب المعاشرت ص ۲۹۸)

بیوی کے الگ رہنے کا مطالبہ اس کا حق ہے

ایک ظلم بیوی پر اور بھی ہوتا ہے جس میں دینداری کے مدعی بکثرت موجود ہیں

وہ یہ کہ جو کچھ کماتے ہیں ماں باپ کی نذر کر دیتے ہیں اور بیوی کو ان کا دست نگر رکھتے ہیں اور ماں باپ بھی بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس کی خبر گیری نہیں کرتے اور بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ گھر کی ہوا نکل جائے گی۔ پرانی بڑھیوں کے زیادہ تر ایسے ہی خیالات ہیں۔

یاد رکھو! حق تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں اگر بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ رکھنا اس کا حق اور ضروری ہے، بلکہ اس زمانہ میں تو اسی میں مصلحت ہے کہ الگ رہیں شامل رہنے میں بہت فساد ہیں۔ یہ پرانی عورتیں اکثر بہوؤں کو بہت ستاتی ہیں اور عجیب بات ہے۔ اگر بیٹا بیوی کی طرف ملتفت ہوتا ہے تو اس سے بھی جلتی ہیں اور اگر ملتفت نہ ہو تو نمک پڑھواتی پھرتی ہیں۔ تعویذ کراتی ہیں الگ رہنے میں ان سب بکھیڑوں سے نجات ہے اور اگر یہ کہو کہ بہوویں آج کل نالائق ہوتی ہیں ساسوں سے لڑتی ہیں۔ دق کرتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ان کو الگ کر دو۔ غرض علیحدہ رہنے میں طرفین کو راحت ہے۔ (از راہ نجات ص ۵۰۲، ۵۰۳)

مرد کے مال میں عورت کے عزیزوں کا شرعاً کوئی حق نہیں

بعض عورتیں رقمیں جوڑ جوڑ کر خاوند سے چھپا کر اپنے گھروں کو بھرا کرتی ہیں۔ کسی بہانہ سے باپ کو دیا یا کسی بہانہ سے ماں کو دے دیا۔ سخت گناہ ہے۔ مرد کے مال میں عورت کے عزیزوں کا شرعاً کوئی حق نہیں۔ اگر دینا ہے تو مرد سے پوچھ کر دینا چاہئے ...... خاوند جو مال عورت کو بالکل بطور ملک کے دے ڈالے۔ اس میں سے تو بلا اجازت عورت کو صرف کرنا جائز ہے اور جو مال اس کو ہبہ نہ کرے، بلکہ گھر کے خرچ کے واسطے دے یا جمع رکھنے کے لئے۔ اس میں بلا اجازت صرف کرنا ہرگز جائز نہیں حتیٰ کہ سائل کو دینا بھی جائز نہیں۔

استاد شاگرد اور ہم جماعت ساتھیوں کے حقوق کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ ادائے حقوق معلم و متعلم و شریک تعلم)

علوم دینیہ کا جس طرح تعلیم وتعلم ضروری ہے اسی طرح اس تعلیم وتعلم کے سبب جن لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں۔ ان تعلقات کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے اور یہ حقوق جس طرح فی نفسہا دلائل سے ضروری ہیں اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوا کہ برکات علمیہ کے موقوف علیہ ہونے کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور جن سے یہ تعلقات ہوتے ہیں وہ تین جماعتیں ہیں اول معلّمین یعنی اساتذہ۔ دوسرے متعلمین، یعنی تلامذہ۔ تیسرے شرکاء فی التعلّم یعنی ہمدرس وہم سبق، پس تینوں جماعتوں کے کچھ حقوق وآداب ہیں اور مثل دیگر اعمال کے ان میں بھی کم وبیش کوتاہیاں کی جاتی ہیں۔

متعلمین کی کوتاہیوں کی تفصیل

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ بعضے تو استاد کے حقوق وآداب بھی ادا نہیں کرتے۔ پھر ان میں بھی دو قسم کے ہیں بعض تو زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں اور بعض اس زمانہ میں تو کسی قدر رعایت کرتے ہیں، مگر بعد مفارقت پھر مطلق اس کا اہتمام نہیں کرتے اور جو زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں یہ دو قسم کے ہیں۔ بعضے تو ظاہر ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں اور بعضے ایسا تو نہیں کرتے مگر جن حقوق و آداب کے سمجھنے میں کسی قدر سلیقہ کی حاجت ہے۔ ان میں کوتاہی کرتے ہیں اور ان سب میں اکثر وہ ہیں جو بعد مفارقت پھر استاد کو یاد نہیں رکھتے اور سب میں بدتر وہ بدنصیب ہیں جو کسی نفسانی مقتضی سے استاد کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اقسام ان لوگوں کے ہیں جو استادوں کا حق ادا نہیں کرتے۔ اور مضیعین حقوق اساتذہ سے زیادہ عدد میں وہ حضرات ہیں کہ اپنی استادی کے زمانہ میں شاگردوں کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے اور اپنے حقوق واجبہ سے گذر کر غیر واجب، بلکہ غیر جائز کے ادا کے بھی متوقع ومنتظر رہتے ہیں اور قالاً یا حالاً ان کا مطالبہ ان سے کرتے ہیں۔ اور ان سے بھی زیادہ وہ لوگ ہیں بلکہ غالباً قریب قریب کل کے ایسے ہی ہیں کہ ہم سبقوں کے حقوق کا تو ان کے

دل میں خطرہ بھی نہ گذرتا ہوگا۔

گو کہیں دوسرے اسباب سے باہم دوستی بھی ہو جاتی ہو لیکن یہ بات کہ محض اس علاقہ سے باہم دوسرے کے کچھ حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہوں یہ بات بہت نادر بلکہ قریب قریب معدوم ہے اور جب سمجھتے ہی نہیں تو سمجھ کر ادا کرنے کے اہتمام کا تو کیا ذکر ہے؟ بلکہ بعض جگہ تو نہایت افسوس کی بات ہے کہ بجائے باہم اخوت وفاق ورعایت حقوق کے ایک طرف سے یا کہیں دونوں طرف سے بغض وحسد وخلاف وعقوق دیکھا جاتا ہے، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان سب حقوق کی کچھ کچھ جزئیات بطور نمونہ لکھ دی جاویں۔ خود ان جزئیات کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ ایسے اصول ہاتھ آ جاویں گے کہ ان سے دوسری غیر مذکورہ جزئیات کا سمجھنا اور رعایت کرنا سہل ہو جائے گا اور ہر چند کہ یہ تینوں قسم کے حقوق اور آداب میرے نزدیک فطری ہیں اور ذرا بھی فطرت میں سلامتی ہو تو ان کے معلوم کرنے اور نیز عمل پر تقاضا کرنے کے لئے صرف وجدان کافی ہے، لیکن اس خیال سے شاید کسی احتمال پرست کو گمان ہو کہ مثل دیگر حقوق کے یہ حقوق شریعت میں منقول نہیں۔ قرین مصلحت معلوم ہوا کہ۔

اولاً نصوص کو نقل کر کے ساتھ ساتھ ان حقوق کی تقریر کرتا جاؤں اور حتی الامکان ترتیب کا بھی لحاظ رکھوں اس طرح کہ اول حقوق استاد کے، پھر شاگرد کے، پھر ہمدرس کے بیان کروں اور حتی الامکان اس لئے کہا کہ ممکن ہے کہ کسی نص سے دو یا تین جماعتوں کے حقوق مفہوم ہوتی ہوں تو خاص اس میں وہ ترتیب ملحوظ نہ رہے گی۔ گو ایسا قلیل ہوگا۔

اور جاننا چاہئے کہ استاد عام ہے سبق پڑھانے والے اور پوچھنے پر مسئلہ بتلانے والے اور اسی طرح شاگرد عام ہے، تلمیذ متعارف اور سائل عن الدین اور مرید کو، اسی طرح ہمدرس عام ہے متعارف ہم سبق اور کسی عالم کی مجلس میں شرکت کرنے والوں اور پیر بھائیوں کو۔

اور ثانیاً بعد سوق نصوص کے بطور تفریع یا توضیح یا تفصیل یا تتمیم کے کچھ جزئیات

کی بھی تقریر کردوں کہ وہ بھی گویا اصل ہی کے ساتھ ملحق ہوگا۔

حقوق وآداب معلِّم

آیت نمبرا: لقد من الله على المومنين (الىٰ قوله تعالىٰ) يعلمهم الكتاب والحكمة الآية (البتہ احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر (الیٰ قولہ) (سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت)۔

اس آیت کریمہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی نعمت بعثت پر منت (احسان) ہونے کی علّت میں تعلیم کتاب وحکمت کو ذکر فرمانا صاف دلیل ہے کہ جو شخص کسی کو دین کی تعلیم کرے وہ اس شخص کے حق میں نعمت الٰہی ہے اور اس کی قدر و تعظیم اس پر لازم ہے اور اس تعلیم میں سبق پڑھانا اور مسئلہ بتلانا وغیرہ سب داخل ہیں کہ یہ سب تعلیم کے طریقے ہیں، حتیٰ کہ کسی کی تصنیف سے منتفع ہوجانا اس قاعدہ سے اس کے شاگردوں میں داخل ہوجاتا ہے اس کے حقوق بھی مثل استادوں کے ثابت ہوجاویں گے۔

آیت نمبر۲: ﴿قال له موسىٰ هل اتبعك﴾ الى آخر القصة۔
(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ کیا میں تمہاری پیروی کروں)۔

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ہے اس سے چند حقوق وآداب ثابت ہوتے ہیں۔ اول استاد کی خدمت میں خود شاگرد جایا کرے ان کو تکلیف نہ دے کہ آکر پڑھا دیا کریں۔

دوم:- اگر استاد کسی اعتبار سے شاگرد سے رتبے میں کم بھی ہو تب بھی اس کا اتباع کرے۔

سوم:- جس بات کے پوچھنے کو وہ منع کریں نہ پوچھا کرے۔ اس کی مخالفت یا اس کو تنگ نہ کرے۔

چہارم:- اگر کبھی غلطی سے اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجاوے تو

معذرت کر لے۔

پنجم:- اس کے تنگ ہونے یا مرض وغیرہ سے کسل مند ہونے کے وقت سبق بند کردے۔

استاد کے ساتھ گفتگو کے آداب ملحوظ رکھنا

آیت نمبر۳: یا ایّھاالذین آمنو الا تقولو راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا۔ الآیۃ

ترجمہ:- اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا اور کہو انتظار کرو ہمارا اور سنو۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استاد کے ساتھ گفتگو میں بھی ادب ملحوظ رکھے۔

استاد کی خدمت سے بلا اجازت نہ جاوے

آیت نمبر۴: انما المؤمنون الذین آمنو باللّٰہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امرٍ جامعٍ لم یذھبوا حتی یستا ذنوہ۔

ترجمہ:- جز این نیست (اس کے سوا کچھ نہیں) کہ مؤمن وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور جب ہوتے ہیں ساتھ رسول کے کسی اجتماعی بات پر تو نہیں جاتے جب تک اجازت نہ لے لیں۔

اس آیت سے استاد کا یہ حق ثابت ہوا کہ اس کی خدمت سے بلا اذن نہ جاوے خواہ اذن صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

تعلیم دین بھی احسان ہے

حدیث:- عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ من صنع الیکم معروفاً فکافئوہ فان لم تجدوا ما تکافئونہ فادعوا لہ حتیٰ تروا انکم قد کافاتموہ (رواہ احمد وابو داؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی مستدرکہ، کذا فی العزیزی)

ترجمہ:- جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کی مکافات کر سکتے ہو تو کردو ورنہ اس کے لئے دعا کرو۔ یہاں تک کہ تم سمجھ لو کہ تم نے اس کی مکافات کردی۔

کیا کوئی شخص تعلیم دین کے معروف یعنی احسان ہونے سے انکار کر سکتا ہے؟۔ جب اس کا احسان ہونا مسلّم ہوگیا تو اس کے مکافات میں اس کی ہر قسم کی خدمت مال سے، جان سے داخل ہوگئی جو حدیث ہذا میں مامور بہ ہے۔

اور جب کسی قسم کی استطاعت نہ رہے تو اس وقت اقل درجہ دعا ہی سے یاد رکھنا ضروری ہے۔

حدیث:- عن ابی ھریرۃ ﷜ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ۔ رواہ احمد و الترمذی۔

ترجمہ:- جس نے آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ ادا کیا۔

اس حدیث کے عموم میں استاد بدرجہ اولیٰ داخل ہے کہ بہت بڑی نعمت یعنی علم دین کا واسطہ ہے۔ اس کی حق شناسی میں کوتاہی کرنا بنص حدیث حق تعالیٰ کی ناشکری ہے جس کا محل وعید ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

قال تعالی لئن شکرتم لا زیدنکم ولئن کفرتم (مقابل شکرتم) ان عذابی لشدید۔ الآیۃ۔

ترجمہ:- اگر تم شکر کروگے تو ہم اور زیادہ دیں گے اگر کفران نعمت کروگے تو یاد رکھو ہمارا عذاب شدید ہے۔

یہ حدیثیں تو بعمومہا مدعا پر دال ہیں۔ آگے خصوص کے ساتھ دلالت کرنے والی احادیث منقول ہیں۔

استاد اور شاگرد ایک دوسرے کو مغالطہ میں نہ ڈالے

حدیث: عن معاویہ ﷜ قال ان النبی ﷺ نھی عن الاغلوطات۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:- رسول اللہ ﷺ نے (علوم میں) مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے۔

اس سے ایک ادب استاد کا ثابت ہوا وہ یہ کہ بعض طلباء کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ کتاب میں احتمالات نکال کر استاد کے سامنے بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اور خود بھی سمجھتے ہیں کہ مہمل اعتراض ہیں، مگر اپنی ذہانت جتلانے اور استاد کا امتحان کرنے کے لئے ایسی نامعقول حرکت کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ یہ مغالطہ ہوا کہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ مقام مشتبہ ہے حالانکہ خود اپنے نزدیک بھی مشتبہ نہیں۔

اور اسی سے شاگرد کا بھی ایک حق ثابت ہو گیا وہ یہ کہ بعض مدرسین کی عادت ہے کہ کسی مقام پر خود بھی شبہ ہے مگر شاگرد پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے کچھ گڑھ مڑھ کر تقریر کر دیتے ہیں۔ گویا اس کو دھوکا دیتے ہیں کہ اس مقام کی یہی تقریر ہے حالانکہ خود بھی یہ اطمینان نہیں۔

علم دین پڑھانے والا سب سے زیادہ سخی ہے

حدیث:- عن انس بن مالک ؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ھل تدرون من اجود جوداً قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال اللّٰہ احودُ جوداً ثم انا اجود بنی آدم واجودھم من بعدی رجلٌ علم علماً فنشرہ یاتی یوم القیامۃ امیراً وحدہ۔ رواہ البیھقی۔

ترجمہ:- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟۔ انہوں نے (ازراہ ادب) عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کا نبی دانائے حال ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے، پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں سخی ہوں اور پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے کہ جس نے علم دین سیکھا اور اس کو پھیلایا یہ شخص قیامت میں تنہا بمنزلہ ایک امیر کے آوے گا۔ (بیہقی)

اس حدیث میں بعد اللہ و رسول کے سب سے زیادہ صاحب جود (سخی) اس عالم کو فرمایا ہے جو علم کو شائع کرے جس طریق سے بھی ہو خواہ تدریس سے یا وعظ و تلقین

سے خواہ تصنیف سے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی پر جود کرے اس کا کتنا حق ہوتا ہے۔ پس یہ مشیعین للعلم (علم پھیلانے والے) جن لوگوں پر جود خاص کررہے ہیں اور وہ متعلمین ہیں باقسامہم ان پران کا کیسا کچھ حق ہو جاوے گا۔

اگر استاد کسی کتاب پڑھنے سے منع کرے تو شاگرد کو اس پر عمل کرنا چاہئے

حدیث:-ان النبی ﷺ کتب امیر السریۃ کتاباً وقال لا تقراہ حتیٰ تبلغ مکان کذا و کذا فلمّا بلغ ذلک المکان قراہ علی الناس واخبرھم بامر النبی ﷺ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:-یعنی پیغمبر ﷺ نے ایک امیر لشکر کو حکم نامہ لکھ کر دیا اور (ایک مصلحت کے سبب) یہ فرمایا کہ جب تک فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ اس کو مت پڑھنا۔ چنانچہ اسی کے موافق عمل کیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے ایک ادب ثابت ہوا جو طالب علموں پر لازم ہے وہ یہ کہ استاد اگر کسی کتاب پڑھنے سے کسی خاص وقت میں منع کرے مثلاً اس کے نزدیک شاگرد کی استعداد سے زیادہ ہے، اس مصلحت سے اس وقت پڑھنے سے منع کرتا ہے تو طالب علم کو چاہئے اس پر عمل کرے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہر طرح مبارک ہی تھا اور اس کا پڑھنا اور جاننا عبادت تھا، مگر حضور ﷺ نے ایک مصلحت سے ایک وقت معین کے قبل تک اس کے مطالعہ سے منع فرمایا اور ان صحابی نے ویسا ہی کیا۔

شاگرد کے بے ڈھنگے سوال پر اگر استاد غصہ کرے تو صبر کرنا چاہئے

حدیث:- عن زید بن خالد الجھنی ان النبی ﷺ سألہ رجل عن اللقطۃ فقال اعرف وکائھا او قال وعائھا وعفاصھا ثم عرفھا سنۃ ثم استمتع بھا (ای ان کنت فقیراً والا تصدق بھا) فان جاء ربھا فادھا الیہ۔

قال فضالة الابل؟ فغضب حتیٰ احمرت وجنتاه او قال احمر وجهه۔ فقال: مالك ولها معها سقائها وحذأها ترد الماء وترعی الشجر فذرها حتیٰ یلقّٰهَا ربّها۔ الحدیث رواه البخاری۔

ترجمہ:- جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز کے پانے کا) مسئلہ دریافت کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا سربند اور ظرف پہچان لے۔ اور سال بھر تک اس کی تعریف کر۔ اگر کوئی مالک نہ ملے (اور تو محتاج ہو) تو اس سے نفع اٹھا (ورنہ صدقہ کردے) پھر اگر اس کا مالک آوے تو اس کو دیدے۔ اس سائل نے کہا کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ اس سوال سے آپ پر آثار غصہ نمودار ہوئے حتیٰ کہ رخسار ہائے مبارک سرخ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس سے کیا کام اس کے ساتھ اس کی مشک ہے اور اس کے موزے۔ پانی پر جاکر پانی پیتا ہے اور درختوں سے چارہ کھاتا ہے۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بے ڈھنگے سوال پر استاد غصہ کرے تو شاگرد کو چاہئے کہ گوارا کرے مکدر نہ ہو۔ جس طرح یہاں اس صحابی نے برانہیں مانا۔

جہاں تک ہو سکے استاد کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں

حدیث:-عن ابی هریرة ﷺ فی حدیث طویل وان ابا هریرة ﷺ كان یلزم رسول اللّٰه ﷺ بشبع بطنه ویحضر مالا یحضرون ویحفظ مالا یحفظون۔ (البخاری)

ترجمہ:- ایک طویل حدیث میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے پیٹ بھر غذا ملنے پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے۔ اس قدر اور لوگ حاضر نہ رہ سکتے اور احادیث اس قدر یاد کرتے تھے کہ لوگ نہ یاد کر سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر پیٹ بھرائی کھانا مل جاوے تو حتی الامکان استاد سے جدا نہ ہو کہ اس کی عنایت بھی بڑھ جاتی ہے اور فوائد علمیہ بھی حاصل ہوتے

ہیں اور اس کی خدمت کا بھی موقع ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے موقع پر خدمتیں لینا بھی احادیث میں وارد ہے۔

استاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش رہنا چاہئے

حدیث:- عن جریر رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال لہ فی حجۃ الوداع استنصت النّاس ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ:- جناب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش اور متوجہ رہنا چاہئے کسی سے بات نہ کرے، کسی کی طرف التفات نہ کرے۔

اگر استاد کسی بات پر ناراض ہو تو ان کو خوش کرنا چاہئے

حدیث:- عن جابر رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اتی رسول اللّٰہ ﷺ بنسخۃ من التوراۃ۔ فقال یا رسول اللّٰہ ! ھذہ نسخۃ من التوراۃ۔ فسکت فجعل یقرء ووجہ رسول اللّٰہ ﷺ یتغیر۔ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ ثکلتك الثواکل ماتری ما بوجہ رسول اللّٰہ ﷺ ۔ فقال اعوذ باللّٰہ من غضب اللّٰہ ورسولہ ۔

(الحدیث) (رواہ الدارمی)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک نسخہ توراۃ کا جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ نسخہ توراۃ کا ہے۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر روویں تجھ کو رونے والیاں۔ رسول اللہ ﷺ کے روئے انور کو تو دیکھ کہ ناخوشی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی فرمایا! پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے غصے سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے غصہ سے۔ (دارمی)

اس حدیث سے ایک حق استاد کا یہ ثابت ہوا کہ اگر وہ کسی بات پر غصہ کرے تو شاگرد کو معذرت کرنا اور اس کو خوش کرنا ضروری ہے۔ دوسرا حق شاگرد کا ثابت ہوا کہ اگر اس سے کوئی امر نامناسب صادر ہو تو اس کو متنبہ کرنا ضرور ہے اور اس سے اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ تیسرا حق شریک علم کا ثابت ہوا کہ اس کی غلطی پر جس پر وہ خود مطلع نہ ہوا، خیر خواہی سے مطلع کردے کہ وہ اس کا تدارک کرے اور وہ بھی اس کو قبول کرے۔ جیسا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے واقع ہوا۔

اہل علم اور استاد کے ساتھ ادب وتواضع سے پیش آنا چاہئے

حدیث:- فی الترغیب والترهیب للمنذری عن ابی هریرة ﷺ قال قال رسول الله ﷺ تعلموا العلم وتعلموا للعلم السکینة والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منه۔ رواه الطبرانی فی الاوسط۔

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم سیکھو اور علم کے لئے سکینہ اور وقار اختیار کرو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے ساتھ تواضع اور ادب سے پیش آؤ۔ (ترغیب وترہیب)

اس حدیث میں ترغیب علم واختیار وضع اہل علم کے ساتھ استاد کے ساتھ ادب وتواضع سے پیش آنے کا صریح امر ہے۔

استاد کے حقوق کے متعلق مختلف کوتاہیاں

اب بعد سوق نصوص کے واقعات پر نظر کر کے کچھ کوتاہیاں اس باب کے متعلق عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سو جاننا چاہئے کہ جو لوگ استاد کے حقوق ضائع کرتے ہیں جیسا کہ تمہید مضمون میں بیان کیا گیا مختلف اقسام ہیں بعض تو خود زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں۔ پھر ان میں بعضے تو ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جیسے ان کا ادب کرنا مثلاً آنے جانے کے وقت سلام نہ کرنا، اس کی طرف پشت کر کے بیٹھنا، یا ادھر

پاؤں پھیلا دینا، اور جیسے اطاعت کم کرنا، مثلاً کوئی بات مان لی، کسی بات کو ٹال دیا اور جیسے خلوص میں کمی کرنا، مثلاً اس سے فریب کرنا، جھوٹ بولنا، اپنی خطاء کی تاویل کرنا اور جیسے خدمت میں کمی کرنا، خواہ بدنی ہو، مثلاً اس کو پنکھا جھلنا، اس کا بدن دابنا۔ و مثل ذالک۔ اور خواہ مالی ہو مثلاً حق تعالیٰ نے اپنے کو وسعت دی ہے اور استاد نادار ہے۔ اس وقت اس کی خدمت میں کچھ نقد یا متاع یا طعام بطور ہدیہ کے پیش کرنا۔

اس میں ایسے منکر ہیں کہ وہ بدنی خدمت کو عار اور ذلت سمجھتے ہیں۔ اور بعض مال سے دریغ کرتے ہیں۔ خصوصاً اگر استادان کا تنخواہ دار ہو تو تنخواہ دے کر سب حقوق سے اپنے کو سبکدوش سمجھ بیٹھتے ہیں۔ واقعی پھر کوئی حق واجب تو نہیں رہتا لیکن کیا واجب کے بعد تطوع کا کوئی درجہ نہیں خصوص جبکہ اس میں اپنا ہی نفع ہو۔ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ استاد کا دل جس قدر خوش رکھا جاوے گا۔ اس قدر علم میں برکت ہوگی۔

استاد کا حق پورا نہ کرنے کے متعلق ایک عجیب حکایت

میں نے ایک جگہ کسی بہت بڑے عالم کی حکایت لکھی دیکھی ہے کہ ان کے استادان کے وطن کی طرف اتفاق سے آئے تھے۔ سو سب شاگردان کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوئے اور یہ عالم بوجہ اس عذر کے کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھے حاضر نہ ہو سکے۔ چونکہ ایسی مشغولی نہ تھی کہ حاضر ہونے سے ضروری خدمت میں کوئی حرج واقع ہوتا۔ کسی قدر سستی سے بھی کام لیا۔ استاد کو یہ کم تو جہی ناگوار ہوئی اور یہ فرمایا کہ بہ برکت خدمت والدہ کے ان کی عمر تو طویل ہوگی مگر ہمارے حقوق میں کمی کرنے کے سبب ان کے علم میں برکت نہ ہوگی۔ چنانچہ عمر تو بہت ہوئی لیکن تمام عمر گذر گئی نشر علم کے اسباب ان کے لئے جمع نہ ہوئے۔ کچھ ایسے اتفاقات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے کہ کبھی شہر میں رہنا ہی نصیب نہ ہوا۔ ہمیشہ گاؤں میں رہتے رہے۔ جہاں نہ درس و تدریس کا موقع ملا نہ دوسرے طرق اشاعت علم کا۔

غرض کہ استاد کے تکدر سے علم کی برکت جاتی رہتی ہے اور اس کی خوشی سے

برکت ہوتی ہے۔ پس جو حقوق واجب نہیں ہیں۔ ان کی رعایت کرنے سے اپنا یہ نفع ہے۔

غور کرنے کے قابل بات ہے کہ اگر استاد بھی اسی قاعدہ پر عمل کرے کہ تعلیم واجب سے زیادہ ایک حرف نہ بتلاوے ایک منٹ زیادہ نہ دے۔ تقریر ایک بار سے زیادہ ہرگز نہ کرے تو کیا اس طرح اس کو علم حاصل ہوسکتا ہے۔ وہ بے چارہ اس کی تعلیم وتفہیم میں واقعی خون جگر کھاتا ہے تو اس کو کیا زیبا ہے کہ اس کے حقوق میں ضابطہ سے ایک انگل نہ بڑھے۔ یہ تو نری بے حسی وقساوت ہے۔

کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی استاد کے حقوق میں داخل ہے

اور بعضے ایسے موٹے موٹے حقوق کی تو رعایت کرتے ہیں لیکن ایسے حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں جن کے سمجھنے میں سلیقہ کی ضرورت ہے۔ مثلاً مطالعہ کم دیکھنا جس سے یا عبارت پڑھنے میں غلطیاں ہونے سے یا مقام کے کم سمجھنے کے سبب استاد کو کئی بار تقریر کرنے کی ضرورت واقع ہونے سے یا اسی کم سمجھنے کے سبب فضول سوال کرنے سے استاد کو تنگی وانقباض وپریشانی ہوتو کیا محسن کا یہی حق ہے کہ اس کو بلاضرورت پریشان کیا جاوے اور یہاں بلاضرورت ہی ہے، کیونکہ مطالعہ کے اہتمام سے یہ سب خلجانات رفع ہوسکتے تھے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مطالعہ دیکھنے سے پھر عبارت میں غلطی یا فہم مطالب میں کمی نہیں ہوتی۔ ضرور پھر بھی ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے استادوں کو ایسی بصیرت عطا فرمائی ہے کہ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے اپنی کوشش صرف کی ہے یا نہیں۔ پس باوجود بذل جہد کے جو کمی رہ جاتی ہے وہ چونکہ اس کی وسعت سے خارج ہے اس سے طبعاً تنگدلی نہیں ہوتی، اس میں اس شاگرد کو معذور سمجھا جاتا ہے۔ اور بے پروائی اور سستی معلوم ہونے سے بے حد ناگواری ہوتی ہے۔

استاد کی تقریر کے وقت ادھر ادھر نہیں دیکھنا چاہئے

اور مثلاً استاد کی تقریر کے وقت دوسری طرف التفات کرنا کہ استاد تو اس کی

طرف متوجہ اور یہ دوسری طرف متوجہ، اس سے استاد کو بہت کوفت ہوتی ہے، خصوص ایسی حالت میں جب کہ کوئی سوال بھی کرے۔ ایسا کہ اگر توجہ سے تقریر سنتا تو پھر یہ سوال ہی نہ کرتا۔ اس وقت استاد کو سخت شکایت ہوتی ہے کہ ناحق ہی مجھ کو پریشان کر رہا ہے۔

مہمل اور لغو اور اپنی ذہانت دکھلانے کے لئے سوال نہیں کرنا چاہئے

اور مثلاً ایسا سوال کرنا جس کا جواب یا جس کی لغویت خود بھی معلوم ہے۔ جس طرح بعض طلباء کی عادت ہے کہ محض اپنی ذہانت دکھلانے یا استاد کا امتحان لینے یا محض مشغلہ وتفریح کی غرض سے دور از کار مہمل مہمل سوالات کیا کرتے ہیں۔

ایک حکایت

جیسے ایک طالب علم کی حکایت سنی ہے کہ انہوں نے حدیث میں پڑھا کہ طلوع شمس کے وقت نماز نہ پڑھو۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ "لا تصلوا" بھی عام اور طلوع شمس بھی عام خواہ کسی مقام کا طلوع شمس ہو اور یہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع ہوتا ہی رہتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ کسی شخص کو کسی وقت بھی نماز پڑھنا جائز نہ ہو۔ ہر چند کہ اس کو سمجھایا گیا بھائی جہاں کا طلوع شمس ہو وہیں کے لوگوں کو اس وقت کے اعتبار سے "لا تصلوا" کا حکم ہے۔ مگر ان بزرگوار نے مانا ہی نہیں۔ یہی فرماتے رہے کہ نہیں صاحب دونوں ہی میں عموم ہے۔ ان سے کہا گیا کہ بھائی اس سے تو نماز کی فرضیت ہی لغو ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ خواہ کچھ ہو جائے انصاف ہے۔ کیا یہ سوال قابل پیش کرنے کے ہے؟ اور کیا سچ مچ اس پاگل کو شبہ تھا۔ محض فضول دق کرنے کے لئے اس نے یہ حرکت کی اور بجائے اس کے کہ اس کے زعم کے موافق اس کی ذہانت ظاہر ہوتی اور الٹا اس کا کوڑھ مغز ہونا ثابت ہو گیا۔ ایسے طالب علموں کو کبھی علم نصیب نہیں ہوتا۔

غرض استاد کو کبھی پریشان نہ کرے، بلکہ ادب کی بات تو یہ ہے کہ اگر اور کسی سبب سے یا اور کسی کے سبب سے وہ پریشان ہو تو اس وقت یا تو سبق ملتوی کر دے یا بجز

بہت ہی ضروری بات کے زائد باتیں نہ پوچھے۔

اور مثلاً تعیین سبق یا مقدار سبق میں استاد کی رائے نہ ماننا جیسے بعض طلباء کی عادت ہے کہ باوجود استاد کی رائے معلوم ہونے کے پھر اپنی رائے پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم تو فلاں ہی کتاب شروع کریں گے۔ یا اتنا ہی سبق پڑھیں گے یا فلاں ہی شخص سے پڑھیں گے۔ ان امور میں تو طالب علم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ:

"هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون۔"

ترجمہ:- یعنی کہاں تجربہ کار اور کہاں ناتجربہ کار، اس کو تو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبودز راہ ورسم منزلہا

کنایہ است از خلاف نفس کردن نہ کہ خلاف حق کردن

یہ وہ حقوق ہیں کہ جن کے سمجھنے کے لئے سلیقہ کی ضرورت ہے۔ یہاں تک یہ سب جزئیات ہوئیں ان اضاعات حقوق کی جو زمانہ تحصیل علوم میں سرزد ہوتی ہیں۔

فراغت کے بعد کی کوتاہی

ایک قسم وہ ہے جو بعد مفارقت استاذ کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہوں، مگر عمل کا اہتمام نہیں کرتے۔ اور اس بلا میں بہت زیادہ ابتلاء ہے اور تو کیا کرتے کبھی خط بھیجنے کی اور استاد کی خیریت پوچھنے کی توفیق نہیں رہتی۔ سمجھتے ہیں کہ اب کیا علاقہ رہا۔ کیا صاحب محسن کا حق صدور احسان ہی کے زمانہ تک ہوتا ہے۔ پھر نہیں رہتا؟ اگر یہ بات ہے پس بعد بالغ ہوجانے کے والدین کے حقوق بھی رخصت ہوجاویں گے۔ ولا قائل بہ۔

پھر یہ ہے کہ گو صدور احسان کا اس وقت استاد سے نہیں ہورہا ہے، لیکن اس احسان کے آثار کا ظہور و ترتب تو اس وقت بھی ہورہا ہے، اس کا منشاء ومبداء وہی انعام

تعلیمی استاد ہی کا تو ہے و نعم ما قیل فی نحو هذا المعنی۔

فعادوا فاثنوا بالذی کان اهله

ولو سکتوا اثنت علیه الحقائب

غرض یہ ناسپاسی ہی ہے کہ اپنا کام نکالا اور الگ ہوئے۔ یہ تو پوری خودغرضی ہے۔ سپاس گذاری یہی ہے کہ ہمیشہ جب تک جان میں جان ہے وہ وقت یاد رکھے کہ جب یہ اس کے سامنے کتاب رکھ کر بیٹھتا تھا اور یہی سمجھے کہ گویا ابھی اس کے پاس سے پڑھ کر اٹھ کر آیا ہوں اور پھر پڑھنے کے لئے جانا ہے تو اس وقت جتنے حقوق کو یہ ضروری سمجھتا تھا جن کی بقدر ضرورت تفصیل بھی ہو چکی ہے وہی حقوق اب بھی باقی ہیں۔ ایسا کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ یوماً فیوماً علوم و برکات میں ترقی ہوگی۔ قال تعالیٰ ﴿لئن شکرتم لا زیدنکم﴾۔

بلکہ ان حقوق کو ایسا مستمر سمجھے کہ استاد کی وفات کے بعد بھی وہ حقوق ملحوظ رکھے جو اس وقت ادا کئے جاسکتے ہیں اور ان کا خلاصہ دو امر ہیں۔ ایک اس کے لئے ہمیشہ دعائے مغفرت کرنا۔ دوسرے اس کے اہل واقارب کی تعظیم وخدمت کرنا، اسی طرح استاد کے دوستوں اور معاصرین کا احترام کرنا اور اگر ان کو حاجت ہو تو ان کی خدمت کرنا۔

احادیث میں اس قسم کے حقوق والدین کے لئے آئے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو بعد وفات نبویہ آپ ﷺ کے اہل کی خدمت کریں گے اور آپ ﷺ کی عزت سے محبت رکھیں گے۔

اب صرف ان مضیعین حقوق استاد میں سے وہ لوگ رہ گئے جن کو میں نے تمہید میں بدنصیب کہا ہے۔ یعنی جو نفسانی اغراض سے استاد کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ ان کی شان میں تقریراً یا تحریراً گستاخی کر کے ان اشعار کا مصداق بنتے ہیں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب

بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق
باشد اودر لجۂ حیرت غریق
بذر گستاخی کسوف آفتاب
شد عزازیلے زجرأت ردباب

استادتو وہ چیز ہے کہ اگر بضرورت دینیہ بھی اس کے خلاف کرنا پڑے تب بھی کافرباپ کی طرح دین کے باب میں تو اس کی موافقت نہ کرے لیکن ادب اوراحترام اس کا ترک نہ کرے، کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا یعنی روحانی باپ ہے۔ گوتعارض حقوق کے وقت باپ سے یہ مرجوح ہو، مگر حقوق غیر متعارضہ میں تو اس کا بھی وہی حکم ہے۔ آخر جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں اسی تربیت روحانیت وتعلیم دینی ہی کے سبب تو یہ ارشادہوا ہے۔

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم وازواجه امهاتهم وفی بعض القرآن وهو أب لهم۔

پس استاد بھی آپ کا وارث ونائب ہے گو اس درجہ میں نہ سہی ۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حقوق ،علی الاطلاق آباءنسبیہ پرمقدم ہے اس وجہ سے کہ آپ کے حقوق حقوق الٰہیہ ہیں جوسب پرمقدم ہیں یہ مختصر بیان ہوااقسام مضیعین حقوق وآداب اساتذہ کا۔

تنخواہ دینے سے استاد کے حقوق سے سبکدوش نہیں ہوجاتا

ان سب اقسام میں ایک مشترک شکایت ہے وہ یہ کہ جواساتذہ کسی مدرسہ سے تنخواہ پاتے ہیں ان کے حقوق اوربھی ضعیف سمجھتے ہیں افسوس یہ نہیں سمجھتے کہ جو بناء ہے ان حقوق کی وہ تنخواہ پانے سے منعدم نہیں ہوگئی تو مبنیٰ کیسے مفقود ہوجاوے گا اول تو تنخواہ کیا اس احسان کا بدل ہوسکتی ہے؟ دوسرے وہ تنخواہ انہوں نے جوبھی دی ہو اس سے زیادہ اس نے ان کودیا۔

اوراگر کہا جاوے کہ جب نیت اس کی دنیا کی تھی تواحسان کم ہوگیا یہ بھی محض

غلط ہے ثواب خواہ کم ہو جاوے مگر احسان تو ویسا ہی ہے اور شاید اس مقام پر بعض کو یہ خیال ہو کہ ہم فلاں استاد کے بہت حقوق ادا کرتے ہیں تو تتبع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نرا استاد سمجھ کر حقوق ادا کم کرتے ہیں جس استاد کے حقوق کچھ ادا ہوتے ہیں ان میں کوئی دوسرا کمال بزرگی وغیرہ کا سمجھ کر ایسا کرتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ جہاں نری استادی ہو وہاں کیا ہوتا ہے اگر وہاں بھی رعایت حقوق کی ہو تو قابل مدح وتحسین ہے اسی طرح بعض اساتذہ کو جاہ دنیوی حاصل ہونے سے اس کی تعظیم وتکریم کی جاتی ہے وہ بھی کوئی دلیل شاگرد کی خوبی کی نہیں وہ اس سے خود اپنی بڑائی کا سامان کرتا ہے چنانچہ اگر استاد جاہ شہرت میں شاگرد سے کم ہوتا ہے تو بعض ناخلف اپنے کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے عار کرتے ہیں اگر ایسے استاد کا بھی حق ادا کرے تو مبارک حالت اور قابل قدر ہے۔

شاگرد کے حقوق

اب بعد بیان حقوق وآداب معلم کے اسی طرز مذکور پر کچھ حقوق متعلم یعنی شاگرد وغیرہ کے بیان کرتا ہوں کہ اولاً بعض نصوص اور ثانیاً بعض جزئیات از قبیل واقعات مذکور ہوں گے۔

شاگرد کے ساتھ نرمی اور ان کی استعداد کی رعایت کرنی چاہئے

آیت نمبرا: ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن ۔

ترجمہ: بلا خدا کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور مناظرہ کر اچھا اور نرم طریق سے۔

اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ مستفیدین کے ساتھ اگرچہ وہ طالب نہ ہوں، کیونکہ آیت میں مدعوین ایسے ہی لوگ ہیں رعایت انکے مذاق واستعداد اور رفق وملاطفت کی رکھنا چاہئے اور اگر طالب ہوں جیسے بالمعنی المتعارف طالب علم وغیرھم تو

ان کے ساتھ تو رعایت مذکور نہایت درجہ ضروری ہے ان کے ساتھ ابتدائی خطاب میں بھی مثلاً کتاب کی تقریر میں کہ ادع میں بھی ابتدائی خطاب مراد ہے، اور ان کے سوالات کے جوابوں میں بھی خواہ تحقیقی جواب ہو یا الزامی کہ جادلھم سے یہی مقاولت مراد ہے۔

لوگوں کو دینی نفع پہنچانا علماء پر واجب ہے

آیت نمبر۲: کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر ، الایة مع قوله تعالیٰ السابق : ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ۔الآیة ۔

ترجمہ: تم بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے ہو اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو، تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ خیر کی طرف لوگوں کو بلائے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو لوگوں کے نفع دینی پہنچانے کے لئے (کما یدل علی النفع الام وعلی تفسیره بالامر والنهی) پیدا کیا ہے اور یہ نفع پہنچانا ان پر واجب ہے (کما یدل علیه صیغة الامر) پس اس صورت میں مستفیدین پر اپنا احسان سمجھ کر ان کو بے وقعت سمجھنا اور ان پر حکم چلانے میں حد سے تجاوز کرنا ان پر محض براہ کبر سختی کرنا نہایت نازیبا امر ہے وہ اگر اپنی خواہش سے استفادہ کرتے ہیں تو گویا ادائے واجب میں معلم کے معین ہیں۔

پس ان کے ساتھ اقل درجہ ایسا معاملہ کرنا چاہئے جیسا اپنے معین فی الدنیا کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ایسے طریقے سے پیش آنا چاہئے جس سے ان کو نفع پہنچے (الذی هو مقتضی الامر) اور ظاہر ہے کہ ایسی سختی یا بے وقعتی یا بے پروائی کی حالت میں ان کا نفع مفقود ہے یا ناقص ہو جاتا ہے خصوصاً ان کے سوال کے جواب میں جب وہ سوال تعنت وعناد سے نہ ہو زجر میں شدت کرنا عموم ارشاد خداوندی (امـــا

السائل فلا تنهر) (یعنی سائل کومت جھڑکئے) کے بھی خلاف ہے یا بدون ان کے کسی مصلحت کے محض اپنی بڑائی اور اس کی برائی ظاہر کرنے کو ان پر اس طرح احسان رکھنا اور اپنے احسان کو جتلانا کہ جس سے ان کی تحقیر یا ان کی اذیت ہو آئندہ ارشاد خداوندی کے خلاف ہے۔

آیت نمبر۳: ثم لایتبعون ماانفقوا منا ولا اذی) الایة بعد تعمیم تفسیر قوله :ومما رزقناهم ينفقون ۔ کما نقله البيضاوی مما رزقناهم من انوار المعرفة يفيضون۔

ترجمہ: صدقہ دے کر احسان نہیں جتاتے اور نہ کسی قسم کی تکلیف دیتے ،اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں جیسا کہ نقل کیا اس کو بیضاوی نے یعنی جو ہم نے انوار معرفت ان کو عطا کئے ہیں لوگوں پر ان کا فیضان کرتے ہیں۔

طالب علم کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کی وصیت

حدیث نمبرا: عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الناس لكم تبع وان رجالا ياتونكم من اقطار الارض يتفقهون فى الدين فاذا اتوكم فاستوصوا بهم خيرا۔ (رواه الترمذی)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اورلوگ تمہارے تابع ہیں تمہارے پاس دور دراز ملکوں سے لوگ علم دین سیکھنے اور سمجھنے کو آویں گے ان کے بارے میں میری وصیت کے موافق بھلائی سے پیش آنا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص علم دین طلب کرنے کے لئے آوے ، اس کے حق میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی اور حسن معاملہ کی وصیت فرماتے ہیں گو ابھی تحصیل بھی شروع نہیں کی اور بعد تحصیل کے تو اور بھی تعلقات وخصوصیات جو کہ مقتضیات زیادت وتاکید حقوق ہیں زائد ہوں گے۔

پس حقوق اور بھی کما وکیفاً کثیر اور قوی ہو جائیں گے اور چونکہ دوسرے

نصوص سے صاحب افادہ کو تنگ کرنے کی ممانعت ثابت ہے، کما قال تعالیٰ ولا یضار کاتب ولا شهيد۔ آية ۔یعنی لکھنے والے اور گواہ کو تکلیف نہ پہنچانا چاہئے۔

اس سے یہ بھی مفہوم ہوگیا کہ طلباء کو بھی اپنی حوائج علمیہ وما یتعلق بہا کی درخواست معلمین اور مہتممین سے اسی درجہ تک کرنی چاہئے کہ ان کو کلفت نہ ہو، یہ ان کے ذمہ واجب نہیں کہ جتنے طلباء آویں سب کے لئے طبق اور سبق کا انتظام ضرور ہی کردیا کریں البتہ بشرط سہولت اس کا انتظام اور پھر بعد کام شروع کردینے کے ان کے مصالح علمیہ کی رعایت حسب حدیث ضروری ہے۔

کسی مقام کی غلط تقریر کرنا یا کسی سائل کو غلط مسئلہ بتلانا جائز نہیں

حدیث نمر۲: عن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من حدث عنی بحدیث یریٰ انه کذب فهو احد الكاذبين ۔ (رواه مسلم)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی بات بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ تو جھوٹ ہے وہ جھوٹا ہے۔ (مسلم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سبق کی تقریر میں غلط مطلب بتلا دینا یا مستفتی کو غلط مسئلہ بتلا دینا یہ حرام ہے جیسا بعض مدرسین و مفتین کی عادت ہے کہ طالب علم یا سائل سے اپنا جہل چھپانے کے لئے غلط سلط ہانک دیتے ہیں اور اگر طالب علم قبول نہیں کرتا اور کچھ خدشہ کرتا ہے کبھی مغالطات وتلبیسات سے اور کبھی غضب اور سب وشتم سے اس کو خاموش کردیتے ہیں اتنا کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ مقام ہماری سمجھ میں نہیں آیا پھر سوچیں گے، یا یہ کہ دوسرے مدرس سے خود پوچھ لیں یا اس طالب علم ہی کو پوچھنے کی اجازت دیدیں اس سے عار آتی ہے حالانکہ یہ کوئی عار کی بات نہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون عالم ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے سوالوں پر لاادری فرمادیا اور جب وحی نازل ہوئی اس وقت بتلادیا اور واقعی جب احاطہ کل علوم

کا خاصہ حق تعالیٰ جل شانہ کا ہے تو بعض چیزوں کا نہ جاننا ممکن کے لوازم سے ہے تو اس لازم کا اگر اقرار کرلیا تو کون سی نئی بات ہوئی بلکہ واقع میں تو غیر معلومات عدد میں معلومات سے زیادہ ہی ہیں۔ قال تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۔اور تم کو تو بہت تھوڑا علم دیا گیا۔

تھانوی رحمہ اللہ کے استاد کی حکایت

میرے ایک ابتدائی کتب کے استاد علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک حکایت بیان فرمائی تھی کہ انہوں نے کسی معلم سے فارسی پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے کہا کہ بھائی پڑھنے سے پہلے یہ سن لو کہ تم مجھ کو عالم الکل سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہو یا عالم البعض اگر شق اول ہے تو بھائی مجھ کو معاف رکھو کیونکہ میں عالم الکل نہیں اور اگر ثانی ہے تو بے شک مجھ میں یہ صفت ہے لیکن اس کے مقتضاء سے کبھی یہ بھی ہوگا کہ کسی مضمون کی نسبت یہ کہہ دوں گا کہ مجھ کو معلوم نہیں تو مجھ کو پریشان مت کرنا اور دوسری جگہ حل کر لینا۔

سبحان اللہ کیسی پاکیزہ بات انہوں نے کہی۔پس یہی سمجھنا ہر عالم پر ضروری ہے۔

اسی طرح اگر اولاً اپنی غلطی معلوم نہ ہوئی لیکن بعد تقریر کے از خود یا طالب کے متنبہ کرنے سے اطلاع ہوگئی تو چاہئے کہ معاً اسی تقریر سے اپنا رجوع ظاہر کردے ورنہ غلط تقریر کرنے میں یا غلطی پر اڑے رہنے میں چند خرابیاں ہیں ایک تو گناہ جیسے حدیث موصوف سے معلوم ہوا اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ تو تصرف حدیث کیساتھ خاص ہے بات یہ ہے کہ جتنے علوم دینیہ ہیں سب حکایت عن الرسول ہیں،خواہ لفظاً یا معناً (و من ثم قیل ان القیاس مظہر لا مثبت)۔

اور جتنے علوم آلیہ ہیں وہ علوم دینیہ کے تابع ہیں و التابع لہ حکم المتبوع ۔

پس اس طرح سے اس حدیث کا مضمون تمام علوم مقصودہ ومبادی للمقصودہ کو عام ہے پس غلط تقریر یا اس پر اصرار کرنے میں گناہ ہونا ان سب میں عام ہے ایک خرابی یہ ہوئی۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر طالب علم کو معلوم ہو گیا کہ یہ تقریر غلط ہے تب تو طبعاً استاد سے تنفر اور اس کی تحقیر قلب میں پیدا ہو گئی اور اس کے ہوتے ہوئے پھر حقوق استادی کا ادا کرنا سخت دشوار ہے تو یہ فعل استاد کا اخلال بالواجب کا سبب ہوا اور اعانت معصیت معصیت ہے اور اگر طالب علم کو پتہ نہ لگا تو وہ بے چارہ عمر بھر کے لئے جہل میں مبتلا ہوا پھر یہی سلسلہ آگے معلوم نہیں کہاں تک چلے گا پھر اس کا وبال کی کوئی حد ہے؟ ذرا سی عار پر نار کو اختیار کرنا، کون سی عقل یا دین کی بات ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ استاد کے اخلاق اکثر تلمیذ میں سرایت کرتے ہیں یہی ہٹ دھرمی اور سخن پروری کی صفت ذمیمہ اس میں پیدا ہو جاوے گی اور استاد صاحب اس حدیث کے مصداق بنیں گے۔ من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده ۔ الحديث رواه مسلم یعنی جو شخص کوئی برا کام جاری کرتا ہے اس کو اس پر بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو بھی یہ کام کرے گا اس کا بھی گناہ ہوگا۔

بہر حال گناہ بھی اور شاگرد کے حقوق کی اضاعت بھی، گناہ کی تقریر ہو چکی اضاعت حقوق ظاہر ہے کہ اس کی خیر خواہی کے خلاف، اس کے واجب کا اتلاف، اس کے اخلاق کا افساد، اس کو جہل میں مبتلا کرنا کہ ایک قسم کا غش اور خیانت ہے چنانچہ ذیل میں خصوص کے ساتھ اس سے تعرض ہے۔

بغیر علم کے مسئلہ بتانا جائز نہیں

حدیث نمبر ۳: عن ابی هريرة رضی اللہ عنه قال قال رسول الله ﷺ من افتى بغير علم كان اثمه على من افتاه ومن اشار على اخيه بامر يعلم ان الرشد فی غيره فقد خانه۔ (رواه ابو داؤد)

کسی سائل کو کسی نے بلا علم مسئلہ بتا دیا تو اس کا وبال اس بتانے والے پر ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی مسلمان کو مشورہ دیا اور جانتا ہے کہ مشورہ ٹھیک نہیں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی۔ (ابوداؤد)

اس حدیث میں غلط مسئلہ بتلانے کا گناہ ہونا اور غلط بات بتلا دینے کا (جس میں دین کی بات بھی آ گئی) خیانت ہونا صاف منصوص ہے۔

اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو کہہ دے کہ معلوم نہیں، اپنی طرف سے نہ کہے

حدیث نمبر۴: عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه قال یا ایها الناس من علم شیئاً فلیقل به ومن لم یعلم فلیقل اللّٰه اعلم فان من العلم ان یقول لما لایعلم اللّٰه اعلم قال اللّٰه تعالیٰ قل مااسئلکم علیه من اجر ومااanامن المتکلفین ۔ متفق علیه

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ بتا دے اور جو نہ جانتا ہو اس کو چاہئے کہ کہہ دے کہ اللہ جاننے والا ہے کیونکہ یہ کہہ دینا بھی علم کی بات ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! کہہ دو کہ میں تم سے مزدوری نہیں مانگتا اور نہ میں تکلیف کرنیوالوں میں سے ہوں (کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ کہہ دوں)۔ (رواہ بخاری ومسلم)

اس حدیث میں صریح تاکید ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو کہہ دے کہ معلوم نہیں پس تقریر سبق میں بھی اس پر عمل کرنا علم اور طالب علم دونوں کا حق ہے۔

شاگردوں کے نشاط وشوق رکھنے کی بھی رعایت کرنی چاہئے

حدیث نمبر۵: عن شقیق قال کان عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه یذکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل یا ابا عبد الرحمن لو ددت انك ذکرتنا فی کل یوم قال اما انه یمنعنی من ذالك انی اکره ان املکم وانی اتخولکم بالموعظة کما کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یتخولنا بها مخافة السامة علینا ۔ متفق علیه

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت روز وعظ کیجئے، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے روز وعظ کہنے سے یہ امر مانع ہے کہ میں تم کو ملول نہیں کرنا چاہتا اور تمہاری خبر گیری اور نگہداشت ایسی ہی کرتا ہوں جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری خبر گیری فرمایا کرتے تھے کہ ہم ملول نہ ہوں۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے مستفدین للعلوم کا ایک حق یہ معلوم ہوا کہ ان کے نشاط وشوق کے باقی رکھنے کو بھی رعایت کرے پس اس میں یہ بھی داخل ہوگیا کہ سبق اتنا نہ بڑھاوے اسی طرح کتابیں اتنی نہ شروع کراوے کہ اکتا جاویں اور اگر وہ اس مقدار کی متحمل بھی نہ ہوں یعنی اس کا مطالعہ اور تکرار وضبط دشوار ہو تو بدرجہ اولیٰ محل منع ہوگا، اسی طرح وقت میں اس کی رعایت کریں کہ ان کی طبیعت تازہ ہو، کھانے کا تقاضا کسل اور اسی طرح نیند کا غلبہ یا اور کسی سبب سے دماغ پریشان نہ ہو جیسے بعض مدرسین طلبہ کو ان امور کے اہمال سے اس قدر زچ کردیتے ہیں کہ یا تو وہ بھاگ جاتے ہیں یا استعداد حاصل نہیں ہوتی اور وہ اسی میں مست ہیں کہ ہم طلبہ کے ساتھ خوب محنت کرتے ہیں حالانکہ وہ سب محنت اکارت جاتی ہے اسی کی نظیر ہے ارشاد حق تعالیٰ کا یہ مضمون "الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا"۔ الایۃ

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی اور (وہ بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔

اسی طرح ہفتہ میں کم از کم ایک روز کی تعطیل ہونا ضرور ہے بعضے تعطیل میں بھی طالب علموں کی جان مارتے ہیں اور اسکو اپنی بڑی کارگزاری سمجھتے ہیں۔ ؎

دوستی بے خرد چوں دشمنی است

نااہلوں کا دینی خدمات کا متولی بننا قیامت کی علامت ہے

حدیث نمبر۶: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل قال

النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔

(بخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دینی خدمات نالائقوں اور نااہلوں کے سپرد ہو جاویں تو قیامت کا انتظار کرنا چاہئے۔ (بخاری)

اس حدیث کے عموم میں یہ بھی داخل ہو گیا کہ اگر کسی طالب علم کا کوئی سبق کسی دوسرے کے سپرد کرے تو اس کا لحاظ رکھے کہ وہ شخص اس کا اہل ہو، اگر ناقابل و بد استعداد یا غیر شفیق کو سپرد کرے گا تو شرعاً مذموم ہو گا یہ بھی شاگرد کا ایک حق ہے۔

شاگرد کے تین حقوق

حدیث نمبر۷: عن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما قال تخلف عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفرة سافرنا ها فادرکنا وقد ارهقنا الصلوة ونحن نتوضأ فجعلنا نمسح علی ارجلنا فنادیٰ باعلیٰ صوته ویل لاعقاب من النار مرتین او ثلاثا۔ (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آ گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے، جلدی کی وجہ سے ہم نے پاؤں دھونے میں بہت جلدی کی کہ کچھ سوکھا رہ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر دو تین بار فرمایا خبردار ہو جاؤ عذاب دوزخ ان ایڑیوں کے لئے جو سوکھی رہ جاویں۔ (بخاری)

حدیث سے تین حق شاگردوں کے ثابت ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ صرف ان کے تعلیم علوم ہی پر اکتفا نہ کرے، بلکہ ان کے اعمال و اخلاق کی بھی حتی الامکان نگرانی رکھے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کے پاؤں کے خشک رہ جانے پر متنبہ فرمایا، اور یہ بات بالکل ہی مسدود ہو گیا ہے اساتذہ صرف سبق پڑھا دینے کو ضروری سمجھتے ہیں تعلیم کے ساتھ تربیت کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور علمی غلطی پر متنبہ نہ

کرنا تو اور بھی غضب ہے کیونکہ اس کا تو انہوں نے بالتصریح التزام کیا ہے جیسا کہ بعض معلمین قرآن کی عادت دیکھی گئی ہے کہ شاگرد پہلو میں بیٹھا ہوا غلط پڑھ رہا ہے اور یہ بہرے گونگے بنے بیٹھے ہیں اور اس سے بدتر یہ ہے کہ بعضے اساتذہ شاگردوں سے ایسے کام لیتے ہیں کہ ان کے اخلاق اور تباہ ہوتے ہیں تو اگر اصلاح نہ کرے تو فساد تو نہ کرے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی وجہ سے احتمال ہو کہ بدون آواز بلند کئے ہوئے آواز نہ پہنچے گی مثلاً درس بڑا ہے یا اور کوئی عارض ہے تو بلند آواز سے تقریر کرنا حق ہے شاگرد کا ورنہ تقریر ہی بیکار ہے، دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح با آواز بلند فرمایا۔

تیسرے اگر احتمال ہو کہ ایک بار تقریر کرنے سے طلباء نے نہ سمجھا ہوگا تو دوسری تیسری بار بھی تقریر کر دینا مناسب ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین بار فرمایا:

اور آئندہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت مستمرہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حدیث نمبر۸: عن انس رضی اللّٰہ عنہ ان کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثۃ حتیٰ تفھم عنہ۔ (رواہ البخاری)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات مہتم بالشان فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے کہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ (بخاری)

یہ حدیث فائدہ ثالثہ مذکورہ حدیث سابق میں نص ہے۔

کبھی کبھی شاگرد سے امتحان بھی لینا چاہئے

حدیث نمبر۹: عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان من الشجرۃ شجرۃ لایسقط ورقھا وانھا مثل المسلم فحدثونی ما ھی فوقع الناس فی شجر البوادی، قال عبد اللّٰہؓ وقع

فی نفسی انها النخلة فاستحیت ثم قالوا حدثنا ماهی یارسول اللّٰه؟ قال ھی النخلة ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک ایسا درخت ہے کہ وہ پت جھڑ نہیں ہوتا اور مثل مسلم کے ہے بتاؤ وہ کیا ہے؟ سب لوگ جنگل کے درختوں کو سوچنے لگے کہ کون سا درخت اس شان کا ہے میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے مگر چونکہ میں چھوٹا تھا اس لئے میں نے حیا کی اور چپ رہا پھر لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشاد فرمائیے کہ کون سا درخت ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجور کا درخت ۔ (بخاری)

اس حدیث سے طلباء کے امتحان لینے کے محمودیت نکلتی ہے جس کے فوائد مشاہد ہیں، پس ان فوائد کے اہتمام کے لئے امتحان لینا یہ بھی من جملہ حقوق تلامذہ ہے۔

تعلیم میں شاگرد کی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہئے

حدیث نمبر۱۰: قال علی رضی اللّٰه عنه حدثوا الناس بما یعرفون، اتحبون ان یکذب اللّٰه و رسوله ۔ (رواہ البخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے ایسی بات کرو وہ سمجھیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں ۔ (بخاری)

اس حدیث سے ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ طالب علم کی تعلیم میں اس کے فہم واستعداد کا لحاظ رکھے اور اسی کے لحاظ سے ترتیب کتب ومقدار وعدد سبق تجویز کرے جیسا کہ ارشاد حق " کونوا ربانیین " کی ایک تفسیر امام بخاری نے یہ بھی نقل کی ہے۔

الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کباره۔

حدیث آئندہ سے بھی مرفوعاً اس کی اصل نکلتی ہے۔

کوئی فن یا کوئی کتاب کسی خاص طالب علم کے لئے مضر ہو تو اس کو اس سے روکنا چاہئے

حدیث نمبر۱۱: عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال ذکر لی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لمعاذ رضی اللّٰہ عنہ من لقی اللّٰہ لایشرك به شیئا ، دخل الجنة قال ألا ابشربه الناس قال انی اخاف ان یتکلوا ۔(رواہ البخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص مرے اور خدا سے ملے اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا حضرت معاذ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤں؟ فرمایا کہ مت سناؤ کیونکہ میں خوف کرتا ہوں کہ اس پر تکیہ کرلیں گے۔ (بخاری)

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ باوجود کہ یہ مضمون من لقی اللّٰہ الخ کا مقاصد عظیمہ شرعیہ سے تھا مگر بعض لوگوں تک اس کا پہنچنا اس لئے پسند نہیں کیا گیا کہ وہ اس سے متضرر ہوتے ، پس اسی طرح جو کتاب یا کوئی فن کسی خاص طالب علم کے لئے نامناسب ہو اس کو اس سے روکنا بذمہ معلم لازم ہے اور اس طالب علم کو بھی اس میں اطاعت ضروری ہے۔

شاگردوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنا چاہئے

حدیث نمبر۱۲: عن انس رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا ۔ رواہ البخاری

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دینی امور میں لوگوں سے آسانی کرو، تکلیف میں مت ڈالو، خوش خبری سناؤ دین سے نفرت مت دلاؤ۔ (بخاری)

اس حدیث کے عموم سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے ساتھ درس میں بھی تیسیر وعدم تنفیر کی رعایت رکھے تقریر بھی ایسی صاف وسلیس کرے جو ذہن نشین ہو جاوے ،

مقدار واعداد سبق میں بھی اس پر زیادہ بار نہ ڈالے ،اسی طرح ایک حق یہ بھی معلوم ہوا کہ تنبیہ وتادیب میں اتنی سختی نہ کرے کہ شاگرد کو وحشت ہو جاوے اس میں میاں جی لوگ بکثرت مبتلا ہیں۔

شاگرد کے لئے اللہ تعالیٰ سے علم نافع کی دعا بھی کرنی چاہئے

حدیث نمبر۱۳: عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال ضمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال اللّٰھم علمہ الکتاب ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سینہ سے لگالیا اور یوں فرمایا کہ یا اللہ! اس کو قرآن کا علم عطا فرمادے۔

(بخاری)

اس حدیث سے شاگرد کا حق علاوہ تعلیم کے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لئے حق تعالیٰ سے دعا بھی کیا کرے کہ اس کو علم نافع عطا ہو۔

شاگرد کی دلجوئی کے متعلق ایک مثال

حدیث نمبر۱۴: عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یقول بینما انا نائم اتیت بقدح لبن فشربت حتی انی لاری الریّ یخرج فی اظفاری ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قالوا فما اولت یا رسول اللّٰہ ؟ قال العلم۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خواب میں مجھے ایک پیالہ دودھ کا دیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا کہ ناخن تک سیرابی کا اثر محسوس ہوا، پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر رضی اللہ عنہ کو دیدیا ،لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اس کی تعبیر کیا ہوئی ؟ فرمایا دودھ سے مراد علم ہے۔(بخاری)

اس حدیث سے دو امر معلوم ہوئے ،ایک باعتبار صورت لبن کے ایک باعتبار

معنی لبن کے، اول یہ کہ شاگرد کو گاہ گاہ اپنے کھانے پینے میں بھی شریک کرلیا کرے کہ اس کا دل بڑھتا ہے، اور محبت زائد ہوتی ہے جس قدر اس کو استاد سے محبت ہوگی اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔

دوسرا یہ کہ اگر اللہ کسی کو کوئی باطنی برکت عطا فرماوے تو شاگرد سے اس کو دریغ نہ کرے، غرض غذا ظاہری و باطنی کا کچھ حصہ اس کو بھی دیدے۔

اگر کوئی بات غصہ کی صورت میں کہنے سے شاگرد کے لئے بہتر ہو تو اس صورت میں کہے

حدیث نمبر ۱۵: عن ابی مسعود الانصاری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رجل یا رسول اللّٰہ الا اکاد ادرك الصلوۃ مما یطول بنافلا ن ، فما رائیت النبی صلی اللّٰہ فی موعظۃ اشد غضبا من یومئذ ۔ فقال یا ایھا الناس انکم منفرون ، فمن صلی بالناس فلیخفف ، فان فیھم المریض و الضعیف و ذا الحاجۃ ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں شخص نماز طول کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نہ پاسکوں (یعنی بد دل ہو کر جماعت چھوڑ دوں) تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر برافروختہ ہوئے کہ ایسے کبھی میں نے برافروختہ ہوتے آپ ﷺ کو نہ دیکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو جو آدمی نماز میں امامت کرے اس کو چاہئے کہ (قرأت میں) تخفیف کرے کیونکہ مریض اور ضعیف اور حاجت مند سب قسم کے لوگ نماز میں ہوتے ہیں۔ (بخاری)

اس حدیث سے دو امر متعلق طالب علموں کے ثابت ہوئے ایک یہ کہ اگر کچھ اسباق کسی اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد کئے جاویں اور وہ طالب علم اس کی شکایت کرے تو شکایت سننا چاہئے اور تحقیق کے بعد اس کا انتظام کرنا چاہئے یہ نہیں کہ

محض اس کے طالب علم ہونے کے سبب اس کو اور اس کی بات کو محض لاشئے سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی امر نامناسب صادر ہو اور کسی طور سے معلوم ہو جاوے کہ غضبناک ہو کر کہنے سے زیادہ نفع ہوگا تو وہاں اس کی مصلحت کے واسطے غصہ ہی کرنا افضل ہے، جس سے اس کی اصلاح کامل ہو جاوے۔

اگر مصلحت ہو تو تقسیم اوقات اور جماعت بندی کی جا سکتی ہے

حدیث نمبر ۱۶: عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال قال النساء للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم غلبنا ۔۔۔ الرجال فاجعل لنا یوما من نفسك فوعدھن یوما ولقیھن فیہ فوعظھن وامرھن ۔ الحدیث (رواہ البخاری)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم پر مرد غالب ہو گئے کہ آپ کا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا، ہمارا بھی ایک دن مقرر کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے وعظ و نصیحت اور احکام الٰہی سنانے کا ایک دن مقرر فرمایا۔ (بخاری)

اس حدیث سے تعیین و تقسیم اوقات و جماعت بندی طلبا، کا مصلحت ہونا معلوم ہوتا ہے، جن میں سے ایک عظیم مصلحت یہی ہے کہ ہر ایک کے لئے جدا سبق مناسب ہے تو سب ایک میں کیسے مجتمع ہو سکتے ہیں چنانچہ مورد حدیث میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ بعض احکام خاص عورتوں ہی کے مناسب ہوتے ہیں وہ مستقل خطاب میں اچھی طرح مفہوم اور اوقع فی النفس ہوتے ہیں۔

اگر استاد کو کسی ایک بات پر غصہ آ جائے تو دوسری بات پر اس کا اثر نہ رہنا چاہئے

حدیث نمبر ۱۷: عن زید بن خالد الجھنی رضی اللّٰہ عنہ فی حدیث طویل بعد السوال عن لقطۃ الابل وغضبہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فضالۃ

الغنم ؟ قا ل (صلی اللّٰہ علیہ و سلم) لك و لا خيك او للذئب (رواہ البخاری)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں اونٹ کے لقطہ کے سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہونے کے بعد یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ سائل نے عرض کیا کہ کھوئی ہوئی بکری کا کیا حکم ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بکری تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیا کے لئے۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی طالب علم پر کسی بے ڈھنگے سوال پر غصہ کیا جاوے اور اسکے بعد پھر وہ کوئی معقول سوال کرے تو اس کے جواب میں پہلے غصے کا اثر نہ آنا چاہئے اور اس سے زیادہ اثر نہ رکھنے کا محل وہ ہے کہ جب دوسرا طالب علم کوئی بات پوچھنے لگے وہاں تو بدرجہ اولی پہلا اثر نہ آنے پاوے، بعض جھلے مزاج کے استاد ایک پر خفا ہوئے تو بس اب ختم درس تک سب ہی پر برستے رہیں گے۔

استاد کی تقریر میں کوئی شبہ ہوا اور طالب علم اس کو پوچھنے لگے تو ناخوش نہ ہو

حدیث نمبر ۱۸: ان عائشة رضی اللّٰہ عنها زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم كانت لاتسمع شيئاً لاتعرفه الا راجعت فيه حتى تعرفه وان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من حوسب عذب قالت عائشة رضی اللّٰہ عنها فقلت اوليس يقول اللّٰہ عزوجل فسوف يحاسب حسابا يسيرا، قالت فقال انما ذلك العرض ولكن من نوقش الحساب يهلك ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں سنتی تھیں کہ جو ان کو معلوم نہ ہو تو برابر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کرتی تھیں یہاں تک کہ سمجھ لیتی تھی، ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حساب میں گرفتار ہوا وہ عذاب میں مبتلا ہوا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ حساب آسان کیا جائیگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: کہ یہ پیشی ہے ورنہ جس سے مناقشہ کیا گیا حساب میں، وہ ہلاک ہو گیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر استاد کی تقریر میں کوئی شبہ رہے اور طالب علم اس کو پوچھنے لگے تو نازک مزاج سے ناخوش نہ ہو البتہ اگر فضول سوال ہو تو ناخوشی کا اظہار بھی جائز ہے جیسا کہ اوپر حدیث میں لقط ابل کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برہم ہونا مذکور ہے۔

اگر طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر معلوم ہو تو کرنی چاہئے

حدیث نمبر۱۹: عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قلت یا رسول الله انی اسمع منك حديثا كثيرا انساه قال ابسط ردائك فبسطته فغرف بيديه، ثم قال ضم، فضممته فما نسيت شيئابعد۔ (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلا، میں نے چادر پھیلا دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اس پر لگا دیئے اور فرمایا کہ اس چادر کو اپنے سینہ سے لگا لے، میں نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا تو اس کی برکت سے پھر کچھ نہ بھولا۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر اگر اپنے علم وقدرت میں ہو تو مقتضاء شفقت یہ ہے کہ اس کے مشورہ اور سعی کا اہتمام فرما دے۔

شاگرد کے سوال کے جواب میں اگر ضروری اور مفید باتوں کا اضافہ ہو سکے تو کرے

حدیث۲۰: عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم ان رجلاً سال ما يلبس المحرم، فقال لا يلبس القميص والعمامة

ولا السراويل ولا البرنس ولا ثوباً مسه الورس او الزعفران فان لم يجد النعلين فيلبس الخفين وليقطعها حتى يكون تحت الكعبين ۔(رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم میں کیا کپڑا پہنے؟ فرمایا: کرتہ اور عمامہ اور پاجامہ اور باران کوٹ اور ورس وزعفران کا رنگا ہوا نہ پہنے جوتا نہ ہو تو موزے پہنے اور ان کو جوتا کی طرح کاٹ لے کہ ٹخنہ سے نیچے رہیں ۔(بخاری فی باب من اجاب السائل باکثر مما سالہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طالب علم کوئی بات پوچھے مگر کوئی اور ضروری بات پوچھنے سے رہ جاوے تو شفقت کا مقتضاء یہ ہے کہ صرف اس کے سوال کے جواب پر اکتفا نہ کرے، بلکہ وہ دوسری بات از خود بتلا دے۔

یہاں تک یہ بیس حدیثیں اس باب میں ہوئیں ، اور اتفاق سے ان حدیثوں کا عدد حقوق معلم متعلقہ حدیثوں سے مضاعف بلا قصد ہو گیا ، جس میں ایک قدرتی نکتہ خیال میں آیا کہ بندہ نے تمہید میں عرض کیا تھا کہ اضاعت حقوق تلامذہ میں زیادہ ابتلاء ہے تو قدرتی انتظام اس کی اصلاح کا یہ ہوا کہ اس کے دلائل کا عدد بھی مضاعف ہو گیا ، کیونکہ تکثیر دلائل سے تنبیہ کا زیادہ ہونا امر طبعی ہے اور یہ محض نکتہ ہے پس اس پر شبہ نہ کیا جاوے کہ پھر حقوق شرکاء تعلم کے دلائل میں اس سے بھی تضاعف ہونا چاہئے ، سو اول تو یہ نکتہ ہے اس کا اطراد ضروری نہیں دوسرے جتنے تعلقات استاد شاگرد کے قوی ہیں اتنی قوت اس حق اخیر کو ہے بھی نہیں تو حق اقویٰ زیادہ احق ہے زیادت تنبیہ کا۔

اور ہر چند کہ بعد سوق احادیث مثل باب اول یعنی بیان حقوق معلم یہاں بھی واقعات جزئیہ کے طرز پر کچھ مضمون ہونا چاہئے تھا چنانچہ اس باب ثانی کے اول میں اس کا وعدہ بھی ہے اور اس وقت ارادہ بھی تھا لیکن اتفاق سے جو کچھ اس کے ضمن میں لکھتا وہ بذیل احادیث مذکورہ ہو چکا ، اس لئے اس باب ثانی کو ختم کر کے اب باب ثالث یعنی حقوق شرکاء فی التعلیم کے متعلق بقدر ضرورت عرض کرتا ہوں اور عجب نہیں کہ اس میں بھی سوق دلائل اور اسکے ضمن میں واقعات کا آجانا کافی ہو جاوے ۔ (والدلائل ہذا)

ساتھیوں کے حقوق

آیت نمبرا: قال اللّٰہ تعالی واعبدوا اللّٰہ (الی قولہ) والصاحب بالجنب الآیۃ۔

عبادت کرو اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنے قرابتیوں اور یتیموں اور فقیروں اور قرابتی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور جو تمہارا ہم صحبت پاس بیٹھنے والا ہو ان سب کے ساتھ احسان کرو۔

اس آیت سے شرکاء تعلم کا حق دو طرح ثابت ہوتا ہے ایک اس لفظ سے ''والجار الجنب'' اور دوسرا اس لفظ سے ''والصاحب بالجنب'' کیونکہ اس کا جار ہونا بھی ظاہر ہے اور صاحب بالجنب ہونا بھی ظاہر ہے چنانچہ مفسرین نے شریک فی التعلم کے ساتھ اس کی تفسیر بھی کی ہے۔

ہمسایہ دینی بھائی ہے، لہٰذا اس سے بھائیوں جیسا معاملہ کرنا چاہئے

آیت نمبر۲: واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً، ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا ۔ الآیۃ

اللہ تعالیٰ کی رسی کو اکٹھے ہو کر مضبوط پکڑ لو اور متفرق مت ہو اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے جب تم آپس میں دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے کنارے پر تھے تم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بچا لیا۔ الخ

ظاہر ہے کہ تعلم علوم دینیہ اعتصام بحبل اللّٰہ ہے اور یہاں ایسی جماعت صحابہ کو اخوان فرما رہے ہیں کہ وہ معتصم بحبل اللّٰہ اور تعلم دین میں شریک تھے جب یہ اعتصام اور شرکت مقتضی ہوگئی اخوۃ کو۔ پس جو حقوق اخوان کے ہوں گے وہ اس

تعلق میں بھی قابل رعایت ہوں گے۔

ساتھیوں کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم

آیت نمبر۳: یاایها الذین آمنوا اذاقیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللّٰه لکم واذا قیل انشزوا الخ۔ الآیة

ترجمہ: جب کہا جاوے تم کو کشادگی کردو مجلس میں تو فوراً کشادگی کردو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی کردے گا، (یعنی دنیا وآخرت میں) اور جب کہا جاوے تم کو اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو درجے بلند کردے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکاء تعلم کو بیٹھنے کی جگہ دینے کے لئے اہتمام کرنا چاہئے جو امکان میں ہو۔

اگر کسی عذر کی بناء پر کوئی ساتھی سبق میں نہ آسکے تو دوسرے کو چاہئے کہ ناغہ شدہ سبق اس کو تکرار کرادے

حدیث نمبر۱: عن عمر رضی اللّٰه عنه قال کنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیة بن زید وهی من عوالی المدینة وکنا نتناوب النزول علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ینزل یوما وانزل یوما، فاذا نزلت جئت بخبر ذلك الیوم من الوحی وغیره واذا انزل فعل مثل ذالك۔

(رواه البخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک شخص میرا پڑوسی انصاری عوالی مدینہ میں کچھ فاصلہ پر رہا کرتے تھے اور باری باری جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ایک دن میں اور ایک دن وہ، جس دن میں جاتا

تو جو سن کر آتا اس سے بیان کر دیتا، اور جس دن وہ جاتا تو سن کر آتا مجھ سے بیان کر دیتا۔ (بخاری)

اس حدیث سے **معلوم** ہوا کہ اپنا شریک فی التعلم اگر کسی سبق میں حاضر نہ ہوتو ناغہ شدہ سبق کا اس کو تکرار کرا دیا جائے اور یہ اس کا حق ہے اور یہاں سے مدارس میں باری باری پڑھنے کی بھی اصل نکلتی ہے۔

حدیث نمبر۲: عن ابی شریح فی حدیث طویل قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولیبلغ الشاھد الغائب ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ احکام بیان فرمائے اور بعد میں فرمایا کہ جو لوگ حاضر ہیں اور انہوں نے وعظ سنا ہے وہ غائبوں کو پہنچا دیں۔ (بخاری)

اس حدیث سے بھی مثل حدیث سابق حق بالا ثابت ہوتا ہے۔

مجلس میں بعد میں آنیوالوں کے متعلق نصیحت

حدیث نمبر۳: عن ابی واقد اللیثی رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بینماھو جالس فی المسجد والناس معہ اذ اقبل ثلثۃ نفر فاقبل اثنان الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وذھب واحد قال فوقفا علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاما احدھما فرأی فرجۃ فی الحلقۃ فجلس فیھا واما الآخر فجلس خلفھم واما الثالث فادبر ذاھبا فلما فرغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الا اخبرکم عن النفر الثلاثۃ اما احدھما فاویٰ الی اللّٰہ اما الآخر فاستحی فاستحی اللّٰہ منہ واما الاخر فاعرض فاعرض اللّٰہ عنہ ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع کچھ آدمیوں کے مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ناگاہ تین آدمی آئے دو تو مجلس

میں بیٹھ گئے ایک کنارہ پر سب کے پیچھے اور ایک مجلس میں کشادگی پا کر اندر بیٹھ گیا اور تیسرا چلا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ان تین شخصوں کے حال کی اطلاع نہ دوں؟ ایک شخص نے تو اللہ کی طرف ٹھکانہ ڈھونڈا اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹھکانا دیدیا، ایک نے شرم کی اور کنارہ پر بیٹھ گیا اللہ نے اس سے شرم کی اور تیسرے نے اللہ سے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔ (رواہ البخاری)

اس حدیث سے شرکاء مجلس علم کا یہ حق معلوم ہوا کہ بعد میں آنے والے کو چاہئے کہ دیکھ لے کہ حلقہ میں گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر گنجائش ہوتو برابر میں بیٹھ جانا مضائقہ نہیں ورنہ لوگوں کو پریشان نہ کرے ان کے پیچھے بیٹھ جاوے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیچھے بیٹھنے سے عار کرنا سبب ہے اعراض حق تعالیٰ کا۔ (بخاری)

اگر کوئی ساتھی دیر سے آوے تو اس کو جگہ دینا چاہئے

حدیث نمبر۴: عن واثلة بن الخطاب رضی اللّٰه عنه قال دخل رجل الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وهو فی المسجد قاعد، فتزحزح له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال الرجل یا رسول اللّٰه ان فی المکان سعة فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم للمسلم لحقا اذا راه اخوه ان یتزحزح له۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ اس کے لئے ذرا سرکے کہ جگہ فراغ ہو جائے تو اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جگہ وسیع ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ جب اس کو دیکھے تو اس کے لئے کچھ ہلے اور جنبش کرے۔ (شعب الایمان للبیهقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک فی التعلم کا بدرجہ اولیٰ یہ حق ہے کہ اس کے آنے کے وقت ضرور اس کو بیٹھنے کی جگہ دے، بعض طلباء اس میں بہت بے مروتی

کرتے ہیں۔

اگر کوئی ہم سبق استاذ سے شرم کی وجہ سے سوال نہ کر سکے تو دوسرے طالب علم کو اس کی مدد کرنی چاہئے

حدیث نمبر۵: عن علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ قال کنت رجلا مذاءً فامرت المقداد ان یسال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فسأله فقال فیه الوضوء۔ (رواہ البخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو مذی بہت آتی تھی (اس کا مسئلہ پوچھنا تھا خود) تو (یہ بسبب شرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہیں) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے پوچھو حضرت مقدادؓ نے پوچھا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضوآتا ہے (یعنی غسل نہیں آتا)۔ (بخاری)

اس حدیث سے یہ حق معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنا ہم سبق استاد سے کوئی بات پوچھتا ہوا شرماوے اور اس سے پوچھنے کی درخواست کرے تو خود غرضی کو چھوڑ کر پوچھ لے البتہ اگر نامعقول سوال ہو تو عذر کر دے یا استاد کسی مصلحت سے کہے کہ جس کا سوال ہے وہ خود کرے تو اس وقت اسی پر عمل کرے۔

یہ تو چند نصوص قناعت اجمالیہ طالب کے لئے اس باب میں نقل کر دیئے گئے ہیں باقی اس کی تفصیل و تکمیل کے لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل باب معاشرت میں دیکھ لینا کافی ہے اب تو ادائے حقوق تو درکنار بعضے سلسلوں میں تو۔ مصرع

مرا بخیر تو امید نیست بد مرسا

پر بھی عمل نہیں رہا، بلکہ استاد بھائیوں اور پیر بھائیوں میں باہم تحاسد و تباغض اور تنافر و تزاحم اغراض ہیں اور استاد یا پیر سے ایک دوسرے کی چغلی اور غیبت اور دوسروں کے سامنے تحقیر و تنقیص کرتے ہیں الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے ہمارے سلسلہ کو ہمارے بزرگوں کی برکت سے اس بلا سے تو بہت کچھ محفوظ رکھا ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے

لئے محفوظ رکھے۔

اب ان ابواب ثلاثہ کو ختم کرتا ہوں جس میں بفضل اللہ تعالیٰ دس آیتیں اور پچیس حدیثیں یعنی سب پینتالیس نصوص ہیں اگر چہ اس سے زیادہ نصوص ذکر نہیں کی گئیں محض نمونہ بتلانا مقصود تھا جو کہ ایک بڑے عدد سے معدود ہونے کے سبب اس غرض کے لئے کافی ہوگیا کہ یہ حقوق بھی نصوص ہیں یہاں ان ابواب کے مناسب ایک باب رابع اور بھی تھا یعنی خود علم کے حقوق جو بذمہ اہل علم ہیں یا بذمہ غیر اہل علم ہیں اور گو یہ مناسبت بدرجہ جزئیت تو نہیں کیوں کہ ان ابواب کے مقسم میں خاص معلم و متعلم و شرکاء تعلم مضاف الیہ حقوق کے واقع ہوتے ہیں لیکن بدرجہ تعلق ضرور ہے اور یہ تعلق مقتضی ہوسکتا تھا کہ اس کا بھی بیان ذکر ہوتا گو تبعاً سہی، لیکن اتفاق سے اس کے قبل احقر اس مبحث خاص میں نہایت مفصل مضمون بشکل ایک رسالہ جس کا نام ''حقوق العلم'' ہے لکھ چکا ہے اور وہ چھپ بھی گیا ہے اس لئے وہ مستغنی عنہ ہوگیا، اب آخیر میں بطور تذنیب کے بعض جزئیات متعلقہ مقام کی تنبیہ میں لکھ کر فارغ ہوتا ہوں۔

تذنیب: (تنبیہ اول) ہر چند کہ مفہوم معلم کا استاد بالمعنی متعارف اور پیر اور واعظ اور مصنف یعنی ہر صاحب افادہ دینیہ کو جب کہ کسی کو استفادہ ہو سب کو عام ہے لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ سب حقوق میں متساوی نہیں ہیں، ان سب میں استاد بالمعنی المعروف کا حق زیادہ ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ استاد جس قدر مشقت افادۂ تلامذہ کے لئے برداشت کرتا ہے اس قدر دوسرے اہل افادہ نہیں کرتے، بعض طرق افادہ میں تو چنداں مشقت ہے نہیں، اور بعض میں گو مشقت ہے مگر وہ اس مستفید کے لئے برداشت نہیں کرتا، اور نص قطعی "ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا" سے مشقت سے حق کا عظیم ہونا ثابت ہوتا ہے یہ وجہ تو تمام مفضل علیہم یعنی پیر و واعظ و مصنف کو عام ہے۔

اور دوسری وجہ جو صرف بعد میں مستحق ہے یہ ہے کہ شاگرد نے استاد کی تابعیت کا التزام کیا ہے اور التزام ایک وعدہ ہے اور وفاء عہد لازم ہے عام لوگوں کو اس میں یہ

غلطی واقع ہو رہی ہے کہ پیر کی تعظیم وخدمت واطاعت میں حدود شرعیہ سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور استاد کے حقوق ادا کرنے میں حد شرعی کے قریب بھی نہیں پہنچتے ۔ وهل هذا الا تغيير للمشروع۔

(تنبیہ ثانی) آیا استاد و پیر کا حق زیادہ ہے یا باپ کا، اس میں بھی عام طور پر لوگ اشتباہ والتباس میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ پیر اور استاد روحانی مربی ہے اور باپ جسمانی مربی ہے اور روحانی مربی بڑھا ہوا ہے جسمانی مربی سے ۔ اس دعویٰ کی غلطی اجمالاً تو اسی سے سمجھ لینا کافی ہے کہ نصوص میں جس شدومد سے باپ کے حقوق بتلائے گئے ہیں استاد و پیر کے نہیں بتلائے گئے ، اور تفصیل یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے اوامر میں کچھ تعارض نہ ہو تب تو تحقیق تقدیم حق کی ضرورت ہی نہیں ، اور اگر تعارض ہو تو دیکھنا چاہئے کہ ان میں سے کوئی امر شرعاً واجب ہے یا نہیں ؟ اگر واجب ہے تو وہ مقدم ہے خواہ اس کا باپ آمر ہو یا استاد یا پیر ہو اور اگر واجب نہیں دونوں طرف مباح ہے بس یہ محل بحث ہے اور اس میں نصوص سے باپ کا حق مقدم معلوم ہوتا ہے ۔ كما هو ظاهر۔

رہا جواب اس دلیل کا سو اگر صغریٰ مان بھی لیا جاوے اس طرح سے کہ کوئی باپ ایسا ہو جس نے روحانی تربیت بالکل نہ کی صرف کھلایا ، پلایا ہی ہو تب بھی کبریٰ باعتبار اس کے مراد کے محتاج دلیل ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ، پس اگرچہ مربی روحانی درجہ میں افضل ہو مربی جسمانی سے لیکن جو اس سے مقصود ہے کہ مربی روحانی کا حق اور اطاعت زیادہ ہے مربی جسمانی سے اس کے لئے دلیل کا مطالبہ کیا جاوے گا ، اور اگر اس کو مان بھی لیا جاوے تب بھی مقصود مستدل کا حاصل نہیں کیونکہ استاد اور پیر سے زیادہ مربی روحانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حق تعالیٰ تو جسم اور روح دونوں کے مربی ہیں اور خدا اور رسول نے باپ کا حق زائد کیا ہے پس اس کی اطاعت میں بھی ایک بڑے مربی روحانی کی تقدیم حق ہے ایک چھوٹے مربی روحانی پر ، خوب سمجھ لو۔

(تنبیہ ثالث) آیا معقول اور فارسی اور حساب کے استاذ بھی ان حقوق مذکورہ

میں شریک ہیں یا نہیں اور اسی طرح کافر استاد بھی، اس میں قواعد سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ ان میں جو چیزیں مضر ہیں ان کا استاد تو خود مضل اور مضر ہے اور استاد کا حق تھا بوجہ مفید اور محسن ہونے کے اور جو چیزیں مضر نہیں ان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر علوم دینیہ میں نافع و معین ہیں تب تو چونکہ مقدمہ بحکم مقصود ہوتا ہے اس لئے ایسے اساتذہ حقوق مذکورہ کے مستحق ہوں گے گو درجہ استاد المقاصد میں نہ سہی، جس طرح اقارب کے حقوق میں قوت قرابت کے تفاوت سے حقوق میں تفاوت ہو جاتا ہے اور اگر نہ مضر ہیں اور نہ مفید تب بھی ایک دنیوی احسان ہے اور خود دنیوی احسان پر بھی شکر گزاری نصوص عامہ سے ثابت ہے اس لئے اس کا بھی حق ثابت ہوگا گو دینی احسان کے برابر نہ سہی۔

اب یہ دعا کر کے قلم کو راحت دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہم طالب علموں کو ان حقوق کے ادائیگی کی توفیق دے اور بوجہ اس کے کہ مضمون بعنوان سہل لکھا ہے، تسہیل جدید کی احتیاج نہیں سمجھی گئی، البتہ احادیث کا ترجمہ جہاں رہ گیا ہے اگر حضرات مہتممین اشاعت کے وقت حاشیہ میں ثبت فرمادیں، ناظرین کی قناعت اور میری منت کا سبب ہوگا۔

(از اصلاح انقلاب امت ص:۲۷۴ تا ۳۰۹)

تعزیر سے متعلق اساتذہ کی ایک عظیم کوتاہی

ایک کوتاہی تعزیر کے متعلق یہ ہے کہ جفا کاروں کے نزدیک اس کی کوئی حد نہیں جب تک اپنے غصہ کو سکون نہ ہو جائے، سزا دیتے ہی چلے جاتے ہیں اور اس میں اہل حکومت عموماً مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ، خواہ دنیاوی حکومت ہو جیسے اہل عدالت و اہل پولیس یا شوہر یا باپ یا خواہ دینی حکومت ہو جیسے استاد کہ ہزار گونہ ان سب سے اس باب میں بڑھے ہوئے ہیں، عدالت اور پولیس کو تو یہ بھی فکر ہے کہ کبھی مظلوم حکام بالا سے استغاثہ (فریاد) نہ کر بیٹھے، شوہر کو محبت ہوتی ہے، باپ کو شفقت بھی ہوتی ہے یہ اسباب ظلم کے مقلل (کم کرنے والے) ہو جاتے ہیں اور ان حضرات کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ محبت و شفقت، اگر چہ اندیشہ ہو سکتا تھا تو والدین سے ہوتا، مگر والدین خواہ حسن

اعتقاد سے خواہ اپنی مطلب برآری کی خوشامد میں کان تک نہیں ہلاتے اور بعضے اپنے اعتقاد میں شاگرد کے گوشت پوست کا استاد کو مالک سمجھتے ہیں، تو ان سے کب احتمال ہے کہ ان حضرت کو ظلم سے روکیں گے اس لئے یہ سب سے بڑھ کر آزاد ہیں بہرحال باوجود کچھ کچھ تفاوت کے اتنا امر سب میں مشترک ہیں کہ ان کے یہاں تعزیر (سزا دینے) کی کوئی حد نہیں، حالانکہ ضرب فاحش (سخت مارنے) سے فقہاء نے مصرحاً منع فرمایا ہے اور جس ضرب سے جلد پر نشان پڑ جائے وہ تو بدرجہ اولیٰ (ردالمختار عن التاتارخانیہ، ص:۲۹۳، ج:۳) بلکہ ضرب فاحش سے خود استاد کو تعزیر دی جائے گی۔

(درمختار) (از اصلاح انقلاب امت ص:۲۲۰)

شاگردی کے حقوق

شاگردی کا علاقہ بیعت سے زیادہ ہے اس کے زیادہ حقوق ہیں اور بیعت کا علاقہ زوجیت کے علاقہ سے بہت زیادہ ہے۔ (حسن العزیز ص:۳/۴۳۵)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاگردی کا علاقہ بیعت سے زیادہ ہے اس کے زیادہ حقوق ہیں اور عام طور سے مشہور یہ ہے کہ پیر کا حق استاد سے زیادہ ہے۔

(از ملفوظات حکیم الامت ج:۹، ص:۳۴)

اپنی جان کے حقوق ادا کرنا

جس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ہم کو بطور امانت دے رکھی ہے اس لئے اس کے حکم کے موافق اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے، تیسرے اس کی جمعیت کی حفاظت کرے یعنی اپنے اختیار سے کوئی ایسا کام نہ کرے جس میں جان میں پریشانی پیدا ہو جاوے کیونکہ ان چیزوں میں خلل آجانے سے دین کے کاموں کی ہمت نہیں رہتی، نیز دوسرے حاجت مندوں کی خدمت اور امداد نہیں کرسکتا، نیز کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان کھو بیٹھتا ہے اس بارہ میں چند

آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

(آیت نمبر ۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ (شعراء)

ف: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

(نمبر۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اور ان (دشمنوں) کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو۔ (انفال)

ف: اس میں قوت کی حفاظت کا حکم ہے، مسلم بن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لئے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانے کا ہتھیار تھا، اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں، اور اس مضمون کا بقیہ حدیث نمبر ۱۳ کے ذیل میں آئے گا۔

(نمبر۳) فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا۔ (بنی اسرائیل)

ف: مال کی تنگی سے جان میں پریشانی ہوتی ہے اس پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور جن امور سے اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو جاوے ان سے بچنے کا تو اور زیادہ حکم ہوگا اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا، آگے حدیثیں ہیں۔

حدیث نمبر ۱: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شب بیداری اور نفل روزے میں زیادتی کی ممانعت میں فرمایا کہ) تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری و مسلم)

ف: مطلب یہ کہ زیادہ محنت کرنے سے اور زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہو جائے گی اور آنکھیں آشوب کر آئیں گی۔

(نمبر۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی

ہیں کہ ان کے بارے میں کثرت سے لوگ ٹوٹے میں رہتے ہیں (یعنی ان سے کام نہیں لیتے جس سے دینی نفع ہو) ایک صحت دوسرے بےفکری۔ (بخاری)

ف: اس سے صحت اور بےفکری کا ایسی نعمت ہونا معلوم ہوا کہ ان سے دین میں مدد ملتی ہے اور بےفکری اس وقت ہوتی ہے کہ کافی مال پاس ہو اور کوئی پریشانی بھی نہ ہو تو اس سے افلاس اور پریشانی سے بچے رہنے کی کوشش کرنے کا مطلوب ہونا بھی معلوم ہوا۔

(نمبر۳) حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اور ان کو دین کے کاموں کا ذریعہ بنالو) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے (غنیمت سمجھو) اور صحت کو بیماری سے پہلے اور مالداری کو افلاس سے پہلے اور بےفکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو مرنے سے پہلے۔ (ترمذی)

ف: معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت وقوت ہوتی ہے، وہ اور بےفکری اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

(نمبر۴) حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اسکے پاس اس دن کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کے لئے ساری دنیا سمیٹ کر دیدی گئی۔ (ترمذی)

ف: اس سے بھی صحت اور امن وعافیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

(نمبر۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حلال دنیا کو اس لئے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل وعیال کے ادائے حقوق کے لئے) کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات

کے چاند جیسا ہوگا الخ۔ (بیہقی وابونعیم)

ف: معلوم ہوا کہ کسب مال کی بقدر ضرورت دین بچانے کے لئے اور ادائے حقوق کے لئے بڑی فضیلت ہے اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

(نمبر۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دنیا کی بے رغبتی (جس کا حکم ہے) نہ حلال کو حرام کرنے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے الخ۔ (ترمذی وابن ماجہ)

ف: اس حدیث میں صاف برائی ہے مال کے برباد کرنے کی، کیونکہ اس سے جمعیت جاتی رہتی ہے۔

(نمبر۷) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاریں اور ہر بیماری کیلئے دوا بھی بنائی، سو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا مت کرو۔ (ابوداؤد)

ف: اس میں صاف حکم ہے تحصیل صحت کا۔

(نمبر۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کے پاس (غذا حاصل کرنے) آتی ہیں سو اگر معدہ درست ہوا تو وہ رگیں صحت لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہوا تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں۔ (شعب الایمان وبیہقی)

ف: اس میں معدے کی خاص رعایت کا ارشاد ہے۔

(نمبر۹) حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ (کھجور) مت کھاؤ، تم کو نقاہت ہے پھر میں نے چقندر اور جو تیار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! اس میں سے لے لو وہ تمہارے موافق ہے۔ (احمد وترمذی وابن ماجہ)

ف: اس حدیث سے بد پرہیزی کی ممانعت معلوم ہوئی کہ مضر صحت ہے۔

(نمبر۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے، اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بھوک سے وہ بھوک بری ہم خواب ہے الخ۔ (ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ)

ف: مرقاۃ میں طیبی سے پناہ مانگنے کا سبب نقل کیا ہے کہ اس سے قویٰ ضعیف ہوجاتے ہیں اور دماغ پریشان ہوجاتا ہے اس سے صحت وقوت وجمعیت کا مطلوب ہونا ثابت ہوا، کیونکہ زیادہ بھوک سے یہ سب فوت ہوجاتے ہیں اور بھوک کی جو فضیلت آتی ہے اس سے بھوک اور بیماری کا مطلوب التحصیل ہونا لازم نہیں آتا۔

(نمبر۱۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تیراندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو۔

(ترمذی وابن ماجہ وابوداؤد ودارمی)

ف: سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے جس سے قوت بڑھتی ہے۔

(نمبر۱۲) ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے تیراندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں یا یوں فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

ف: اس سے کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے قوت کی حفاظت کی اور اس کے فوت ہونے کا بیان آیت نمبر۳ کے ذیل میں گذر چکا ہے اور ان دو حدیثوں کے اس مضمون کا بقیہ اگلی حدیث کے ذیل میں آتا ہے۔

(نمبر۱۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں سب میں خوبی ہے الخ۔ (مسلم)

ف: جب قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کا باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا اس میں غذا کا بہت کم کردینا، نیند کا بہت کم کردینا، ہم بستری میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہوجاوے یا بدپرہیزی کرنا، جس سے بیماری

بڑھ جاوے، یا جلدی نہ جاوے، یہ سب داخل ہو گئے ان سب سے بچنا چاہئے اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہوسکتی ہے اس کی مشق کرنا یہ سب داخل ہے مگر حد شرع وحد قانون سے باہر نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے جمعیت وراحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

(نمبر۱۴) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو۔

ف: یہ اس وقت تھا جب اکے دکے کو دشمن کا خطرہ تھا، اس سے ثابت ہے کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

(نمبر۱۵) حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو گھاٹیوں اور نشیبی میدانوں میں متفرق ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیبی میدانوں میں متفرق ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے (اس لئے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو) سو اس کے بعد جس منزل پر اترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آجاوے۔ (ابوداؤد)

ف: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

(نمبر۱۶) حضرت ابوالسائب رضی اللہ عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک جازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو: مجھ کو بنی قریظہ (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) سے اندیشہ ہے چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا۔ لمبی حدیث ہے۔ (مسلم)

ف: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لئے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

(نمبر۱۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک سواری تھے جب حضور اقدس ﷺ کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ کی طرف سے پیادہ چلیں گے آپ فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)۔ (شرح السنۃ)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ پیادہ چلنے کی بھی عادت رکھے، زیادہ آرام طلب نہ ہو۔

(نمبر۱۸) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

ف: اس میں بھی وہی بات ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور ننگے پاؤں چلنا اس سے زیادہ۔

(نمبر۱۹) حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے، عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! اس سے کیا مراد ہے فرمایا نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو سہار نہ سکے اس کا سامنا کرے۔ (تیسیر از ترمذی)

ف: وجہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے اس میں تمام وہ کام آگئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں بلکہ اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعے سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظام کردیں خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کردو اور پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری

مصیبت دور ہو یہ تین آیتیں ہیں اور بیس حدیثیں، جن میں بجز دو اخیر کے کہ ان کے ساتھ کتاب کا نام لکھا ہے باقی سب مشکوۃ سے لی گئی ہیں۔

(نوٹ الف) ان آیات واحادیث سے صحت وقوت وجمعیت یعنی امن وعافیت وراحت کا مطلوب ہونا صاف ظاہر ہے جس کی تقریر جا بجا کر دی گئی ہے۔

(نوٹ ب) جو افعال ان مقاصد مذکورہ میں خلل انداز ہوں اگر وہ مقاصد واجب ہوں اور خلل یقینی اور شدید ہے تو وہ افعال حرام ہیں ورنہ مکروہ۔

(نوٹ ج) اگر بدون بندہ کے اختیار کے محض من جانب اللہ ایسے واقعات پیش آجاویں جن سے یہ مقاصد صحت وقوت وطمانیت وغیرہا برباد ہو جاویں تو پھر ان مصائب پر ثواب ملتا ہے اور مدد غیبی بھی ہوتی ہے پریشانی نہیں ہوتی، اس لئے ان پر صبر کرے اور خوش رہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سب کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے جس سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔ (از اصلاحی نصاب ص: ۶۴ تا ۷۰)

نفس کے حقوق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نفس کے بھی حقوق ہیں، ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ تم بہت ہی اپنے نفس کی رعایت کرتے ہو میں نے کہا کہ یہ تو صغریٰ ہے اور کبریٰ کیا ہے کہ نفس کی رعایت جائز نہیں اگر قویٰ کی رعایت وحفاظت نہ کی جاتی تو اتنا کام تھوڑا ہی ہو سکتا تھا۔ (ملفوظات حکیم الامت ص: ۲۴۱، ج: ۴)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی راتوں کو سوتے نہ تھے اور دن میں کھاتے نہ تھے رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: ان لنفسك عليك حقا ولعينيك عليك حقا ولاهلك عليك حقا قم ونم وصم وافطر هذا من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے رات کو کچھ وقت نماز میں کھڑے ہو کچھ سو رہو، دن میں

کبھی روزہ رکھو کبھی بے روزہ رہو، یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا۔

اگر مشقت میں ہر حالت میں فضیلت وثواب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو مشقت سے کیوں منع فرمایا؟ ظاہر میں یہ سمجھا جاتا کہ حضور ﷺ نے ان صحابی کو تکثیر عمل سے منع فرمایا ہے غلط ہے، بلکہ اپنے تقلیل عمل سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس تکثیر کا انجام تقلیل ہی ہے۔ (از تدبیر وتوکل ص: ۳۱۱، ۳۱۲)

غیبت حق العبد ہے

زنا میں صرف خدا کا گناہ ہے جس کو اگر وہ چاہیں معاف کر سکتے ہیں اور غیبت میں خدا کا بھی گناہ ہے اور بندے کا حق بھی ہے اس کو حق تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے اور بندہ محتاج ہے نہ معلوم قیامت میں وہ اس شخص کی نیکیاں ملتی ہوئی دیکھ کر معاف کرے یا نہیں؟ اگر اس کی ساری ہی نیکیاں مل گئی تو یہ میاں بالکل خالی ہاتھ ہی رہ جائیں گے، اس لئے اس گناہ سے بچنے کی بہت ہی فکر چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اندر سے کبر کا مادہ نکالے، اس کے بغیر غیبت نہیں چھوٹ سکتی، تکبر کے ہوتے ہوئے اگر غیبت چھوٹے گی بھی تو دو چار دن سے زیادہ نہیں چھوٹے گی، پھر چونکہ مادہ کبر کا اندر موجود ہے وہ پھر اس کو اسی میں مبتلا کر دے گا۔

افسوس یہ ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے دین فقط تسبیحوں اور نفلوں کو سمجھ لیا ہے دل کی اصلاح کو ضروری ہی نہیں سمجھتے، اور میں سچ کہتا ہوں کہ دل کی اصلاح کے بغیر ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہو سکتے اور دل کی اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اندر خدا کی محبت اور خوف اور فکر آخرت پیدا کی جائے جب دل پر محبت اور خوف اور فکر سوار ہو جائے گی تو بہت جلد اس کی اصلاح کی امید ہے امراض قلب کی زیادہ تر وجہ بے فکری ہے جب دل فکر سے خالی ہوتا ہے تو اس میں بہت سی خرابیاں ہو جاتی ہیں مگر فکر سے مراد فکر آخرت ہے ورنہ دنیا کی فکر تو اس کے لئے سم قاتل ہے۔ (از موت وحیات ص: ۵۴، ۵۵)

حقوق العباد چھوڑ کر قربانی کرنا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ محض نادار ہیں یا ذخیرہ سے زیادہ ان کے ذمہ حقوق العباد ہیں جن کا اداء وایفاء فرض مقدم ہے، مگر یہ لوگ ان سب حقوق کونظر انداز اور پشت افگندہ کر کے محض فخر اور وضع قدیم نبھانے کے لئے قربانی کی پابندی کرتے ہیں اور پاس نہیں ہوتا تو ادھار کرتے ہیں۔

بعض کو دیکھا کہ متعدد حصص مردوں تک کے کرتے ہیں اور زندوں کے واجب حقوق کو مردہ کرتے ہیں حالانکہ یقینی بات ہے کہ دس روپیہ قرض میں ادا کرنا اس سے بہتر ہے۔ (از اصلاح انقلاب امت ص:۱۶۷)

اموال حکومت میں حقوق کی رعایت

زندگی بھر جتنے ریل کے سفر بغیر ٹکٹ کئے تھے اس کے تدارک کے بارے میں پوچھا تو حضرت (تھانوی رحمہ اللہ) نے فرمایا:

''اتنی قیمت کے ٹکٹ لے کر پھاڑ دو''۔

میں نے حضرت (تھانوی رحمہ اللہ) کو لکھا کہ اپنا فرض محنت سے ادا کرتا ہوں لیکن پھر بھی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں اس لئے میں نے اپنی دینوی اور انگریزی کتابیں اسکول لائبریری میں دے دی ہیں تا کہ کوتاہیوں کا تدارک ہو جائے، تحریر فرمایا:

''یہ خیانت کا تدارک نہیں ہوسکتا''۔

ایک دفعہ مولوی شیر محمد صاحب مرحوم نے دریافت کیا کہ جماعت میں میں اپنے لڑکے سے بعض اوقات سوال زیادہ پوچھتا ہوں، حضرت نے تحریر فرمایا:

''یہ خیانت ہے''۔ (از مکتوبات اشرفیہ ص:۴۶)

جانوروں کے حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں پر بھی رحم کا حکم فرمایا ہے اور ان کے بھی

حقوق بیان فرمائے ہیں چنانچہ حکم ہے کہ جانوروں کو زیادہ نہ مارو، بھوکا نہ رکھو، تحمل سے زیادہ کام نہ لو، زیادہ بوجھ نہ لادو، مجھے یاد آیا کہ ایک صاحب نے مجھے خط میں لکھا تھا کہ جانوروں کے حقوق میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تو واقعی اس وقت تک کوئی کتاب مستقل نہیں لکھی گئی تھی اور ضرورت تھی اس لئے میں نے "ارشاد الھائم فی حقوق البھائم" کتاب لکھی ہے جانور رکھنے والوں کو اس کتاب کے رکھنے کی ضرورت ہے اس سے معلوم ہوگا کہ شریعت میں جانوروں کے کس درجہ کے حقوق ہیں۔

حدیث شریف میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ تو چھوڑتی تھی نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ میں اس کا عذاب دیا جانا دیکھا۔

دیکھئے ایک بلی کے ستانے پر اسے عذاب ہوا اور جانور کو تکلیف پہنچانے پر وہ معذب تھی، ہماری حالت یہ ہے کہ عام انسان اور عام مسلمان کا تو کیا خیال کرتے ہم تو حقیقی بھائی کو تکلیف پہنچانے پر کمر بستہ ہیں جائیداد دبانے کو تیار ہیں بلکہ ہم لوگوں کی معاشرت اعزہ واقارب کے ساتھ زیادہ خراب ہے حالانکہ ہم جانوروں پر تک بھی رحم کرنے کے لئے مامور ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ان افعال پر ضرور ہم سے سوال ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ شریعت نے معاشرت کے بارہ میں بھی بہت زیادہ اہتمام کیا ہے اسلام بڑی چیز ہے اسلام نے ہمیں تمام ضروری امور سکھلائے ہیں تاکہ اسلام پر بالکل دھبہ نہ رہے کہ اس میں فلاں بات کی کمی ہے فلاں پہلو کی رعایت نہیں سو بحمد اللہ اسلام کامل مکمل شریعت ہے اور کیوں نہ ہو خدا کا بھیجا ہوا دین ہے اور حق تعالیٰ تو ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں اور شفیق اپنے علم میں کسی ضروری بات کو نہیں چھوڑتا، اس لئے حق تعالیٰ نے کوئی ضروری بات کو اسلام میں نہیں چھوڑا اور حق تعالیٰ کا علم کامل ہے اس نے واقع میں بھی کوئی ضروری بات نہیں رہی، بلکہ ادنی سے ادنی بات کی بھی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے کردی ہے۔ (از حقوق وفرائض ص: ۱۸۵)

مہمان پر یہ بھی حق ہے

اگر کوئی کریم دعوت کرے اور سب (قسم کے) کھانے ہوں تو میزبان کا مہمان پر حق ہے کہ سب کھائے ہاں بیمار ہو تو جو چیز اسے مضر ہو وہ نہ کھائے اور وہ بھی طبیب کی اتباع سے۔ (الفضل للوصل ص: ۲۹۵)

مہمان کا حق کس پر ہے؟

ارشاد ہوا کہ ایک ہوتا ہے ضیف یعنی مہمان، جو صرف محبت کے طور پر ملاقات کے لئے آیا ہو، اس کا حق علی سبیل الیقین خاص اس شخص پر ہے کہ جس کی ملاقات کے لئے آیا ہو، اور ایک ہوتا ہے مسافر ابن السبیل، آیا تھا اور کام کو کہا لاؤ ملاقات بھی کرتے چلیں، سو یہ ابن السبیل ہے اس کا حق سب جیران پر علی سبیل الکفایہ ہے۔

(از مقالات حکمت ص: ٦)

اگر کسی کے پاس جانا ہو تو اسے پہلے سے اطلاع دینی چاہئے

اور اگر کسی میزبان کے پاس ٹھہرے ہیں تو اس میں بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ بدون اس کے کہ اس کو اپنی آمد کی اطلاع دیں اس کے پاس بدون کھانا کھائے بے وقت جا پہنچتے ہیں کہ اس وقت اس کو کھانا تیار کرانے میں کلفت ہوتی ہے اگر حساب سے پہنچنے کا وقت ناوقت ہو تو چاہئے کہ کھانے کا انتظام پہنچنے کے وقت بطور خود کرلیں، اور فارغ ہو کر وہاں جاویں اور جاتے ہی اطلاع کردیں۔

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ اول اس کو اپنی آمد کے وقت سے اطلاع تو دیدی ہے مگر اس وقت پہنچتے نہیں وہ بے چارہ اسٹیشن پر آیا، سواری کا کرایہ دیا وقت صرف کیا، کھانا پکوایا اور یہ نواب صاحب ذرا رائے بدلنے سے یا کسی دوسرے میزبان کے اصرار کرنے سے پھسک گئے بعض اوقات وہ کئی کئی وقت اسی طرح تکلیف اٹھاتا ہے اور ان کو یہ توفیق بھی نہیں ہوتی کہ وقت موعود آنے کے قبل اس کو مکرر اس ارادہ کے فسخ یا

تبدیل کی اطلاع کردیں۔

خوب یاد رکھو! یہ سب اسلام کے خلاف ہے گو لوگ اس کو سرسری سمجھتے ہیں حدیث میں نص ہے "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده "ترجمہ: مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

پھر جب اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا سالم نہ رہا تو مسلم بدرجہ مقصودہ فی الحدیث کہاں رہ گیا؟ مشکل یہ ہے کہ آج کل بزرگی تسبیح پڑھنے کا نام رہ گیا، کسی کی راحت وکلفت کی پرواہ ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ اس خاص کوتاہی میں بہت سے ثقات ومنسوبین الی العلم والدین (ثقہ اور علم اور دین کی طرف منسوب لوگ) بھی مبتلا ہیں اور اس کا قبح (برائی) ذرا ان کے قلب میں نہیں۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ کھانا کھا کر پہنچے، مگر جاتے ہی اس کو یہ اطلاع نہیں کی کہ میں کھانا کھا چکا ہوں اس وقت اہتمام نہ کیا جاوے وہ بے چارہ نہ تو علم غیب پڑھا ہوا ہے اور نہ لحاظ سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ آپ کھانا تو نہیں کھا چکے، غرض اس نے احتمال پر کھانا تیار کیا، جب ان کے سامنے کھانا آیا، تو آپ نے نہایت بے رحمی سے ایک جملہ میں اس کے تمام انتظام کا خون کردیا کہ میں تو کھا چکا تھا، بندہ خدا پہلے کس نے منہ بند کرلیا تھا کہہ دینا تھا۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ کھانا کھانے بیٹھے اس وقت فرماتے ہیں کہ میں تو گوشت نہیں کھاتا، میں تو مرچیں نہیں کھاتا، ظالم اگر پہلے ہی اس کو اطلاع دے دی جاتی تو کیا مشکل تھا اب وہ مظلوم فکر میں پڑ گیا، کہیں پڑوس سے بھیک مانگتا پھرتا ہے کہیں گھر میں گھی شکر تلاش کرتا ہے غرض ''زر دادن و درد سر خریدن'' (سونا دینا اور درد سر لینا) کا مصداق بن گیا۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ بے اطلاع میزبان کے کہیں چل دیئے اب وہ تلاش کرتا پھرتا ہے اور گھر بھر بھوکا بیٹھا ہے یا تو وقت گذر کر آئے تب سب کا روزہ کھولا، یا آ کر کہہ دیا کہ مجھ کو فلاں شخص نے اصرار کر کے کھلا دیا تھا میں نے انکار بھی کیا مگر اس نے

ماناہی نہیں اس بے ڈھنگے کو یہ خبر نہیں کہ کسی کی ایسی دلجوئی کب جائز ہے کہ دوسرے کی دل شکنی ہواور وہ بھی ایسے شخص کی جس کا حق مقدم اور سابق ہو۔

بعض آدمی ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے کی دعوت کرلی اور میزبان سے اجازت لینا تو کجا اس کو اطلاع بھی نہیں کی۔ بعض ایسا کرتے ہیں کہ رخصت ہونے کا قصد دل میں کرلیا مگر میزبان کو نہیں بتلایا، اب عین وقت پر آرڈر سنادیا کہ میں اس گاڑی میں جاؤں گا سواری کا انتظام کردو اس کا سامان ضیافت بھی ضائع گیا اور بعض اوقات خصوص قصبات میں وقت پر سواری کے انتظام میں دشواری ہوتی ہے غرض یہ سب پریشان کرنے کی باتیں ہیں جن سے احتیاط واحتراز واجب ہے۔

عارضی قیام کے متعلق کوتاہیاں

بعض کوتاہیاں عارضی قیام کے متعلق ہیں یعنی کسی مقام پر ایک دوشب مثلا قیام کیا خواہ سرائے میں یا کسی خاص میزبان کے پاس، اگر سرائے میں قیام کیا ہے تو وہاں بھی ان امور کا لحاظ ضروری ہے کہ دوسرے مسافروں کو اس سے کلفت نہ ہو اور سرائے کے ٹھیکہ دار کو بھی تکلیف نہ دی جائے مثلا بعضے لوگ بلاضرورت شوروغل مچاتے ہیں بلاضرورت جاگتے ہیں اور رفقاء کے ساتھ قصہ کہانیاں ہانکتے ہیں بعضے آدمی گانا بجاتے ہیں جس سے دوسرے مسافروں کے آرام ونوم (نیند) میں خلل پڑتا ہے۔ بعضے ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے مسافر کے کمرہ میں سے جب کہ وہ کہیں چلا گیا ہو چارپائی اٹھا لاتے ہیں وہ غریب آکر پریشان ہوتا ہے اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ بھٹیارہ سے مانگ لیں اور اگر نہ ملے مجبوری ہے ان کو کیا حق ہے کہ دوسرے کی سابق قبضہ کی ہوئی لے لیں کہ شریعت کے بھی خلاف ہے اور مروت سے بھی بعید ہے اگر یہی معاملہ ان کے ساتھ ہو تو کیسی دل پر گذرے تو انصاف کا مقتضا یہ ہے کہ ''آنچہ بخود نہ پسندی دیگراں مپسند'' اور مثلا بعضے لوگ باوجودیکہ پیشاب پاخانہ کے خاص مواقع ہیں مگر کوٹھری ہی میں موت لیتے ہیں یا کہیں گذرگاہ مسافران پر ایسا کرتے ہیں جس سے بعض اوقات ٹھیکہ دار کو

صاف کرانا پڑتا ہے اور بعض اوقات دوسرے مسافر کو تکلیف ہوتی ہے مثلاً بعض لوگ چلتے وقت ٹھیکہ دار کا حساب صاف کر کے نہیں جاتے یا تو چپکے نکل گئے یا نزاع واختلاف کر کے گئے اس میں علاوہ گناہ کے جس میں حق اللہ وحق العبد دونوں ضائع کئے جاتے ہیں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ دوسرے مسافروں کا بھی اعتبار جاتا ہے اوران کے لئے ضوابط سخت تجویز کئے جاتے ہیں اوراس کے سبب یہ شخص بنتا ہے ایسے ہی لوگوں کی نسبت حدیث میں ''مفتاح الشر ومغلاق الخیر'' آیا ہے۔ (از اصلاح انقلاب امت ص:۲۵۷)

ریل میں قانون سے زیادہ اسباب لے جانے کی ممانعت

بہت سے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ ریل میں زیادہ مال لے جاتے ہیں اور ذرا پرواہ نہیں کرتے، بلکہ بعضے تو کہتے ہیں کہ کافر کا حق مار لینے میں کچھ ڈر نہیں، حالانکہ کافر کا حق مارنا بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ مسلمان کا، بلکہ ایک بزرگ تو یہ کہتے تھے کہ مسلمان کا حق تو چاہے لے لو لیکن کافر کا حق نہ لو کیونکہ مسلمان سے تو یہ بھی امید ہے کہ وہ قیامت میں معاف کردے اور کافر سے تو یہ بھی امید نہیں دوسرے اگر معاف نہ کیا تو خیر، اپنی نیکیاں اپنے ہی بھائی کے پاس جائیں گی دشمن کے پاس تو نہ جائیں گی۔

(از تسہیل المواعظ ج:۹،ص:۴۳۷)

عین جہاد کے وقت کافروں کے حقوق

دیکھئے جہاد میں گو کفار کے مکانات، باغات جلا دینے کا جواز ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ تین طرف آگ لگائی جائے ایک طرف راستہ چھوڑ دینے کا حکم ہے تاکہ کفار اس راستہ سے نکلنا چاہیں تو نکل جائیں، کوئی مدعی ادیان کا تو اپنے یہاں باغی کے ایسے حقوق تو بتلادے، اسی رعایت حقوق کی فرع ہے کہ جہاد میں بیٹے کو اجازت نہیں کہ وہ باپ کو قتل کرے اسلام نے اس کے حق کی کیسی رعایت رکھی حالانکہ عین قتال کے وقت غصہ ہوتا ہے مگر اس موقع پر حکم ہے غصہ کو ضبط کرو، اور باپ کو قتل نہ کرو، اس لئے کہ وہ محسن ہے اس نے پرورش کی ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو تمہارے وجود کا سبب بنا ہے۔ یہ

رعایت اسلام کی خوبی ہے، دوسرا کوئی شخص اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔

(از ملفوظات حکیم الامت ج:۲،ص:۳۲۵)

تلف حقوق

ایک سرحدی عابد کی نسبت سنا ہے کہ آخر شب میں تہجد ادا کرنے کے لئے مسجد میں آئے اتفاق سے اس روز مسجد میں کوئی مسافر بھی سورہا تھا، آپ نے نماز شروع کی لیکن مسافر کے خراٹوں کے سبب نماز میں مرضی کے موافق یکسوئی اور اجتماع خیالات نہ ہوسکا آپ نے نماز توڑ دی اور مسافر کو خواب سے جگا دیا کہ ہماری نماز میں خلل پڑتا ہے اس کے بعد پھر آکر نیت باندھ لی مسافر چونکہ تکان سے بہت خستہ ہورہا تھا تھوڑی دیر میں پھر سوگیا اور خراٹوں کی آواز پھر شروع ہوئی، آپ نے پھر نماز توڑ کر اس کو بیدار کیا اور اس کے بعد نماز شروع کی تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو آپ کو بہت غصہ آیا اور چھری لے کر اس غریب مسافر کو شہید کر دیا اور پھر بفراغت نماز پڑھی۔

صبح کو نماز کے لئے لوگ جمع ہوئے تو مسجد میں لاش کو دیکھا تعجب سے پوچھا کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا؟ تو عابد صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا اس لئے ہم نے قتل کر ڈالا، یہ تو بالکل کھلی حماقت تھی اسلئے سب نے اس پر نفریں کی ہونگی لیکن آج کل اس سے بہت بڑی بڑی حماقتیں لوگ کرتے ہیں اور ان کی طرف ذرا التفات نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس سے غامض ہوتی ہیں۔

افسوس ہے کہ آج دین کی سمجھ بالکل مفقود ہے ناواقفی سے ہم لوگوں کی بعض اوقات وہ حالت ہوتی ہے جیسے ایک سرحدی کی نسبت سنا ہے کہ وہ ہندوستان میں آیا ہوا تھا اتفاقاً چوروں نے کسی موقع پر اس کو زخمی کر دیا ایک شخص نے اس پر رحم کھا کر اس کا علاج کرایا چند روز میں اس کو آرام ہوگیا جب اپنے وطن جانے لگا تو اس شخص سے کہا کہ اگر تم کبھی ہمارے دیس میں آوگے تو ہم تمہارے احسان کی مکافات کریں گے چنانچہ ایک مرتبہ کسی ذریعہ سے وہ شخص اس کے وطن گیا اور یاد آیا کہ اپنے دوست سے ملے

دریافت کرتا ہوا اس کے گھر پہونچا ملاقات ہوئی نہایت عزت سے پیش آیا اور اپنے گھر پر لے گیا اور اس سے کہا کہ تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔

اس کے جانے کے بعد گھر والوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اس نے سارا قصہ ان سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ خدا کے لئے تم فوراً یہاں سے بھاگو ورنہ وہ تم کو ہلاک کر دے گا کیونکہ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر کبھی ہمارا دوست ہمارے وطن آئے تو ہم اس کے احسان کے مکافات کریں گے اس طرح کہ اول اس کو اسی قدر زخمی کریں گے جتنے ہم ہوئے تھے اور پھر اس کا علاج کر کے اس کو تندرست کریں گے چنانچہ وہ ابھی چھرا لے کر آئے گا اور تم کو زخمی کرے گا، یہ غریب وہاں سے بھاگا اور اس طرح اس کی جان بچی۔

تو بہت لوگوں کی عادت ایسی ہوتی ہے جیسی اس کی مکافات تھی، لیکن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا مثلاً بعض لوگوں کو مراقبہ کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ اگر حالت مراقبہ میں کوئی شخص ان کے پاس آ کر نماز کے متعلق مسئلہ دریافت کرے اور نماز کا وقت نکلا جاتا ہو اور کوئی دوسرا آدمی مسئلہ بتانے والا بھی نہ ہو تو یہ ہرگز مراقبہ سے سر نہ اٹھائیں گے حالانکہ ایسے وقت میں فرض ہے کہ مراقبہ چھوڑ کر مسئلہ بتلا دیں، میں نے خود ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ ہر وقت تسبیح ہاتھ میں ہے لیکن نہ بیوی کی خبر ہے اور نہ بچے کی گویا ماسوی اللہ کو چھوڑ دیا۔ (از مفاسد گناہ ص: ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸)

میت پر کسی قسم کا قرض اگر دلیل سے ثابت ہو تو انکار نہ کرنا چاہئے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بجز قرضہ تمسک کے دست گرداں قرض جو میت کے ذمہ ہو اور دلیل شرعی سے ثابت ہو اس کو کوئی شاذ و نادر ہی ترکہ سے ادا کرتا ہے صاف انکار کر دیتے ہیں جیسا کہ میت کا جو ایسا ہی قرضہ اوروں کے ذمہ ہے اور لوگ اس کو بھی مکر جاتے ہیں دونوں امر صریح ظلم ہیں خصوصاً میت پر اگر قرضہ ہو تو ورثہ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ بروئے حدیث اس کی روح جنت میں جانے سے معلق رہے گی جب تک قرض نہ ادا ہو تو

کیا اپنے عزیز کے لئے اتنا بڑا حرمان گوارا ہوگا؟

اگر میت کا کوئی وارث بطن مادر میں ہو تو اس کے تولد تک میراث تقسیم نہیں ہوگی

ایک کوتاہی یہ ہے کہ کبھی میت کے وارثوں میں وہ بچہ بھی ہوتا ہے جو ابھی بطن مادر میں ہے ہم کو یاد نہیں کہ کسی مستفتی نے سوال میں کبھی اسکو ظاہر کیا ہو اور ہم جواب دینے والے لوگوں کی بھی کوتاہی ہے اس کا احتمال ہی نہیں ہوتا اور سائل سے اس کی تحقیق ہی نہیں کرتے، مذہب کا ضروری مسئلہ ہے بہت زیادہ قابل اعتناء کے ہے بدون اس کے تولد کے تقسیم ترکہ کی صورت معلق رہے گی بعد تولد کے صحیح سوال قائم ہوگا۔

میت کا ورثہ مشترکہ ہوتا ہے

تو سنئے حکم شرعی یہ ہے کہ میت کا کل ترکہ مشترک ہے درمیان ورثہ کے اور مشترک مال کو بلا اجازت دیگر شرکاء کے صرف کرنا جائز نہیں پس ترکہ میں ایک کرتا یا پائجامہ حتیٰ کہ ٹوپی، کمر بند، رومال بلکہ سوئی تک قبل از تقسیم بلا رضامندی سب ورثاء کسی کو دینا جائز نہیں۔

میراث میں آج کل بہت گڑبڑ ہے

خاص کر میراث میں تو ایسی گڑبڑ ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! جس کے ہاتھ جو آ گیا وہ اس نے دبالیا اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیوی مہر معاف کر دیتی ہے لیکن خاوند کے انتقال کے بعد وارثوں سے لڑ جھگڑ کر وصول کر لیتی ہے بعض لوگ حیلے ڈھونڈ کر وارثوں کو نہیں دینا چاہتے۔

چنانچہ ایک صاحب میرے پاس آئے کہنے لگے کہ میری بہن سنی تھی اور اس کا خاوند شیعہ تھا اب اس بہن کا انتقال ہو گیا ہے تو اس خاوند کو اس کے مال میں سے حصہ نہ ملنا چاہئے کیونکہ سنی عورت سے شیعہ مرد کا نکاح درست نہیں ہوتا، شاہ عبدالعزیز صاحب

نے شیعوں کے متعلق کفر کا فتویٰ لکھا ہے میں نے کہا غیرت دار! آج جائداد کے بچاؤ کے لئے شاہ صاحب کا فتویٰ نظر آ گیا اور دس برس تک جو بہن سے حرام کرایا اس وقت اس فتویٰ پر عمل نہ کیا، اب تو میں یہی کہوں گا کہ نکاح (جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا فتویٰ ہے) ہو گیا تھا اور میں نے کہا ایمان سے بتلاؤ کہ تمہاری بہن سے پہلے یہ شخص مرجاتا اور بہت سی جائداد چھوڑ جاتا، تب بھی تم یہی کہتے کہ نکاح نہ ہوا تھا، اس لئے بہن کو میراث نہ ملنی چاہئے ہرگز بھی نہ کہتے۔

تو لوگوں کا یہ حال ہے حیلے نکال نکال کر شریعت کو بدلنا چاہتے ہیں، گویا خدا تعالیٰ کو بھی پھسلانا چاہئے:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ۔

یعنی دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے نفسوں کو۔

افسوس کہ بعضے لوگوں نے دین کو نفس کی خواہشوں کے لئے آڑ بنا لیا ہے چنانچہ یہاں تک مشہور ہو گیا کہ دیندار لوگ اپنے مطلب کے مسئلے نکال لیتے ہیں خدا تعالیٰ کی قسم دینداروں کا تو یہ مذہب ہے کہ اگر کھلا ہوا گناہ کریں تو اس سے اچھا ہے کہ دین کے پردے میں گناہ کریں۔

غرض کہ میراث میں گڑبڑ ہو رہی ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو میراث دینا نہیں چاہتا، حالانکہ میراث کا مسئلہ ایسا نازک ہے کہ ایک بزرگ اپنے دوست کی بیمار پرسی کے لئے گئے جب ان کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا اور اپنے پاس سے پیسے دیکر تیل منگایا اور فرمایا کہ یہ تیل اب تمام وارثوں کا ہو گیا تھا اور سب وارثوں سے اجازت ملنی دشوار تھی اس لئے میں نے چراغ گل کر دیا۔

آج یہ حالت ہے کہ اللہ کے واسطے دینے میں بھی احتیاط نہیں کہ جہاں کہیں کوئی مرا فوراً اس کے کپڑے مسجد یا مدرسے میں بھیج دیئے حالانکہ جس وقت تک وارثوں میں تقسیم نہ ہو جائیں اس وقت تک اس میں سب وارثوں کا حق ہے پس بدون سب کی

خوشی اور اجازت کے اس کا دینا جائز نہیں ہے اور اگر ایک وارث دیدے گا تو شرع کی رو سے اسی قدر اس کے ترکہ میں سے اس کا حصہ کم ہو جائے گا مگر لوگوں نے اپنی خواہش کو اپنا اپنا معبود بنا رکھا ہے جو جی میں آیا کرلیا، شریعت سے کچھ بحث ہی نہیں پھر غضب یہ کہ بعضے اس کی بھی اتنی کوشش کرتے ہیں کہ نفسانی خواہشوں کو مولویوں سے جائز کرالیں۔ (از اصلاح المسلمین)

معاملات کی صفائی دین کا اہم جزء ہے

فرمایا: مجھ کو معاملات کی صفائی بہت پسند ہے معاملات کی صفائی دین کا ایک اہم ضروری جزء ہے اگر میں گھر والوں سے بھی کسی فوری ضرورت کے لئے کچھ قرض لے لیتا ہوں تو دوسرے وقت واپس کر دیتا ہوں اور وہ لے بھی لیتے ہیں میں ان کے اس طرز عمل سے بہت خوش ہوں میں نے کہہ رکھا ہے کہ جس کا جو مطالبہ میرے ذمہ ہو وہ یاد دلا دے میں اس سے خوش ہوتا ہوں۔ (از حکیم الامت اسعد الابرار)

حکیم الامت رحمہ اللہ کا حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام

فرمایا کہ میرے جو ملازم تنخواہ دار ہیں ان کو بھی جب تنخواہ دیتا ہوں یا کبھی کوئی ان کی مالی خدمت کرتا ہوں تو روپیہ پیسہ کبھی ان کی طرف پھینکتا نہیں بلکہ سامنے رکھ دیتا ہوں یا ہاتھ میں دیتا ہوں جیسے ہدیہ دیتے ہیں پھینکنے میں ان کی اہانت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک تحقیر کی صورت ہے اور ملازم کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ نوکری ایک قسم کی تجارت ہے تجارت میں کبھی اعیان کا مبادلہ اعیان سے ہوتا ہے کبھی اعیان کا مبادلہ منافع سے ہوتا ہے اور منافع میں منافع بدنیہ ارفع ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نوکر نے اپنی جان پیش کی جو اس مال سے کہیں افضل واعلیٰ ہے منافع بدنیہ کو پیش کرنا یہ زیادہ ایثار ہے پس تجارات میں اجارات زیادہ افضل ہے تو اس کی تحقیر کی کیا وجہ؟ میں کبھی ان معمولات کو بحمد اللہ بیٹھ کر سوچتا نہیں سب امور طبعیہ ہیں خود بخود ذہن میں آتے ہیں جتلانا مقصود نہیں، احسان کرنا مقصود نہیں اپنے دوستوں سے صرف اس

لئے ظاہر کر دیتا ہوں کہ وہ باتیں کانوں میں پڑ جائیں تا کہ حقوق العباد کا خیال رکھیں اور عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور کوئی غرض سنانے سے نہیں۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کی سلامت طبع، حقیقت شناسی، اخلاص، شان تربیت، تاکید حقوق العباد صاف ظاہر ہے۔ (از ملفوظات کمالات اشرفیہ ص:۳۷۹)

فرمایا: کہ ہمارے یہاں تو بس اپنی نیند سوؤ، اپنی بھوک کھاؤ، چین کی زندگی بسر کرو ہاں حدود کے اندر رہو یہاں بحمد اللہ نہ کسی کی لگائی نہ کسی کی بجھائی، آزادی بڑی ہے، ذاکرین شاغلین کی بابت اس کی بھی نگرانی نہیں کرتا کہ کون شخص جماعت میں شریک ہے کون نہیں، ہاں اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ کوئی ایسا فعل نہ کیا جاوے جس سے دوسروں کو تکلیف یا ایذا پہنچے، یا دوسروں کے ضلال کا اس میں اندیشہ ہو یا صریح خلاف شریعت ہو، باقی اگر ایک آدھ وقت کی جماعت فوت بھی ہوگئی تو کونسا ایسا بڑا جرم ہوگیا۔

بعض ذاکرین کو میں دیکھتا ہوں کہ آج کل رمضان میں صبح کو سو جاتے ہیں بعد سورج نکلنے کے نماز پڑھتے ہیں کوئی تنبیہ نہیں کرتا نہ یہ دیکھتا ہوں کہ کون کام کر رہا ہے کون نہیں؟ کون تہجد کو اٹھتا ہے کون نہیں؟ کیونکہ ان باتوں کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے باقی جن باتوں کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے ان کی بابت مجھے خاص طور سے اہتمام ہے کہ مخلوق کو دوسرے سے کیوں ایذا پہنچے؟

مباش در پئے آزار ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کا کس قدر اہتمام حق العبد کے متعلق ہونا ثابت ہے۔ (از ملفوظات کمالات اشرفیہ ص:۳۷۷)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اموال میں حقوق کی رعایت کا شدید اہتمام

ارشاد فرمایا کہ میں مدرسہ اور مسجد کی املاک کو تو الگ الگ رکھنے کی فکر کرتا ہوں جو بہت ضروری ہے اسی لئے مسجد کے پنکھوں پر نشان ڈال دیئے ہیں کہ ان کو اٹھا

کر کوئی میرے بیٹھنے کی سہ دری میں یا اپنی جائے قیام میں لے جا کر استعمال نہ کرے، اپنی خاص ملکیت اور اپنی ازواج (بیبیوں) کی ملکیت کو بھی الگ الگ رکھتا ہوں جب کسی گھر میں کوئی چیز دیتا ہوں تو یہ بتلا کر دیتا ہوں کہ یہ تمہاری ملک یا میری ملک ہے پھر فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ بے فکر ہو کر زندگی نہیں گذارنا چاہئے معلوم نہیں کہ کس وقت موت آجائے اور حقوق مشترک رہ جائیں۔

احقر جامع کہتا ہے کہ اسی کا یہ اثر تھا کہ وفات کے بعد کسی ایک چیز میں بھی یہ اشتباہ پیش نہیں آیا کہ یہ حضرت کی ملکیت ہے یا گھر میں سے کسی کی ایک ایک چیز لکھی ہوئی تھی۔

فرمایا کہ تقسیم میراث میں بہت سے اہل علم وصلاح بھی غلطیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں تقسیم میراث سے پہلے مشترک مال میں سے ایصال ثواب کے نام پر بغیر اجازت سب ورثہ کے خرچ کر دیتے ہیں اور تبرکات کے نام کچھ اشیاء تقسیم کر دیتے ہیں جس میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو کر سب کام حرام ہو جاتا ہے۔

اور فرمایا کہ خصوصاً نابالغ بچوں کے حقوق کی حفاظت انتہائی ضروری ہے اس میں اکثر لوگ غفلت کرتے ہیں یہ بھی یاد رہے کہ نابالغ کی کوئی چیز اس کی اجازت سے بھی دوسرے کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ (از مجالس حکیم الامت ص:۷۱)

محض وسوسہ کے سبب خدمت طالبین کے ضروری حقوق تلف نہیں کر سکتا (تھانویؒ)

(ملفوظ: ۸۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض مرتبہ مجھے وسوسہ ہوتا ہے کہ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ بڑا ہی متکبر ہے آنے والوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے مگر بحمد اللہ مجھ پر اس کا ذرہ برابر اثر نہیں کرتا، آنے والوں کی مصلحت دیکھتا ہوں اگر کوئی اس کو تکبر سمجھے میری جوتی سے، ان خیالات کی وجہ سے میں خدمت طالبین کے ضروری حقوق تلف کر دوں؟ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں، میں نے علماء کے

ایک مجمع میں بسبیل گفتگو کہا تھا کہ نہ میں متکبر ہوں نہ عرفی متواضع، ایک سچ بولنے والا آدمی ہوں، سچ بات کہتا ہوں، کبھی اس میں تکبر کا رنگ ہوتا ہے اور کبھی تواضع کا مگر میری جو حالت ہے بالکل کھلم کھلا ہے میں اس کو چھپانا نہیں چاہتا اور چھپاؤں تو جب کہ کسی کو دھوکہ دینا ہو۔ استغفر اللّٰہ۔

بس جن کو میری یہ حالت پسند ہو وہ مجھ سے تعلق رکھیں، اور میرے پاس آئیں اور جن کو ناپسند ہو وہ نہ تعلق رکھیں اور نہ آئیں، میں کسی کو بلانے تھوڑا ہی جاتا ہوں کسی کے دکھلانے اور نیک نام بننے کی وجہ سے اصول صحیحہ کو نہیں چھوڑ سکتا، یہ تو اچھی خاصی مخلوق پرستی ہے اس ہی قسم کے توہمات اور شبہات نے مشائخ اور علماء کو اصلاح سے باز رکھا ہے اور عوام کے اخلاق کو خراب اور برباد کیا ہے کیا یہ جماعتیں محض زیارت اور ہاتھ چومنے ہی کے واسطے ہیں؟ اور کیا ان کا فرض منصبی صرف یہی ہے؟ ایسا طریق اختیار کرنا کہ جس میں اپنے اغراض اور مصالح کی بناء پر دوسروں کے اخلاق اور اعمال کو خراب اور برباد ہوتے دیکھ کر بھی روک ٹوک نہ کی جائے صریح خیانت ہے۔

(از ملفوظات حکیم الامت ج:۵،ص:۹۷)

حکیم الامت رحمہ اللہ کی دوسروں کے حقوق کی گہری رعایتیں

فرمایا کہ مجھ کو بدنام تو کیا جاتا ہے مگر یہاں پر رہ کر دیکھا جائے کہ میں کس قدر رعایتیں کرتا ہوں اور آنے والے مجھ کو کتنا ستاتے ہیں یک طرفہ بات سن کر گھر بیٹھے فیصلہ دیدینا تو آسان ہے لیکن جب وہی باتیں اپنے کو پیش آئیں پھر اگر تحمل کر کے دکھائیں تو ہم جانیں البتہ اگر کسی کو حس ہی نہ ہو یا محض فوج ہی جمع کرنا ہو یا روپیہ ہی محض اینٹھنا مقصود ہو اور دکانداری ہی جمانا ہو تو ایسا شخص تو واقعی اس سے بھی زیادہ سخت سخت باتوں کا تحمل کرلے گا مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا بلا سے کوئی معتقد رہے یا غیر معتقد ہو جائے، میں تو یہاں تک رعایت رکھتا ہوں کہ یہاں پر پہلے مسجد میں ایسا قصہ ہوتا تھا کہ جہاں میں نماز کے لئے مصلے پر جانے لگا کوئی ادھر کو کھڑا ہو گیا کوئی ادھر کو کھسکا، مجھ کو ایسی

باتوں سے اذیت ہوتی تھی، نیز اس سے ایک عظمت اور بڑائی کی شان معلوم ہوتی تھی، میں نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ وہ ایسی باتوں کو پسند نہ فرماتے تھے نہ مجھ کو پسند ہیں۔

غرض کہ لوگوں نے مجھ کو ایسا بنا لیا جیسے بھیڑیئے کو دیکھ کر بھیڑیں ادھر ادھر کو بھاگا کرتی ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے اللہ میں ہوا ہوں، آخر میں نے یہ انتظام کیا کہ لوگوں سے کہہ دیا کہ تم صرف اتنا کرو کہ میرے مصلے پر آنے کے لئے مصلے کے مقابل ایک آدمی کی جگہ چھوڑ دیا کرو باقی حرکت مت کیا کرو مگر اس صورت میں یہ ہوا کہ بعض صاحب میرے ساتھ ہو لئے اور اس خالی جگہ پر جا کھڑے ہوئے۔

اب یہ ظاہر ہے کہ پہلے پہنچنے والے بے چارے میری محبت کی وجہ سے کہ اس کو آنے میں کلفت نہ ہو ایک آدمی کی جگہ چھوڑ دیتے تھے تو وہ جگہ ان کا حق تھی، مگر میرے اس قاعدے سے دوسروں نے نفع اٹھانا شروع کر دیا، مجھ کو اس پر بھی خیال ہوا کہ میں آلہ بنا، ان ساتھ ہو لینے والے حضرت کے موخر سے مقدم بنانے کا، اس پر میں نے یہ انتظام کیا کہ یہ بھی مت کرو اپنی اپنی جگہ ملے ہوئے بیٹھے رہو، میں جب آیا کروں گا جس جگہ سے جاتا ہوا کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، اس وقت تھوڑی سی جگہ مجھ کو جانے کی دیدیا کرنا، اس میں ان کی بھی رعایت مقصود تھی وہ یہ کہ مجھ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ اسکو گوارا نہ کریں گے کہ مجھ کو کوئی تنگی ہو، اس لئے مجھ کو بھی ان کی یہ ناگواری گوارا نہ ہوئی اور بے تکلف اشارہ کر کے رستہ لینا تجویز کر لیا۔

یہ میں نے بطور نمونے کے بیان کیا ہے اور ہزاروں جزئیات ہیں کہاں تک احاطہ ہو سکتا ہے؟ جن کی میں رعایت رکھتا ہوں زبان سے دعویٰ کرنا آسان ہے کر کے دکھلانا بہت مشکل ہے اس لئے میں بھی چاہتا ہوں کہ دوسرا بھی میری راحت کی رعایت رکھے۔

(از ملفوظات حکیم الامت ج:۱، ص:۱۸۸، ۱۸۹)

اساتذہ کرام کے ادب و احترام کے موضوع پر مفصل اور جامع کتاب
دینی مدارس کے اساتذہ عظام اور طلبہ کرام کے لیے بہترین تحفہ

اساتذہ کرام کے آداب و حقوق

تحریر
مولانا محمد صادق آبادی
استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد

تقریظ
حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب مدظلہم

ادارہ اسلامیات
کراچی — لاہور

اِسلام، عیسائیت

اور

سیّدنا عیسٰی علیہ السلام

تالیف

جناب خالد محمود صاحبؒ

سابق یونیل کنڈن

پبلشرز • بکسیلرز
ایکسپورٹرز
اِدارۂ اِسلامیات

موہن روڈ، چوک اُردو بازار، کراچی - فون: ۷۷۲۲۴۰۱

۱۹۰- انار کلی، لاہور پاکستان فون: ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون: ۷۳۲۴۴۱۲ - فیکس: ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲

راویانِ حدیث کے ناموں کا صحیح تلفظ معلوم کرنے کے لیے ایک اہم کتاب
جس کا حدیث کے ہر طالبِ علم کے پاس ہونا نہایت ضروری ہے
علماء اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے اہم تحفہ!

المُغنی فی ضبط أسماء الرجال

علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ

پبلشرز • بکسیلرز
ایکسپورٹرز
اِدارۂ اِسلامیات

دیناناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون: ۷۳۲۴۴۱۲، فیکس: ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲

۱۹۰ انار کلی، لاہور، پاکستان
فون: ۷۲۴۲۹۹۱-۷۳۵۳۲۵۵

موہن روڈ، چوک اردو بازار
کراچی - فون: ۷۷۲۲۴۰۱

اِمدادُالأضحِیۃ

قربانی کے فضائل و مسائل

ازافادات

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

انتخاب و ترتیب

جناب مولانا محمد زید مظاہری ندوی استاذ دار العلوم لکھنؤ

ادارہ اسلامیات

کراچی۔ لاہور

حکیم الامت حضرۃ مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے

تین اہم مواعظ

جلاء القلوب یعنی جام جمشید

رجاء الغیوب یعنی صبح امید

دواء العیوب یعنی شام خورشید

اشاعت حسب ہدایت

نمونہ سلف صالحین حضرۃ محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم

ادارۂ اسلامیات کراچی لاہور